THE BOOK WAS
DRENCHED

Noise Book

TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222545
UNIVERSAL LIBRARY

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

... تصنیف میں ... ہر رنگ میں جو ... سب کو ہے کلام ... اب وہ ہے

جلدِ دوم حصّہ اوّل

حیاتِ دبیرؒ

مسمّٰی باسم تاریخی

سنہ ۱۳ھ

کلامِ فصیح و بلیغ

جس میں

خدائے سخن حضرت مرزا سلامت علی صاحب دبیر لکھنوی اعلیٰ اللہ مقامہ

مؤلفہ

سید افضل حسین ثابت رضوی لکھنوی شاگرد ...

مولوی غلام عباس صاحب

جارج سٹیم پریس

۸۹۱۱ ۴۳

Checked 1965

حیات دبیر جلد اوّل

(۱) جس میں حضرت دبیر کے صحیح حالات ہیں۔ (۲) حضرت دبیر کے معاصرین اہل علم شعراء کے حالات درج ہیں۔ (۳) کلام دبیر کے مقابلہ میں کلام شعرا اردو۔ فارسی۔ عربی وطرز کلام بعض شعراء یورپ۔ (۴) صنائع وبدائع شاعری معلوم ہونے کی ضرورت۔ (۵) ہر قسم کی سلیس وفصیح ودقیق وبلیغ وسہل ممتنع نظم۔ (۶) مولوی شبلی صاحب کے اعتراضات مندرجہ موازنہ کی تردید (۷) لکھنؤ کے شاہی زمانہ کی مجالس کی کیفیت کا نظارہ۔ (۸) ایشیائی شاعری کے ہر قسم کے نمونے۔ (۹) اردو زبان سے واقفیت غرض عجب دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ڈمی کاغذ تین روپے (للعہ) سیر امپوری کاغذ دو روپے آٹھ آنے (۸؍)۔ تقطیع ۲۰×۲۶ ۔ ضخامت ۹۰۰ صفحہ۔ رعایتی قیمت ڈمی کاغذ دو روپے آٹھ آنے (۸؍) سیر امپوری دو روپے (عہ) +

Checked 1969.

مفاد آخرت

یعنی منظوم توبۃ النصوح

جس کو مولوی سید امیر حسن صاحب فروغ وکیل حیدرآباد دکن نے بنا بر طریقہ شیعہ نظم کیا ہے۔ مقبول عام کتاب ہے۔ جیسی کتاب عمدہ ہے۔ ویسی ہی عمدہ ڈمی کاغذ پر چھپوا کر ... قرر کی تھی۔ اس وقت خریداران حیات دبیر مرحوم کو صرف چار آنے (۴؍) ... ابر ہے۔ اور اصل لاگت کا نصف بھی نہیں ہے +

حجیم جس میں مختار علیہ الرحمہ کے صحیح حالات نہایت خوبی کے ساتھ درج کئے ...

ولایتی کاغذ پر چھپوائی۔ ایک ایک پیسے ... گئی ہیں۔ لہذا یہ باقی ماندہ نسخے بھی ... ئیں گے جو مفت کے برابر ہیں۔

پتہ

گوچہ نانک چند محلہ لوہار منڈی لاھور

ed 1975

فہرستِ مضامین حیاتِ دبیرؒ
جلدِ دوم حصۂ اول

نمبر شمار	نمبر صفحہ	خلاصۂ مضمون
۱	۱	خطبہ و حال مؤلف و کتاب
۲	۳	خدا کی شان۔ رئیس کی قدردانی۔
۳	۵	غلطی کتاب و نام تاریخی کتاب ہذا۔
۴	۶	اہل زمانہ کی غفلت یا خود غرضی۔
۵	۷	شکریہ احباب۔ حیات دبیر پر ایک نظر۔
۶	۱۰	حیات دبیر پر رائے حضرت آسی لکھنوی مقلدہ سید تلطف حسین صاحب امین۔
۷	۱۱	و مرزا واجد حسین صاحب یاس و حاجی سید جعفر حسین صاحب جعفری لکھنؤ پرسری۔
۸	۱۳	و نواب پیارے صاحب رشید قیصر آباد۔
۹	۱۵	و مسٹر نواب محمد علی خان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ
۱۰	۱۹	و خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی۔
۱۱	۲۱	و سید محمد شمیم صاحب مقصود براتی صاحب سب جج۔
۱۲	۲۹	و شیخ طالب حسین صاحب طالب لہپوری۔
۱۳	۳۰	و شیخ ... حسین صاحب ...۔
۱۴	۳۱	و شیخ علی نقی صاحب عاقل انصاری۔
۱۵	۳۵	و شیخ عباس حسین صاحب ... چھٹو۔
۱۶	۳۶	و مولوی سید علی نقی صاحب لکھنوی۔
۱۷	۳۸	و مولوی سید محمد غلام حیدر صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدرآباد و سشن جج ورنگل آباد۔
۱۸	۴۱	و چودھری سید نظیر الحسن صاحب فوق رضوی ... و سید کرار حسین صاحب رعدی جلالپوری ... گورکھپور و مولوی سید یوسف حسین صاحب ... حضرت کمال مرحوم۔
۱۹	۴۲	و خان بہادر سید غلام ... صاحب ...۔
۲۰	۴۹	و سید نفس مہدی صاحب شمیم رئیس جرول۔
۲۱	۵۰	قطعات تاریخ نظمی ... صاحب ... و ملا ... صاحب ... و حاجی نواب محمد جعفر صاحب ...۔
۲۲	۵۱	و مسٹر ... علی خان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ۔
۲۳	۵۲	و سید اکبر مہدی صاحب سلیم رئیس جرول۔
۲۴	۵۳	و مصطفیٰ سید نظیر حسن صاحب ...۔
۲۵	۵۴	و مولوی سید عیسیٰ مہدی صاحب شمیم رئیس جرول۔
۱		و شیخ طالب حسین صاحب طالب لہپوری۔
۲۶	۵۶	و سید سرفراز حسین صاحب خبیر لکھنوی۔

نمبر شمار	نمبر صفحہ	خلاصۂ مضمون
۲۷	۵۷	رباعیات بیاض دبیر جلد دوم
		باب اول
۲۸	۵۸	پہلا باب - فتح الباب بسم اللہ - توحید - مناجات - امید رحمت - تعریف آتش - تحقیق - استحقاق جنت وغیرہ۔
۲۹	۶۰	(بیت ۱۰ تا ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶) نعتیہ - معراج - یٰسین - منقبت۔
۳۰	۶۲	(بیت ۱۷ تا ۲۴) دو تا تین وغیرہ مناقب میں۔
۳۱	۶۴	(بیت ۲۵ تا ۲۸) نئی شان کا سراپا وغیرہ
۳۲	۶۵	(بیت ۲۹ تا ۴۴) رباعی حضرت اور خانہ کعبہ میں ولادت و جوش ولا و مدح نجف وغیرہ۔
۳۳	۶۸	(بیت ۴۵ تا ۴۹) منقبت جناب فاطمہ زہرا و جناب حسنینؑ
۳۴	۶۹	(بیت ۵۰ تا ۵۵) نام حسین و حسن ولادت امام حسینؑ منقبت پنجتن پاک و چہاردہ معصومینؑ۔
۳۵	۷۰	(بیت ۵۶ تا ۶۱) منقبت امام آخر الزمان و توحید و غیبت۔
۳۶	۷۱	(بیت ۶۲ تا ۶۶) ولادت شب نیمہ شعبان و رباعیات اخلاق و تمدن و ناموافقت زمانہ۔
۳۷	۷۲	(بیت ۶۷ تا ۷۱) بے اعتباری دنیا وغیرہ۔
۳۸	۷۳	(بیت [illegible]) شکایت فلک و زمانہ و اہل کمال کی بے قدری خوشامد کرنیوالوں کی بے عزتی [illegible]۔
۳۹	۷۴	(بیت [illegible]) عیب جوئی کی مذمت - فوائد سفر صحبت احباب - فرقت احباب مذمت حاسد [illegible] طرح سے کھلا مینا خلوص تعریف [illegible]۔
۴۰	۷۵	(بیت [illegible]) [illegible] خود ستائی شکایت نا قدری
۴۱	۷۶	(بیت [illegible]) شاعرانہ تفاخر وغیرہ۔
۴۲	۷۷	(بیت ۹۶ تا ۱۰۳) اشتیاق زیارت و مدح کربلا معلی و مومنین - تیاری سفر آخرت۔
۴۳	۷۸	(بیت ۱۰۴ تا ۱۱۱) غفلت و قرب مرگ و قبر کے مضامین۔
۴۴	۷۹	(بیت ۱۱۲ تا ۱۲۱) زمانہ بالعموم قناعت - انکسار - ترک خود بینی وغیرہ
۴۵	۸۰	(بیت ۱۲۲ تا ۱۲۸) تواضع - صفائی قلب - دعا مقبول یا پیشگوئی۔
۴۶	۸۱	(بیت ۱۲۹ تا ۱۳۳) تعریف اشک عزا۔
۴۷	۸۲	(بیت ۱۳۴ تا ۱۳۷) اثر عزاء امام حسینؑ - لوح و قلم سیاہ لباس کعبہ آفتاب - سنگ اسود و زمزم و ستون کعبہ۔
۴۸	۸۳	(بیت ۱۳۸ تا ۱۴۲) ماتمی لباس - جمع مجالس وغیرہ۔
۴۹	۸۴	(بیت ۱۴۳ تا ۱۴۵) بر سر منبر فی البدیہہ رباعیاں۔
۵۰	۸۵	(بیت ۱۴۶ تا ۱۴۷) دوپہر گرمی کی مجلس - رات کے بارہ بجے کی مجلس
۵۱	۸۶	(بیت ۱۴۸ تا ۱۵۰) پنکھا - آواز بیٹھنے کا مضمون - ماتم امام حسینؑ۔
۵۲	۸۷	(بیت ۱۵۱ تا ۱۵۷) ماتم و بے نقطہ رباعیاں۔
۵۳	۸۸	(بیت ۱۵۸ تا ۱۶۳) بے نقط و منقوط در رباعیات متعلق حضرت حر رض۔
۵۴	۸۹	(بیت ۱۶۴ تا ۱۷۰) رباعیات حال حضرات حر و عزیزان امام حسینؑ - عون و محمد پسران مسلم و حضرت عباسؑ۔
۵۵	۹۰	(بیت ۱۷۱ تا ۱۷۶) حال حضرت عباسؑ علمدار میں رباعیاں۔
۵۶	۹۱	(بیت ۱۷۷ تا ۱۷۸) حال حضرت عباسؑ - ذو معنیین رباعی۔
۵۷	۹۲	(بیت ۱۷۹ تا ۱۸۳) تصویر غم حضرت علی اکبرؑ۔
۵۸	۹۳	(بیت ۱۸۴ تا ۱۸۹) صنعت تقلیب مستوی علی اصغر شیرخوار حضرت امام حسینؑ۔
۵۹	۹۴	(بیت ۱۹۰ تا [illegible]) [illegible] شدت گرمی - حال حضرت سید الساجدینؑ

نمبر شمار	نمبر صفحہ ابتدائی	خلاصۂ مضمون
		وغیرہ تصویر۔
۶۰	۹۵	۱۹۵ تا ۲۰۴ حال حضرت عابدؑ مصنفہ جناب نفیس
		باب دوم
۶۱	۹۶	۲۰۵ پر رباعیاں ختم۔ باب دوم۔
		تضمین۔ بے ثباتی دنیا عبرت وغیرہ۔
[illegible]	۹۸	تضمین سلام دلگیر سے
		سلامی وصف زلف شاہ خوشخو ہو نہیں سکتا۔
۶۳	۱۰۰	تضمین سلام سلطان عالیہ مرحومہ سے
		خمیدہ وہ شاہ پر سر رہے۔
۶۴	۱۰۲	بیان سلام سلطان عالیہ مرحومہ دبیر مخمس سوم
		و مخمس تضمین سلام سلطان عالیہ مرحومہ سے
		ہجری کہتے تھے انصار یہ غمناں ہو کر۔
۶۵	۱۰۳	مخمس چہارم سلطان عالیہ کے سلام پر سے
		لائی ہے بوستاں رسولؐ خدا کی بو۔
۶۶	۱۰۵	مخمس پنجم سلطان عالیہ کے سلام پر تضمین سے
		باغوں میں شہ کے غم کے ہیں ساماں نئے نئے۔
۶۷	۱۰۷	معذرت اور سلام دبیر مرحوم پر نظیر لکھنوی کے
		مصرع سے کل ہم اخبار اماں امم دیکھا کئے۔
۶۸	۱۰۹	باب سوم۔ سلام اول۔ غم آل عبا ہے اور
		میں ہوں۔
۶۹	۱۱۱	سلام دوم۔ والسلام اے قبر پیاسے حسینؑ۔
		سلام سوم ہجری کیا حوصلہ تھا اصغر بے شیر کا۔
۷۰	۱۱۲	سلام چہارم۔ اے ہجری اس بحر میں وہ شعر سنا گم
۷۱	۱۱۳	سلام پنجم۔ خاک اس کے منہ میں جو اس کو کہے
		گلشن کی خاک۔
		سلام ششم۔ مسطور اگر کمال ہو سرماتم کا۔
۷۲	۱۱۴	سلام ہفتم۔ ہے عکس گیسوئے علی اکبر بہار گل میں
		سلام ہشتم۔ گئے سوئے میداں جو اکبر دوبارہ۔
۷۳	۱۱۵	سلام نہم۔ گنہ کے مرض کی دوا چاہیئے۔
۷۴	۱۱۶	سلام دہم۔ جگہ مصروف سلام شہ مار ہتا ہے۔
۷۵	۱۱۷	سلام یازدہم۔ سلامی ذرہ ہند آفتاب
		کے بدلے۔
		سلام دوازدہم۔ ہجری یاد حق ہے یاد علیؑ
۷۶	۱۱۸	سلام سیزدہم۔ پاؤں سجادؑ کا سے ہجری
		زنجیر میں ہے۔
		سلام چہاردہم۔ ہجری ہے سوگوار واہ
		حیدرؑ چاندنی۔
۷۷	۱۲۱	باب چہارم۔ انتخاب مراثی۔ حمد
		باری تعالےٰ۔
۷۸	۱۲۳	نعت۔
۷۹	۱۲۴	معجزہ شق القمر۔ سایہ جسم حضور میں نہ تھا
		اس کے مضامین۔
۸۰	۱۲۵	مضامین سایہ پر شاعرانہ تفاخر۔ الفقر فخری
		حلم و رحم و توکل حضور۔ نعت دوسرے
		بحر کے مرثیے سے۔
۸۱	۱۲۶	معراج کا سبب۔

نمبر شمار	نمبر صفحہ	خلاصۂ مضمون
۸۲	۱۲۷	نعت۔ اول ما خلق اللہ نوری منقبت جناب امیرؑ و شیرینیِ بند و تیق۔
۸۳	۱۳۰	حدیث نور۔ حق و باطل کی علیحدگی۔
۸۴	۱۳۱	مقام ملاقات امیر المومنینؑ۔ واقعہ بُت شکنی۔ و جانشینی حضور صلعم وقت ہجرت و ولادت۔ و نزول ذو الفقار۔ مناقب جناب فاطمہؑ۔
۸۵	۱۳۳	مناقب امام حسنؑ۔
۸۶	۱۳۶	مناقب امام حسینؑ۔
۸۷	۱۳۸	باب پنجم۔ بیان عبرت روزگار۔ تصویر عبرت و مرقع غم۔ حاکم شام کو امام حسین علیہ السلام کی طرف سے خط۔ شعر نصیحت و موعظت و مذمت دنیا و یاد دہانی موت۔
۸۸	۱۴۲	غرور کی مذمت اور حیا و انکسار کی مدح۔ نفس سے خطاب۔ عالم پیری و غفلت۔ اہل کمال کی ناقدری۔
۸۹	۱۴۳	یک رنگی مدح فروتنی و مذمت کبر۔
۹۰	۱۴۴	امید۔
۹۱	۱۴۶	باب ششم۔ وطن۔ مدینہ منورہ سے امام حسینؑ کی روانگی۔ اور فاطمہ صغرا بیمار بیٹی سے رخصت سلیس و فصیح زبان۔
۹۲	۱۵۵	باب ہفتم۔ امام حسینؑ کا مکہ معظمہ میں آنا۔ اور سفر عراق سلیس اور بلیغ نظم۔
۹۳	۱۵۶	امام حسینؑ کی مکہ معظمہ سے کوفہ کو روانگی۔ گرمی کے متعلق شاعرانہ مضامین۔
۹۴	۱۵۷	امام حسینؑ کا یکایک کربلا میں پہنچ جانا۔ قیام امام حسینؑ کربلا میں جنگل میں لشکر کے اُترنے کا سماں۔ عداوت بالخصوص حضرت زینبؑ کا محمل سے اُترنا۔
۹۵	۱۶۰	مطلع سے جب مہر پر خیام حسینی پیا ہوئے۔ امام حسینؑ کا زمین کربلا مول لینا۔
۹۶	۱۶۴	باب ہشتم۔ صبح عاشورا کا نورانی سین اور شاعرانہ مضامین۔ آفتاب جہانتاب کا نکلنا۔ اور ماہتاب کا چھپنا عروج مہر جہانتاب سے جہاں میں نور۔ اور رات کا یکا دور ہونا۔
۹۷	۱۷۱	امام حسینؑ کے وفادار رفیقوں کی مدح اور اُنکی جرأت کی باتیں۔
۹۸	۱۷۳	حضرت علی اکبرؑ و حضرت عباسؑ کی مدح۔ اور دونو صاحبوں کی بات چیت۔
۹۹	۱۷۵	پسران حضرت زینبؑ و جناب قاسمؑ کے خیالات اور باقی بنی ہاشم کی جوانمردی کے ارادے۔
۱۰۰	۱۷۶	مختصر سراپا سے بنی ہاشم۔
۱۰۱	۱۷۷	نامرادی کو مراد سمجھنا۔

نمبر شمار	نمبر صفحہ	خلاصہ مضمون
۱۰۲	۱۷۸	ان کے گھوڑوں کی مدح۔
۱۰۳	۱۷۹	دوسرا رخ لشکر شام میں صبح عاشور کو جو جلسہ ہوا ہے نفرت سے عمر بن سعد سردار لشکر کی تقریر اور ہتیار لگاتا۔
۱۰۴	۱۸۱	پاؤں باشیاع برعدو فعلن مسپاؤں بعضی خطاں
۱۰۵	۱۸۴	فرات کا بندوبست مطلع۔
۱۰۶	۱۸۵	سکینہ چار برس کی بیٹی سے امام حسینؑ کا جدا ہونا اور سکینہ کی باتیں۔
۱۰۷	۱۸۹	جناب بانو زوجہ امام حسینؑ کا خواب بیان کرنا اور حضرتؑ کا تعبیر دینا۔
۱۰۸	۱۹۲	امام زین العابدینؑ کو جوہر اسرار امامت سونپنا۔
۱۰۹	۱۹۳	باب نہم۔ امام حسینؑ کا خیمہ سے برآمد ہونا لشکر اسلام کا اسلام اور چار صفیں ہونا۔
۱۱۰	۱۹۹	فوج یزید کا آگے بڑھنا۔ اتمام حجت یعنی خطبہ امام حسینؑ نعیمی اعتقادیوں کا خطبہ سننے کو آگے بڑھنا خطبہ آیات قرآن شریف کے حوالہ سے۔
۱۱۱	۲۰۵	خطبہ سنکر لشکر دشمن میں سناٹا ہوجانا اور حضرت حر پر خوف خدا اور لرزہ طاری ہونا اور غسل توبہ کو فرات پر آنا اور سردار لشکر سے بچکر فوج امام حسینؑ کی طرف جانا۔
۱۱۲	۲۱۰	مطلع شعر ندامت حضرت حر ساتھ امام حسینؑ۔
۱۱۳	۲۱۲	حضرت حر کو شرف پابوس ملنا۔
۱۱۴	۲۱۴	در طبیعت ملالت پر نہ بیاب ہر تا ملبشا شت نہاد
۱۱۵	۲۱۶	مطلع و سراپا مع دعوی مصنف کہ سب سے پہلے حضرت کا سراپا انہیں نے کہا۔
۱۱۶	۲۱۷	نئے ارباع عناصر نئی شان سے چہرہ حر کی مدح۔ لب و دنداں۔ دہن۔ سینہ۔ چار آئینہ۔ سپر۔ اسپ۔ آمد سے فوج یزید میں تزلزل۔
۱۱۷	۲۱۹	تجلیس بعض مقابلہ پر فوج یزید کا آنا جنگ نہیم خالص مضمون۔
۱۱۸	۲۲۲	نیزۂ حضرت حر۔ فوج مخالف کو بھگا کر حضرت حر کا خدمت امام حسینؑ میں آنا۔ شہادت۔ محبت سے امام حسینؑ کے ملنے کا فوٹو اور لاش حر کے سرہانے لانا۔ اور رومال جناب فاطمہؑ ملقوم حر پر باندھنا۔
۱۱۹	۲۲۵	باب دہم۔ یورش لشکر یزید و حال حبیب ابن مظاہر جناب ضمیرؑ کی مدح اور اس حال کا ان کا مرجوہونا۔
۱۲۰	۲۲۶	مطلع حال حبیب میں۔ بڑھاپے میں اقبال کا جوان ہونا۔
۱۲۱	۲۳۱	رعشہ میں ثابت قدمی کا ثبوت سکہ میں سر حبیب کا دفن ہونا۔ جنیب خدا کا حبیب ابن مظاہر کو پیار کرنا۔
۱۲۲	۲۳۳	امام حسینؑ کی خاک قدم کہیل میں اٹھا کر حبیب کا آنکھوں سے لگانا اور منہ پر ملنا۔
۱۲۳	۲۳۴	حبیب ابن مظاہر کا کھیلنے میں امام حسینؑ کا طرفدار رہنا میدان جنگ کو حبیب جا رہے ہیں سراپا۔
۱۲۴	۲۳۶	گھوڑے کی تعریف شاعرانہ حبیب کا رجز سیج نیو پیری کی مدح۔ جھکنے کی ثنا و توجیہ۔
۱۲۵	۲۴۰	لڑائی۔ تلوار اور گھوڑے کی کارگذاری تلوار لگانے

نمبر مضمون	نمبر صفحہ	خلاصۂ مضمون
		مع حبیب کے قد خمیدہ کا فاتحہ نیزۂ حبیب ۔
۱۲۶	۲۴۱	شہادت حبیب ۔ سبط ش کا دغیرہ پر آنا ۔ اور حضرت زینبؑ سے حبیب کا وصیت کرنا ۔ اور ان کے بچہ کا کوفہ میں اسیر ہو کر پہنچنا ۔ اور یتیم حبیب کا سر حبیب دیکھ کر قاتل کو پتھر مار کر سر کو گرتے میں چھپا لینا ۔
۱۲۷	۲۴۷	باب یازدہم ۔ زہیر ابن قیس بجلی علمدار میمنۂ لشکر امام حسینؑ کا حال میں ۔
۱۲۸	۲۴۹	امام رضاؑ کی زبانی شہدائے کربلا کا شہدائے سابقین اسلام سے افضل ہونا اور اس کی دلیل زہیر سفر امام حسینؑ کی زہیر کا بعد حج کوفہ کی طرف چلنا اور خیام امام حسینؑ کے پاس خیمہ نصب ہونا ۔
۱۲۹	۲۵۳	حضرت امام حسینؑ کا جناب علی اکبرؑ کو بھیج کر زہیر کو بلانا حضرت علی اکبرؑ کا زہیر کے خیمے میں داخلہ اس مرحلہ جمال شبیہ رسول خدا صلعم ۔
۱۳۰	۲۵۷	حضرت علی اکبرؑ کا پیغام طلب کہنا اور زہیر کا متردد ہونا ۔ اور زوجۂ زہیر کا جوش و غیرت دلانا ۔
۱۳۱	۲۶۰	زہیر کا خدمت امام حسینؑ میں آنا اور خوش ہو کر جانا ۔ اور پھر مقام پر جا کر عزیزوں کو رخصت کرنا اور زوجۂ زہیر کا بیت الشرف امام حسینؑ میں آنا اور زنان اہلبیت میں رہنا ۔
۱۳۲	۲۶۲	امام حسینؑ کا نماز ظہر پڑھنا اور زہیر کا آگے استادہ ہونا اور خود اپنے جسم پر تیروں کا لینا امام حسینؑ کو زخمی ہونے دینا زہیر کی رخصت زنان اہلبیت سے رخصت ہو کر آیا
		بعد اصلاح کے کوفہ کو نصیحت کرنا کہ تم پر عذاب خدا نازل نہ ہو ظلم سے باز آؤ ۔
۱۳۳	۲۶۶	بات سات ۔ ہاتھ ساتھ کی رسم الخط کی بحث اور لڑائی ۔
۱۳۴	۲۶۷	شہادت ۔ امام حسینؑ کا لاش زہیر پر پہنچنا اور لاش اٹھانا ۔ اور زنان اہلبیت کا زوجۂ زہیر کو پرسہ دینا ۔
۱۳۵	۲۷۰	باب دوازدہم ۔ وہب بن عبداللہ کلبی کے حال میں جو نوشہ بنے ہوئے مع عروس اور ماں کے حاضر خدمت امام حسینؑ ہو کر شریک و شہید ہوئے ۔ امام حسینؑ کی تنہائی اور زخمی ہونے کی تصویر ۔ وہب کا مع عروس و مادر حاضر خدمت ہونا ۔
۱۳۶	۲۷۴	نضہ کا یہ حال جا کر بیبیوں سے کہنا ۔ اور سیدانیوں کے خیالات پریشان ۔ اور مادر و عروس وہب کا زنان اہلبیت میں آنا ۔ اور وہب کا رخصت لیکر میدان میں جانا اور لڑنا اور شہادت پانا
۱۳۷	۲۷۸	باب سیزدہم ۔ عونؑ و محمدؑ پسران عبداللہ بن جعفر طیار کے حال میں ۔ مشہور و مقبول مرثیہ پیچھم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی ۔ علم رسالت مآب صلعم کی طرح ۔

بند نمبر	صفحہ نمبر	خلاصۂ مضمون
۱۳۸	۲۸۱	علمِ رسالتمآب جن جن بہ کو معصوم نے اٹھایا ہے۔ ان کے نام۔ جاسوس امام حسینؑ کا خبر لشکرِ شام لیکر آنا۔ اور حضرت امام حسینؑ کا حضرت عباسؑ کو حکم دینا کہ اس سے پوشیدہ سب حال سنو۔ اور پھر حضرت عباسؑ کا سب حال امام حسینؑ سے عرض کرنا۔
۱۳۹	۲۸۷	مصحفِ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا سے حضرت امام حسینؑ کا فال نکالنا اور اس واقعہ کا اس میں نکلنا۔
۱۴۰	۲۹۱	حضرت عباسؑ کو علم عطا فرمانا اور حضرات عون و محمدؑ کا دل میں یہ خیال کرنا کہ اگر ہم کو علم ملتا۔ تو ہم آگے ہوتے (کہ علمدار سب فوج سے آگے ہوتا ہے) اور سب سے پہلے شہید ہوتے۔ اب پہلے شہید نہ ہونگے۔ ہما لشکر میں ایک گوشہ میں ایستادہ ہونا اور جاسوس لشکرِ یزید کا یہ حال دیکھ کر عمر بن سعد سردار لشکر سے کہنا اور اس کا شمر کو بھیجنا کہ ان صاحبزادوں کو بہکا کر فوجِ امام حسینؑ سے یہاں لے آئے۔ شمر کے بیہودوں کی گستاخیاں۔ اور دو علم۔ اور بالی لیکر خدمت عونؑ و محمدؑ میں آنے کی شان۔
۱۴۱	۲۹۲	شمر کا بچوں کو بہکانا۔ بندہائے سلیس و صاف۔ بندشِ شستہ ہے۔
۱۴۲	۲۹۳	حضرت عون و محمدؑ کے اشتعال کی تصویر نئے قلم سے۔
۱۴۳	۲۹۵	از روئے ارث حضرت عباسؑ کا مستحق علمداری ہونا۔ اور پھر جو ہر قدیمی کا بیان فوج کے افسرِ اعلیٰ کی مدح اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔
۱۴۴	۲۹۶	شداد و نمرود کا ذکر اور بے ثباتی عالم۔ جس مجلس لکھنؤ میں مرزا صاحب مرحوم نے یہ مرثیہ پڑھا تھا اس کا ذکر۔
۱۴۵	۲۹۸	استغنا۔ استعارات۔ مدح علمدار و سردار۔
۱۴۶	۳۰۰	امام معصومؑ کے اختیار کی شان۔ پھر اس میں مجبوری۔
۱۴۷	۳۰۱	شرح ایک بندِ دقیق کی۔ یہ حال دیکھ کر
۱۴۸	۳۰۲	بیبیوں بہنوں سیدانیوں اور خصوصاً جناب زینبؑ کا بے حال ہو گیا اس کی تصویر۔
۱۴۹	۳۰۳	شمر کے ڈر کر بھاگ جانے اور صاحبزادوں کے گھر میں آنے کا مرقع۔
۱۵۰	۳۰۴	جناب زینبؑ کی صاحبزادوں سے بات چیت۔ حاضر محاورات شاہی اور شریف زادیوں کی زبان۔
۱۵۱	۳۰۵	صاحبزادوں کا جواب۔ سلیس گفتگو۔ یہ سہل ممتنع ہے۔ کلام ادق نہیں ہے۔

بند نمبر	نمبر صفحہ ابتدائی	خلاصہ مضمون
۱۵۲	۳۰۶	باب چہاردہم۔ حضرت عونؑ و محمدؑ کی رخصت وغیرہ۔
۱۵۳	۳۰۷	مطلع اور دونوں صاحبزادوں کی جوش و تکبیر و جوشِ ہمنیر سے تمثیل و تشبیہ۔
۱۵۴	۳۰۸	پھر مطلع۔ رخصت۔ امام حسین علیہ السلام کا خیمے میں آنا۔
۱۵۵	۳۱۰	رخصت دلانے کے سلسلہ میں جناب زینبؑ کا خواب بیان کرنا۔ امام حسینؑ کا عونؑ و محمدؑ کو رخصت جہاد عطا فرمانا۔ جناب زینبؑ کا بچوں کو پوشاک پہنانا اور جواہر و اسلحہ سجانا۔
۱۵۶	۳۱۴	پوشاک۔ جواہرات و اسلحہ۔
۱۵۷	۳۱۵	مناجات حضرت زینبؑ۔
۱۵۸	۳۱۷	دونوں گھوڑوں کی یکساں مدح۔ اپنا عجز و تائید غیب و تفاخر شاعرانہ و شکر و استغنا۔ آمد مضامین۔
۱۵۹	۳۲۰	مطلب کی طرف گریز۔ میدان میں پہنچنا۔ مردوں کی ہتیں۔
۱۶۰	۳۲۲	رجز۔ تسبیح فاطمہؑ و نماز جعفر طیارؑ۔ مرثیت کا پہلو۔
۱۶۱	۳۲۵	فوج کا مقابلہ و تیاری جنگ۔ دو پہلوانوں کی لڑائی۔ غول پہ غول گرنا۔ غل پہ غل اٹھنا۔
۱۶۲	۳۳۱	دوہرے۔ قافیہ۔ سردار لشکر یزید کا اضطراب و تدبیر قتل۔ اہل مجلس سے خطاب مصنف۔
۱۶۳	۳۳۴	شہادت۔ بچوں کی لاشوں کا گھر میں آنا۔ اور حضرت زینبؑ کا صبر و سجدۂ شکر کرنا۔ اور بچوں کو زخمی دیکھ کر تحسین و آفرین فرمانا۔
۱۶۴	۳۳۹	مرثیت کا پہلو۔
۱۶۵	۳۴۰	بہادروں کی خاص موت۔
۱۶۶	۳۴۱	انتہائی محبت۔ ناظرین سے [illegible] مصنف۔
۱۶۷	۳۴۲	پیمبر داری۔
۱۶۸	۳۴۳	مقطع و تمام حصہ اول جلد دوم حیات دبیرؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ خیر الاسما۔ بسم اللہ رب الارض والسماء والحمد للہ الاول قبل الانشاء والاخر بعد فناء الاشیاء والصلوۃ علی محمد خاتم النبیین و سید المرسلین و علی اھلبیتہ الطیبین الطاھرین (صحیفۂ کاملہ کی دعاؤں میں سے یہ چند فقرے منتخب کرکے یہاں تبرکاً لکھہ دیئے۔ کہ کلامِ معصوم سے کتاب شروع ہو) حقیر افضل حسین ثابت رضوی[1] (ابن سید مہدی حسن ابن سید زین العابدین عرف میر مغل رسالہ دار (عہد شاہی اودھ) ابن سید صادق علی رسالہ دار ابن سید حسن مشہدی ثم دہلوی پنجہزاری ابن سید جمال الدین مشہدی ابن سید کوچک ابن سید معصوم ابن سید انور) ناظرین کتاب کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ کہ حیاتِ دبیر جلد اول چھپنے سے پہلے مجھے یہ خیال تھا کہ ملک میں اس قسم کی کتابیں بہت کم بکتی ہیں شاعروں میں سب سے زیادہ (عوام الناس میں) جو شاعر مشہور و مقبول ہے وہ سید نظیر اکبرآبادی مرحوم ہیں۔ عام لوگوں کے سوانح

---

[1] غدر ۵۷ء میں شجرہ نسب تلف ہوگیا۔ ایک کتاب پر اتفاق سے یہہ چند بزرگوں کے نام تحریر تھے۔ وہ رہ گئے والد مرحوم کی ہدایت کیموافق میں نے اپنی ایک کتاب میں وہ نام لکھہ لئے تھے۔ جو بزرگوں کی فاتحہ خوانی کے موقع پر کام آتے تھے۔ اس جگہ اس غرض سے لکھہ دیئے ہیں کہ شاید کوئی برادر مومن سورہ فاتحہ سے انہیں اور مجھے یاد کرلے۔ اور یہی وسیلۂ نجات ہوجائے۔ اس موقع پر اتنا اور لکھنا چاہتا ہوں۔ کہ حضرت والد مرحوم کے حقیقی نانا سید محمد ماہ اور ان کے برادر حقیقی سید احمد ماہ مشہور حکیم شاہی حکیم حیدر علی مرحوم کے بیٹے۔ اور حکیم مرحوم ممدوح۔ حکیم سید فخر الدین مغفور کے فرزند تھے۔ جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے معالج تھے۔ حقیر کے بزرگ عرب سے مشہد مقدس وہاں سے دہلی وہاں سے لکھنؤ آئے

روشنی کے روشن دماغ بھی نظیر پر جان دیتے ہیں۔ ہندوستان کا شکسپیئر کہکر ان کا نام لیتے ہیں پایا یہ ہے ان کی لائف مطبع اودھ اخبار لکھنؤ میں چھپی اور بہت کم جلدیں بکیں حضرت میر انیس مرحوم کی دو سوانحعمریاں حیات انیسؔ و واقعات انیسؔ طبع ہوئیں۔ مگر شائد سو دو سو جلدوں سے زیادہ نہ بکیں۔ پھر حیات دبیرؔ کون لیگا۔ انگریزی پڑھے ہوئے اُردو کی کتابوں کو پڑھنا تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔ عربی خوان اصحاب عربی کتابیں پڑھتے ہیں۔ اب رہے وہ لوگ جو تھوڑی سی فارسی اور اُردو پڑھے ہوئے ہیں۔ وہ مخرب اخلاق عشقیہ ناولوں کے عاشق ہیں۔ یہ کتاب ان کی بھی دلچسپی کا سبب نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ مرثیہ گو یا مرثیہ خواں ہیں وہ محض اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ مگر کتاب چھپنے پر معلوم ہوا۔ کہ ؎

بود سودائیکہ در سر داشتیم　　خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

خدا معلوم روح حضرت دبیرؔ مرحوم کی برکت تھی۔ یا ممدوحین دبیرؔ کی تائید و کرامت و اعجاز۔ کہ ایک ہزار جلدیں چھپیں اور ہاتوں ہات نکل گئیں۔ ہر فرقہ کے لوگوں نے کتاب کو خریدا۔ اور فائدہ اٹھایا بعض رئیسوں نے بہت سی جلدیں منگوا کر تحفہ کے طریق پر اپنے ذی علم دوستوں کو بھیجیں اس قسم کے علم دوست فیاضوں کا جہانتک مجھے علم ہے۔ ان میں اول نمبر پر مسٹر نواب حکیم حامد علیخان بہادر بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ کا نام نامی ہے۔ جنہوں نے ۲۰ جلدوں سے اوپر تقسیم کیں۔ پھر نواب حاجی سید محمد جعفر عرف نواب پیارے صاحب رئیس شمس آباد ضلع فرخ آباد ہیں[۱] شائد یہ بھی روح دبیرؔ کی برکت ہے۔ کہ جن کاملوں سے میری جان پہچان تک نہ تھی انہوں نے کتاب کو پسند فرما کر مدح وثنا سے میرا دل بڑھایا۔ اور اپنے دوستوں کو خطوط لکھ کر خریداری پر آمادہ فرمایا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جناب امیرؑ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہیں۔ فَانْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ (یہ دیکھ کر کہ کیا کہا ہے۔ یہ نہ دیکھ کر کہ کس نے کہا۔) بعض صاحبوں نے اخباروں میں ریویو لکھ کر کتاب کی عزت و وقعت بڑھائی۔ مجھے مرہون احسان فرمایا۔ اگر سب خطوں کو یہاں لکھوں تو یہ دیباچہ ہی ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ مگر دل نہیں چاہتا۔ کہ بعض خطوں میں سے چند سطریں بھی نقل نہ کروں

[۱] مولوی سید محمود غلام جبار صاحب پنشنر جج اورنگ آباد ریاست حیدرآباد نے کئی مرتبہ حیات دبیرؔ منگوائی اور ہر مرتبہ ان کے ایک نہ ایک دوست انسے چھین کر لیگئے مگر مجھے انکی منگوائی ہوئی جلدوں کی ٹھیک تعداد معلوم نہیں ہے ۰ ۱۲۔ حقیر ثابت لکھنوی

اگرچہ یہ ایک قسم کی خودستائی ہے - اور یہ شعر حضرت غالبؒ دہلوی کا میرے حسب حال ہے

قابلِ مدح در زمانہ چو نیست　　خویشتن را ہمیں سپاس کنم

اگر اس میں فرق ہے - تو صرف اتنا کہ میں اپنی تعریف دوسروں کی زبان سے لکھ رہا ہوں مگر لکھتا تو خود ہی ہوں - میرے خیال میں ایسی تحریروں کے شائع کرنے سے ایک یہ فائدہ بھی ہے - کہ مجھ ایسے گمنام مصنفوں اور مؤلفوں کی ہمت بندھے گی - اور وہ سمجھیں گے کہ ابھی ہندوستان سخن شناسوں سے خالی نہیں - داد و دہش کی کمی ہے - تو ہو زبانی داد دینا تو باقی ہے - اور میں تو داد و دہش کے فیض سے بھی محروم نہیں رہا - ہر چند میں نے اس کتاب کو ذریعۂ رزق نہیں بنایا - اور کسی ایسے رئیس کے نام پر معنون کرنیکی کوشش نہیں کی - نہ کتاب نذر دکھلائی جس سے کچھ روپیہ حاصل کر سکوں - مگر رزاق مطلق نے اپنے فیض و کرم کی عجیب شان دکھلائی - اور ایسے حیلہ سے روزی پہنچائی - جو میرے وہم و خیال میں بھی نہ تھا - اور وہ بات کر دکھائی - جو حمد میں - اب سے دس بارہ برس پہلے میں نے اپنے میلاد منظوم (جلوہ گاہ پیغمبر ۱۳۲۴ھ[1]) میں کہی تھی پس اول میں اپنا وہ بند لکھوں - اس کے بعد وہ فیض و کرم کی شان دکھاؤنگا -

مثال ذات ہے وہ اپنی صنعتوں میں بھی طاق　　بغیر عرض و طلب بے سوال و استحقاق
وہی دیا اُسے جس چیز کا جو تھا مشتاق　　گلوں کو رنگ پھلوں کو مزہ دلوں کو مذاق

جو چشم ہوش ہو نور اس کا جلوہ گر دیکھے
ہر ایک رنگ میں نیرنگ ہو اگر دیکھے

اب وہ فیض و کرم کی شان ملاحظہ فرمائیے - کہ اس کتاب کے چھپنے اور شہرت پانے اور اخباروں میں ریویو ہونے پر عالیجناب معلی القاب مہاراؤ راجہ لفٹنٹ کرنل سر امید سنگھ جی بہادر جی سی ایس آئی جی سی آئی ای والی ریاست کوٹہ نے بغیر میری درخواست اور کسی کی سفارش کے علاوہ تنخواہ مقررہ سررشتہ داری کی دس روپیہ عہ) ماہوار کا وظیفہ تا مدت العمر ۱- اکتوبر ۱۹۱۳ء سے مقرر فرمایا - ایک ایسی ریاست میں جہاں دفتروں میں ناگری

[1] جلوہ گاہ پیغمبر لاہور میں مولوی غلام عباس صاحب تاجر کتب لاہور لوہاری منڈی نے چھپوایا تھا - ۸ / فی جلد قیمت تھی - اب بھی شائد کچھ جلدیں ان کے کتب خانہ میں پڑی ہوں - ۱۲ - ثابت ہیچمدان -

جاری ہے۔ اور خود رئیس ممدوح دام اقبالہٗ انگریزی و ہندی کے سوا اردو نہیں پڑھے ہیں ایسی قدر و عزت ہونا خدا کی عنایت اور رئیس ممدوح کی سخاوت اور حیات دبیرؔ کی برکت نہیں تو اور کیا ہے۔ اس سخاوت کی تحریک عالی جناب دیوان بہادر چوبے رگھناتھ داس صاحب سی ایس آئی دیوان ریاست کوٹہ دام اقبالہٗ نے فرمائی اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ نومبر ۱۹۱۱ء میں جبکہ قریباً ۳۲ سالہ ملازمت کے بعد پنشن پاکر میں وطن جانا چاہتا تھا۔ تو محض ازراہ کرم احسان وکالت سے مجھے معاف و مستثنیٰ فرماکر عدالت ہائے ریاست کا وکیل بھی مقرر فرمایا۔ جس احسان عظیم کا شکریہ میں نے ایک قصیدہ میں یوں ادا کیا ہے

ہے سخی وہ بھی جو دے سائل کی منہ مانگی مراد   دے جو بے مانگے وہ سب فیاضوں کا سردار ہے
مجھکو بے مانگے وظیفہ بھی دیا پنشن بھی دی   اس پہ یہ اذن وکالت طرۂ طرار ہے

اسی طرح اور حکام ریاست بھی میری عزت افزائی فرماتے ہیں۔ اب نہ میں بالکل پابند اور عدیم الفرصت ہوں جیسا کہ زمانہ ملازمت میں تھا نہ بلکہ بالکل آزاد ہوں۔ جیسا کہ محض پنشن و بے کاری کے عالم میں ہوتا۔ بلکہ خیر الامور اوسطہا کے موافق بین بین کی حالت ہے ؎

پابند وضع رہتے ہو آزادگی میں بھی   ثابت۔ تم اختیار میں بے اختیار ہو

اس صورت میں سب سے بڑھ کر جو بہتری میرے واسطے ہوئی وہ یہ ہے۔ کہ تصنیف و تالیف کی فرصت ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں۔

میں نے حیات دبیر جلد اول میں وعدہ کیا تھا۔ کہ جلد دوم میں مصحف کلام مرزا صاحب مرحوم کا پیش کرونگا۔ اور خیال یہ تھا۔ کہ بہت جلد یہ جلد شایع ہو جائیگی۔ کیونکہ جلد اول ہی پہلے میں اس کو (مسلسل حالات امام حسین علیہ السلام میں) مرتب کر چکا تھا۔ مگر یہ جلد دوم اس طریق پر مرتب تھی کہ ۳۰-۱۵- بند ایک بحر میں۔ ۸-۱۰- دوسری بحر میں تھے۔ بعض احباب نے اس ترتیب میں یہ نقص بتایا۔ کہ اس کو ہر شخص اپنے طور پر دیکھکر محظوظ و محزوں ہو سکتا ہے۔ کوئی ذاکر ایک نشست میں مختلف بحروں کے بند (بجز نثرخواں کے) نہیں پڑھ سکتا۔ ترتیب ایسی ہونی چاہیئے۔ کہ تحت لفظ خواں بھی مجلسوں میں پڑھ سکیں۔ اس لئے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور

جابجا بند گھٹائے بڑھائے اور منظور یہ ہے۔ کہ تمام کلام جلی خط سے اور بہت صحیح لکھا جائے۔ اہل مطبع کو اس باب میں سخت تاکید کی ہے۔ اور مولوی غلام عباس صاحب تاجر سے بار بار عرض کیا ہے۔ کہ اس میں ایسی غلطیاں نہ ہوں۔ جیسی جلد اول میں کاپی نویس و مُصلح سنگ نے اصلاحیں فرمائی تھیں اور تقریظیں اور تاریخیں اور حاشیہ کی عبارتیں بہت باریک خط سے تحریر تھیں۔ انتہا یہ ہے۔ کہ صفحہ ۹۴ پر جو مرزا صاحب مرحوم کے خط کا عکس چھپا ہے۔ اس میں بھی اصلاح دیدی ہے۔ مرزا صاحب کا مصرع ہے سلطنے دیتے تھے سلح ساز کہ اے قوم دغل۔ عکس نویس نے سلح کو صاد سے صلح لکھدیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ نہائت صُلح کل آدمی ہیں۔ لفظ سَلح (ہتھیار کے معنے پر) کبھی عمر بھر لکھنے کا انکو اتفاق ہی نہ ہوا ہوگا۔ سین کو غلط سمجھ کر صاد لکھدیا یہ ایک ادنیٰ غلطی تھی۔ ایسی ایسی سینکڑوں غلطیاں ہیں۔ اس جلد دوم کے دو حصہ اس غرض سے کردیئے کہ عہ (ایک روپیہ) سے زیادہ قیمت کی اردو کتاب ملک میں کم بکتی ہے۔ غالباً ہر حصہ ۳۰۰ صفحہ کے قریب عہ۔ یا اس کے قریب قیمت کا ہوگا۔ ازبسکہ یہہ کلام فصیح و بلیغ قریباً ۱۳۲۷ھ میں مرتب ہو چکا تھا۔ اس کا تاریخی نام کلام فصیح و بلیغ ۱۳۲۷ھ رکھا۔ جس کے ۱۳۲۷ نکلتے ہیں۔ ناظرین آپ کلام دیکھکر انشاءاللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادینگے۔ کہ یہ اسم بامسمیٰ ہے یعنی جو کلام پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں کچھہ کلام بلیغ اور اکثر فصیح ہے یہ بات میں جلد اول میں عرض کر چکا ہوں۔ اور پھر لکھتا ہوں۔ کہ امام حسینؑ کی مدینہ منورہ سے روانگی سے لیکر اہل حرم کی شام سے واپسی تک کے حالات کے مرثیوں کا اس میں انتخاب ہے۔ جلد اول میں یہ بھی ارادہ ظاہر کیا تھا۔ کہ حیات دبیرؒ کی تیسری جلد میں مرزا صاحب مرحوم کے تمام بے واسطہ و بالواسطہ شاگردوں کا کلام درج ہوگا۔ جو اب تک عام طور پر نہیں چھپا ہے۔ اور اس زمانے کے بعض شعرا ان کے مضامین سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہی مضامین الٹ کر برسر منبر یہہ دعویٰ فرماتے ہیں کہ یہہ مضمون اچھوتا ہے۔ آج تک کسی نے نہیں کیا۔ اگرچہ وہ ہزاروں مرثیے ہیں۔ نہ سب دستیاب ہوسکتے ہیں۔ نہ کم بضاعت تاجر اون کو چھپا سکتے ہیں۔ مگر خیر ۴۰ یا جتنے مرثیے چھپ جائیں گے۔ ان سے ان اہل کمال کا کچھہ تو نام باقی رہیگا۔ اور سارقان ولادہ سخن کو کچھہ تو تنبیہ ہوگی۔ یہ تو میں نے ان شعرا اہل بیت کا ذکر کیا جن میں سے اکثر مرحوم ہوچکے ہیں مگر ابنائے

زمانہ کی غفلت یا خود غرضی کی یہاں تک اس زمانہ میں نوبت پہنچی ہے۔ کہ زندہ شاعروں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا ہے۔ شاید ان کو بھی ان صاحبوں نے مردہ سمجھ لیا ہے۔ (چنانچہ حقیر کا بھی کچھ کلام اسی طرح بعض صاحب سوز میں بعض منبر پر پڑھتے ہیں) اور جب کوئی مصنف کا نام پوچھتا ہے تو اپنا یا کسی مشہور مداح مرحوم کا نام بتا دیتے ہیں۔ بعض صاحب ہم طرح سلام و ہموزن مرثئے میں پیوند لگا کر ایک شاعر اہلبیت کی محنت برباد کرتے ہیں۔ نام چھپاتے ہیں۔ اس کی شکایت میں حکیم قدیر الدولہ میر محمد علی قدیر مرحوم فرماتے ہیں ؎

اپنا ہی کلام ہم تو پڑھتے ہیں قدیر ۔۔۔ یاروں کا ہر اک مرثیہ پیوندی ہے

اور حقیر نے ایک سلام میں عرض کیا ہے ؎

میرا کلام پڑھتے ہیں جو اپنے نام سے ۔۔۔ میں ان کو سارقانِ دلاور سمجھتا ہوں

امسال بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ کہ میں مزار فیض آثار حضرت شہید ثالث قاضی سید نور اللہ شوستری رح (اکبر آبادی مدفن) پر ۲۸۔ فروری سے ۲ مارچ ۱۹۱۵ء تک حاضر تھا۔ ا۔ مارچ کو اندرون مزار صبح ۸ بجے کی مجلس میں منشی لطیف حسین صاحب جلیسری کے قبل ان کے صاحبزادے نے سوز میں یہ سلام پڑھا ؎

بابِ خیبر کھول دے دستِ خدا ایسا تو ہو ۔۔۔ اے سلامی بازوئے خیبر کشا ایسا تو ہو

مگر میں مجلس میں اس وقت پہنچا تھا۔ جب انہوں نے اخیر کے دو شعر پڑھے تھے۔ شاید کسی صاحب کے استفسار پر میرے منہ سے نکل گیا۔ کہ یہ حقیر کا سلام ہے بعد ختم مجلس منشی صاحب موصوف اور ان کے رفیق جناب محمد رضا صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ یہ سلام تو کتاب "اوصاف علی" میں میر وحید مرحوم کے نام سے چھپا ہے۔ میں نے کہا اس زمین میں ان کا بھی سلام ہے۔ مگر یہ مطلع اور جو اشعار آپ سے میں نے سنے یہ سب حقیر کے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے میرے سلام کی نقل چاہی جو میں نے کوٹہ آکر بھیجدی۔ اس کو دیکھ کر جناب محمد رضا صاحب جلیسری نے مجھے اطلاع دی۔ کہ "اوصاف علی" کے مولف حکیم محمد حسن صاحب رئیس شہشہر دروازہ میرٹھ ہیں۔ میں نے حکیم صاحب موصوف کی خدمت میں کارڈ بھیجکر لکھا۔ کہ حضرت!! یہ میرا سلام اب سے تقریباً ۲۴ سال پہلے "لسان الملک" میرٹھ میں اور اسی زمانے میں دفتر ماتم میں کلام

تلامذہ حضرت دبیر مرحوم کے ساتھہ) چھپ چکا ہے۔ لسان الملک میرٹھ میں دیکھہ کر جناب
میر حیدر حسین صاحب ناظم مدرس مدرسہ منصبیہ میرٹھ و شاگرد رشید حضرت نفیس مرحوم نے اس
پر مصرع لگا کر اپنا خمسہ مجھے بھیجا تھا۔ وہ بھی اب تک محفوظ و موجود ہے۔ آپ بھی میرٹھ میں تشریف
رکھتے ہیں۔ پھر یہہ چراغ تلے اندھیرا کیسا۔ حقیر کے اشعار جناب میر وحید مرحوم کے شعروں
میں ملا کر یہ کیسی معجون آپ نے مرتب فرمائی۔ جس میں میرا تخلص نہیں۔ میرے سلام کے ساتھ
میرا نام آپ کو لکھنا لازم تھا۔ اس کے جواب میں حکیم صاحب موصوف نے بہت کچھہ معذرت
لکھہ کر یہ لکھا ہے۔ کہ یہاں مجالس میں یہ سلام اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔ مجھے جیسا ملا دیسا
"اوصاف علی" میں چھپوا دیا۔ اب جس طرح کہئے تدارک اس غلطی کا کر دوں۔ میں نے اپنا سلام
بھیجکر لکھہ دیا۔ کہ ایک ورق پر اس کو چھپوا کر وہ ورق کتاب کے اخیر میں لگا دیا جاوے۔ اور
اس غلطی کا اظہار کر دیا جائے۔ اس تمام واقعہ کے لکھنے سے مطلب صرف اس قدر ہے۔ کہ تلامذہ
حضرت دبیر کے چند مرثیوں کے چھپنے سے ان کی محنت کچھہ تو ٹھکانے لگے گی۔ اور لوگ
ایسے تصرفات عمداً یا سہواً نہ کریں گے۔ امید ہے کہ ناظرین جلد سوم کے غیر مشہور مرثیے
سنکر پسند فرمائیں گے۔ ذاکرین مجالس عزا میں پڑھ کر ثواب حاصل کرنے مجھہ روسیاہ و نامہ
سیاہ کو دعائے خیر سے یاد و شاد فرمائیں گے۔ شائد یہی میرا وسیلہ مغفرت ہو جائے۔ پس وہ
جلد سوم بھی اس جلد دوم کے بعد یا ساتھ ساتھ انشاء اللہ چھپے گی۔ شکریہ حضرت دبیر کے اکثر
مرثیے مجھے عالی جناب نواب سید محمد جعفر صاحب عرف پیارے صاحب بہادر رئیس شمس آباد ضلع فرخ آباد
اور عالی جناب نواب سید مظفر علیخاں صاحب کوثر نے اپنی دریا دلی سے مرحمت فرما کر مرہون منت
فرمایا۔ پس ان شعرائے اہل بیت کے (جن کے یہ مرثیے ہیں) باعث بقائے نام یہ حضرات ہیں
خدا ان کو جزائے خیر دے۔ ایسے ایسے خدا کے بندے بھی ہیں۔ جو دوسروں کی شہرت کمال
کے ساعی ہوتے ہیں۔ اور ایسے حضرات بھی ہیں۔ کہ ان کے باپ دادا کے مرثیے ہیں۔ مگر وہ

سنہ نواب پیارے صاحب قبلہ کی ایک اور سخاوت بھی قابل اظہار و شکریہ ہے وہ یہہ ہے کہ حیات دبیر جلد اول
کے بعض مقامات غلط کی صحت فرما کر مجھے مطلع فرمایا۔ جس کو میں نے محفوظ رکھا ہے دوسری مرتبہ کتاب چھپنے پر وہ مقامات صحیح درج ہو نگے
علاوہ اس کے جلد مراثی حضرات ضمیر و انیس کی کتابیں مجھے مفت بھیجا دیں میں اس کے شکریہ میں ایک شعر حضرت غالب رح
کا لکھتا ہوں۔ سه طوست مرد ہر چہ کند بخیلہ کند — با دست دار اینچہ دہد با نیکاں دہد ہ

عریضہ لکھنے پر بھی حالات بھجواتے ہیں نہ مرثیے دیتے ہیں۔ اگر نام ہوگا۔ تو ان کے بزرگوں کا مجالس عزا میں پڑھنے سے ثواب ہوگا۔ تو ان کی مقدس روحوں کو۔ حقیر تابت تو محض کار ثواب سمجھ کر یہ محنت کر رہا ہے۔ مگر وہ لوگ نہ معلوم کیا سمجھتے ہیں۔ یہ چند سطریں اس مقام پر اس خیال سے لکھ دی ہیں۔ کہ شاید یہ دیباچہ پڑھ کر کوئی صاحب اپنے کسی ایسے بزرگ یا دوست کے حالات اور کلام مجھے بھیجدیں اور ان کی بدولت میں صحیح حالات اور اچھا کلام شایع کر سکوں۔ اور ان دونوں صاحبوں کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ اس موقعہ پر میں ان صاحبوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے جلد اول حیات دبیرؒ کی غلطیوں پر مجھے خطوط کے ذریعہ سے مطلع فرمایا۔ اور میں نے جابجا درستی کر دی ہے۔ وہ جلد دوبارہ چھپنے پر بہت سے حالات صحیح زائد ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ ایسے محقق مددگاروں میں نواب پیارے صاحب بہادر ممدوح اور مولوی سید محمد غلام جیلانی صاحب سیشن جج اورنگ آباد ریاست حیدرآباد دکن اور استاذ مکرم حضرت مرزا محمد جعفر صاحب اوجؔ مدظلہ العالی اول نمبر پر ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کردوں کہ میں نے بعض احباب سے یہ خبر سنی تھی کہ میر سید حسین صاحب تحصیلدار برادر خورد یزدانی مرحوم حیات دبیرؒ پر ایک مبسوط تقریظ تحریر فرما رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی تھی۔ کہ ان کی بدولت بہت سی غلطیوں پر میں مطلع ہو کر آئندہ اپنی تالیف کو درست کرلوں گا۔ مگر جب وہ ۲۴ صفحہ کا چھپا ہوا رسالہ "حیات دبیرؒ پر ایک نظر" چھپ کر میرے پاس سید صاحب موصوف کا مرسلہ پہنچا۔ تو معلوم ہوا کہ حیات دبیرؒ کی وہ تقریظ نہیں ہے۔ بلکہ سید صاحب اس بات کی کوشش فرماتے ہیں کہ ملک مان لے کہ یزدانی مرحوم دبیر و انیس کے ہمسر بلکہ قدرتی شاعر اور اس لحاظ سے ان دونوں صاحبوں سے بہتر تھے۔ پس مجھے اس کی تردید کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ یزدانی مرحوم میرے دوست تھے اور ان کے ماہانہ رسالہ "لسان الملک" میں کبھی کبھی میرا کلام اور کلام پر ریویو چھپتا رہتا تھا۔ اگر ملک ایسا مان لے تو میرا کیا نقصان ہے۔ مگر افسوس کہ یہ آرزو پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ جب بڑے بڑے کاملوں کو ملک نے دبیرؒ و انیسؒ کا ہمسر نہیں مانا۔ تو یزدانی مرحوم کس شمار میں ہیں وہ تو نہ ویسے کامل نہ اہل زبان نہ ان کے معاصر تھے۔ افسوس کہ ان کو دبیر و انیس کے کبھی

لا کو شاگرد کے برابر بھی ماننے کیلئے کوئی منصف سخن فہم طیار نہیں معلوم ہوتا۔ اس آرزوئے خام کے جوش میں جو کلام دبیرؔ پر سید صاحب موصوف نے اعتراض فرمائے ہیں۔ میں نے ان کا جواب اس لئے نہ دیا کہ معترض صاحب مغز سخن کو ہی نہیں پہنچتے۔ علاوہ اس کے میرے مکرم واجب الاحترام پیر بھائی قاضی نقیر علی صاحب عاقل ایوبی انصاری مقیم لائل پور (پنجاب) نے نہایت تحقیق و تہذیب سے اس رسالہ کا جواب لکھہ دیا جس کا نام "تنبیہ" ہے۔ اور جو انشاء اللہ عنقریب چھپکر شایع ہوگا۔ اب میں اول تقریظیں اور اس کے بعد وہ قطعات تواریخ لکھتا ہوں۔ جو حیات دبیرؔ جلد اول کے چھپنے تک وصول نہیں ہوئی تھیں۔ یہ متفرق (میرے حواس پریشاں کی طرح) پڑی ہوئی تھیں۔ سب کو ایک جگہ لکھہ دیا ہے۔ کسی قسم کی ترتیب ان میں نہیں ہے۔ کوئی مقرظ یا مورخ صاحب شکایت نہ فرمائیں۔ کہ میری تقریظ پہلے یا پیچھے کیوں ہے۔ ع

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

الملتمس

مؤلف حقیر افضل حسین ثابت رضوی لکھنوی مقیم پنشنر و وظیفہ خوار
و وکیل عدالت ہائے دربار کوٹہ۔ راجپوتانہ۔ ۲۵ ستمبر سنہ ۱۹۱۵ع
۱۴- ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۳ھ شنبہ

حیاتِ دبیرؔ پر ملک کے چند کاملوں کی رائیں انہیں کے الفاظ میں

(شکریہ کی ساتھہ حسب وعدہ لکھتا ہوں)

(۱) سرتاج مرثیہ گویان حال اُستاد مکرم حضرت مرزا محمد جعفر صاحب اوجؔ مدظلہ العالی۔ ۲۴ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۱ کے کارڈ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "حیاتِ حضرت دبیرؔ علیہ الرحمۃ کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور آیا حق سُبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔ واقعی آپ نے حق تلمذ ادا کر دیا۔ ایک ہم کم نصیب آدمی ہیں۔ کہ ہم سے اُن حضرات کی کچھہ خدمت بعد مردن نہ ہو سکی٭۔ اب صرف ایک میں نہیں۔ بلکہ تمام خاندان دبیریہ آپ کی اس تالیف صحیح کا احسان مند رہیگا۔ ع نوشتہ بماند سیہ بر سفید۔

احقر۔ محمد جعفر اوجؔ عفی عنہ

(۲) مداح و ذاکر مقبول دسخن فہم عالی جناب سید تلطف حسین صاحب امین عدالت ججی غازی پور کے صحیفہ متورخہ ۸۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۴ء کی چند سطریں حسب ذیل ہیں۔

کتاب حیات دبیرؔ عبرت سے موصول ہوئی ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء تک برابر دورہ کرتی رہی ہے اب میرے پاس آئی ہے۔ اور دوبارہ اس کی سیر میں نے شروع کی ہے سبحان اللہ سبحان اللہ آپ کو خداوند کریم اس کی جزائے خیر کونین میں عطا فرمائیگا۔ جو اس نے اول ہی سے تقدر کر دیا ہے۔ اور آپ تو مقبول بارگاہ صمدی پہلے ہی ہو چکے ہیں۔ کیونکہ مداح اہل بیت اطہار ہیں مزید برآں آپ نے جانکاہی فرما کر اور محنت شاقہ اٹھا کر (جس کو میرا ہی دل جانتا ہے) یہ ایسا آلہ مہلک خصم طیار فرمایا ہے۔ کہ سبحان اللہ نہ میرے قلم میں وہ طاقت نہ زبان میں وہ طلاقت ہے۔ کہ اس کی شان میں کچھہ کہہ سکوں مختصر یہہ ہے۔ کہ اس کیلئے مجھہ کو کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا۔ کہ کہا جائے انتہا یہ ہے۔ کہ جس قدر کوئی ثنا کرے اس سے بھی زیادہ ہے۔ میری آپ کی کئی وجوہ سے خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اول میں اور آپ ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ رضوی بندہ بھی ہے۔ دوم

٭ یہہ جناب کا محض انکسار ہے۔ اکثر باتوں میں جناب ممدوح نے ایسی مدد فرمائی۔ کہ بغیر اس ہدایت و امداد کے یہ کتاب ناقص رہ جاتی۔ خدا احباب کو با فیض زندہ رکھے۔ ۱۲۔ "ثابتؔ ہیمدان"

میں اور آپ ایک ہی خرمن کے خوشہ چیں ہیں۔ مداح تو میں کیا ہوں۔ البتہ جاں نثار نام لیوا ہوں ✱

(۳) شاعر ماہر و ناثر مشہور جناب مرزا واجد حسین صاحب یاسؔ عظیم آبادی مقیم لکھنؤ جنوالی ٹولہ مصنف "نشتر یاس" و "چراغ سخن" اپنے سرفراز نامہ ۱۷- جولائی ۱۹۱۴ء میں رقمطراز ہیں

"حیات دبیر" آج کل دیکھ رہا ہوں۔ واقعی بڑی تحقیق و جانکاہی سے مصنف نے یہ کتاب لکھی ہے۔ جناب مرحوم کی زندگی اور کلام پر نہایت خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ اور ایک قومی فرض ادا کیا ہے۔ خداوند عالم جزائے خیر عطا فرمائے۔ کسی کے حق پر پردہ ڈالنا اچھا نہیں۔

(۴) محسن ثابت۔ علامۂ علوم قدیمہ و جدیدہ حاجی سید جعفر حسین صاحب قبلہ (لنڈنی) سابق ممبر کونسل کوٹہ و جے پور ۱۳- نومبر ۱۹۱۴ء کے خط میں جو تحریر فرماتے ہیں۔ اُس کا انتخاب یہ ہے۔

میں اپنی ذات میں فی الحقیقت اس کتاب بے بہا کی تقریظ کما حقہٗ لکھنے کی قابلیت نہیں سمجھتا۔ آپ نے اس کتاب میں میدان رموز و نکات شاعری کو از ابتدا تا انتہاء خوبی کے ساتھ طے کیا ہے اور عادات و حرکات و سکنات ذاتی مرزا صاحب اعلی اللہ مقامہ کو جس خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا اپنے کو گویا اُس جلسہ کا ایک ممبر سمجھنے لگتا ہے۔ جس میں جناب ممدوح ہنستے بولتے۔ چلتے۔ پھرتے۔ اٹھتے۔ بیٹھتے ہیں۔ اور ان کی گفتگو۔ اشارات و کنایات و تعریفات و تعریضات سے ایسا لطف اٹھاتا ہے۔ کہ گویا مرزا صاحب مرحوم خود بندہ سے ہی مخاطب ہیں۔ لفظی تصاویر ایسی کھنچی ہوئی ہیں۔ کہ مرقعہ جات تصاویر پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ اور ان تصاویر میں جہاں کہیں کلام مرزا صاحب کا حائل ہو جاتا ہے۔ تو کہیں آنکھ سے

✱ حضرت اوج مدظلہ العالی سے معلوم ہوا۔ کہ جناب امین صاحب موصوف۔ جناب عظیم کے شاگرد رشید ہیں جناب عظیم فارغ التحصیل عالم و حکیم۔ مرزا دبیر کے شاگرد رشید تھے جن کے مرثیے جلد سوم حیات دبیر میں ہیں اور حالات پرچہ اصلاح سے لیکر لکھے ہیں۔ سنا ہے کہ جناب مرزا صاحب مرحوم اور ان کے شاگردوں کے کئی ہزار مرثیے امین صاحب موصوف کے پاس جمع ہیں اور وہ خود بھی خوب مدح اہلبیت نظم فرماتے ہیں اور اس خاندان عالیشان کے اچھے پڑھنے والوں میں ہیں۔ خدا زندہ رکھے اور مقاصد شرعی بر لاوے۔ آمین۔ ۱۲ ثابت بے بضاعت

آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اور کہیں دل ایسا لطف اٹھاتا ہے کہ تنہائی میں بے اختیار واہ واہ اور جزاک اللہ خیرا۔ زبان سے نکلتا ہے۔ کتاب کو اول سے آخر تک پڑھنے میں میرے دل پر تو یہ اثر ہوا۔ کہ گویا عاشق معشوق کی تعریف کر رہا ہے۔ پھر جو کچھ بھی وہ نہ کہے تھوڑا ہے اگر مصنف کتاب نے مرزا صاحب کو تمام شعرائے عرب و عجم پر فوقیت دی تو بیجا نہیں کیا کیونکہ اول تو وہ عاشق کا کلام ہے۔ دوسرے ان لوگوں کے نزدیک بھی جو مذاق مرثیہ کا رکھتے ہیں مرزا صاحب کی شاعری فی الحقیقت ایسی ہی ہے۔ کہ اس میدان میں کوئی شاعر دربارۂ مضمون آفرینی وصنعت شاعری وکثرت کلام و مرثیت گوئی سبقت ان سے نہیں لیگیا۔

اب رہا موازنۂ دبیرؔ و انیسؔ یہ معرکہ ایسا ہے کہ اس میں قدم رکھنا مجھ جیسے بے بضاعت کا کام نہیں ہے۔ اور نہ مجھ کو اتنی فرصت ہے۔ کہ دونوں بزرگوں کے کلام کا مقابلہ کرکے پبلک کے سامنے کوئی فیصلہ پیش کردوں۔ اور اگر ایسا ممکن بھی ہو۔ تو کوئی فائدہ معتد بہ اس سے حاصل ہونیکی امید نہیں ہے۔ کیونکہ شیعی دنیا ہندوستان کے دو گروہوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔ دبیریئے وانیسیئے۔ آپ ایک بزرگ کو دوسرے پر فوقیت دینے کی لاکھ کوشش کیجئے۔ فریق مخالف نہیں ماننے کا۔ کیونکہ پسند و ناپسند کسی کلام کا ہونا مذاق ذاتی پر بہت کچھ منحصر ہے۔ بعض کے مذاق ایسے ہیں کہ وہ فی الحقیقت مرزا صاحب کے کلام کو میر صاحب کے کلام سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور بعض میر صاحب اعلی اللہ مقامہ کے کلام کو افضل خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے کسی فیصلہ کی پیش کرنے پر وہی نتیجہ ہوگا۔ جو مولوی شبلی نعمانی کے فیصلہ پر ہوا ہے۔ ہندوستان کے لوگوں نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ میرے نزدیک بہت درست ہے۔ کہ دونوں بزرگ آفتاب و ماہتاب ہیں اس سوال کے جواب میں کہ کون ان دونوں بزرگوں میں آفتاب ہے۔ اور کون ماہتاب ہے۔ میں یہ عرض کرونگا۔ کہ اگر کسی مضمون سابق مرزا صاحب کا انعکاس کلام مابعد میر صاحب میں ہے۔ تو ایسی صورت میں مرزا صاحب آفتاب ہیں اور اگر کسی مضمون سابق میر صاحب کا انعکاس کلام مابعد مرزا صاحب میں ہے۔ تو میر صاحب آفتاب ہیں۔ صنائع و بدائع شاعری و مضمون آفرینی دونوں استادوں کے کلام میں موجود ہیں۔ زبان کا فیصلہ مجھ ایسا بیرونی

نہیں کرسکتا۔ مگر بالعموم کہا جاتا ہے کہ میر صاحب کی زبان اصلی زبان ہے۔ کثرت کلام میں مرزا صاحب کا کہیں جواب نہیں ہے۔ نہ اردو میں نہ فارسی عربی نہ کسی اور زبان میں مولوی شبلی صاحب کی تعریضات دونوں بزرگوں پر غلط ہیں۔

(۵) نواب حاجی سید محمد جعفر صاحب تخلص جعفر و حاجی عرف نواب پیارے صاحب قبلہ مدظلہ رئیس فرخ آباد کے صحیفہ ۲۶ستمبر ۱۹۱۳ء کا انتخاب حسب ذیل ہے۔ میں نے تقریظ لکھنے کو لکھا تھا۔ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

میں تقریظ وغیرہ کو فضول سمجھتا ہوں۔ نہ اس قدر لیاقت نہ کبھی اس کے لکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ حسن کا حصہ تھا۔ انہوں نے خوب لکھی۔ خصوصاً مسٹر ہیرالال صاحب نے کہ باوجود مخالفت مذہب حق شناس ہیں۔ میں اس قطعہ میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتا ہوں۔ اور آپ کی محنت کی داد دیتا ہوں ؎ [illegible]

آپ رہنمائی اولاد و آل دونوں ہیں۔ ایک دوسرے صحیفہ میں جناب ممدوح اپنے حال میں رقم فرماتی ہیں۔ کہ ربیع الثانی ۱۲۷۸ھ کو میں ہمراہ جناب والد مرحوم وارد لکھنؤ ہوا۔ حسب اجازت شاگرد جناب دبیر ہوا۔ حضرت دبیر کو اپنا استاد روحانی اور جناب انیس کو روحانی اتالیق لکھ کر دونوں بزرگوں کے باب میں یہ رائے (بے تعصبانہ) ظاہر فرماتے ہیں۔ رباعی ؎

روشن جو ہوا عقل و تفکر کا چراغ
جعفر کو ملا رہ حقیقت کا سراغ
حاکم تھا زبان کا دماغ مرزا
محکوم زبان تھا میر صاحب کا دماغ

قطعہ

ادھر تھا بلبل سدرہ ادھر طرف رضواں
سنا یہ فیصلہ حق تو ہو گئی تسکیں
انیس سعدی ہندی دبیر فردوسی
وہ باغ نظم کے تھے عندلیب گل چیں

اگرچہ جلد اول حیات دبیر میں مادہ تاریخ مشہور (طور سینا بے کلیم اللہ) کا مفصل حساب لکھ کر (دوسرے ایڈیشن میں) چھپا دینا قصد ہے۔ مگر اس وقت میرا دل یہ شعر پڑھ پڑھ کر بے ہوتا یقین کوئی موہوم نہیں ہے
وقت اس کا معین تو ہے معلوم نہیں ہے

[illegible] ۱۲۹۱ھ

ڈر آرہا ہے کہ ۶۵ برس کی عمر ہو چکی۔ پہر اگر موت آگئی تو دل کی حسرت دل میں رہ جائیگی۔ پس کم سے کم وہ حساب تو یہیں لکھہ دوں جس میں نواب صاحب ممدوح نے اعداد نکالے ہیں۔ اور جس کی نسبت جناب ممدوح تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جناب سید اسمعیل حسین صاحب منیر مرحوم نے اس حساب کو بہت پسند فرمایا تہا۔ جناب ممدوح فن تاریخ میں یکتائے عصر ہیں۔ اس حساب میں سب سے بڑی خوبی یہہ ہے۔ کہ زبر و بینہ کی ترتیب قائم رہتی ہے۔ اور پہر پورے اعداد نکلتے ہیں جناب ممدوح کی مورخ یکتاء ہونے پر یہہ حساب برہان قاطع ہے۔

زبر	بینہ	زبر	بینہ	زبر و بینہ	زبر	بینہ	کیفیت
طور	سینا	بے کلیم	اللہ	و	منبر بے	انیس	اس حساب میں ایک لفظ کو زبر میں دوسرے کو بینہ میں لیا ہے البتہ واؤ کو زبر و بینہ دونوں میں لیا ہے
۲۱۵	۲۲۷	۱۱۲	۱۹۳	۱۳	۳۰۴	۲۲۷	

۱۲۹۱

مگر واؤ حرف عطف ہے۔ اور حرف عطف کا خاصہ یہ ہے۔ کہ وہ الفاظ ماقبل و مابعد کو ملائے پس اس کو دونوں سے ربط ہونا چاہیئے۔ چنانچہ مرزا دبیر مرحوم گہوڑے کی مدح میں فرماتے ہیں۔ ع مانند واؤ عطف زمین و فلک میں ہے۔ پس واؤ میں بھی دونوں رنگوں (زبر و بینہ) کا ہونا ضرور تہا۔ اس لیئے اس کے عدد دونوں میں لئے جو ۱۳ ہوئے۔ واضح رہے کہ زبر اسے کہتے ہیں۔ کہ جو حرف لکہا جائے اس کا عدد لیا جائے۔ جیسے دآل سے چار عدد لئے۔ یہ زبر ہوا۔ اور بینہ اسے کہتے ہیں۔ کہ جو حرف بولا جائے اس کا سرا چہوڑ کر باقی حروف کے اعداد لئے جائیں جیسے دآل میں د کو چہوڑ دیا۔ باقی آل رہا۔ آل کے ۳۱ عدد لئے۔ اور دونوں کے اگر عدد لئے جائیں۔ یعنے سرے کے بھی اور باقی حروف کے بھی۔ تو اس کو زبر و بینہ کہیں گے جیسے دآل کے ۳۵ عدد لئے۔ اب میں بعض احباب کی فرمائش کے موافق ہر لفظ کے حروف لکھہ کر ان کے نیچے اعداد لکھتا ہوں۔ تاکہ ہر ناظر کی سمجھہ میں بخوبی (حساب) آجائے ؎

نمبر شمار	زبر یا بینہ	لفظ	حروف مع اعداد	میزان
۱	زبر	طور	ط ۹ و ۶ ر ۲۰۰	۲۱۵

۲	بینہ	سینا	سین یا نون الف ۶۰ ۱ ۵۶ ۱۱۰	۲۲۷
۳	زبر	بے کلیم	ب ی ک ل ی م ۲ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۱۰ ۴۰	۱۱۲
۴	بینہ	اللہ	الف لام لام ہا ۱۱۰ ۴۱ ۴۱ ۱	۱۹۳
۵	زبر و بینہ	و	واؤ ۱۳	۱۳
۶	زبر	منبر بے	م ن ب ر ب ی ۴۰ ۵۰ ۲ ۲۰۰ ۲ ۱۰	۳۰۴
۷	بینہ	انیس	الف نون یا سین ۱۱۰ ۵۶ ۱ ۶۰	۲۲۷

میزانکل سنہ ۱۲۹۱ھ

(۲) جو تقریظ عالی جناب مسٹر نواب حامد علی خان بہادر بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ نے ہندوستان کے مشہور اخبار "لیڈر" ۱۳۔ اگست سنہ ۱۹۱۳ء میں چھپوائی تھی۔ اُس کا ماحصل اردو میں حسب ذیل ہے۔ اصل تقریظ انگلش میں انگریزی خواں اصحاب ملاحظہ فرمائیں

حیاتِ دبیرؔ

انسائکلو پیڈیا۔ برٹینکا (مطبوعہ کیمرج یونی ورسٹی پریس) کے صفحہ ۴۸۹ (جلد تیرھویں ۱۳ طبع ایڈیشن گیارہویں) پر تحریر ہے۔ کہ میر انیسؔ نبیرۂ میر حسن اور ان کے ہم عصر مرزا دبیرؔ مرثیہ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اول الذکر بزرگ (میر انیس مرحوم) نے دسمبر سنہ ۱۸۷۵ء میں انتقال کیا۔* اور کچھہ ماہ بعد موخر الذکر بزرگ (مرزا دبیر مغفور) نے رحلت کی۔

زیادہ زمانہ نہیں گذرا۔ کہ سید مجد علی صاحب اشہری ساکن پھپوند ضلع اٹاوہ اور سید

* اس مقام پر کچھہ سہو معلوم ہوتا ہے بلکہ ۱۸۷۴ء چاہیئے ✦

مہدی حسن صاحب احسن لکھنوی نے میر انیس مرحوم کی سوانحعمریاں لکھی اور شائع کیں ۔ یہ کتابیں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئیں ۔ ان سوانحعمری کی سنجیدہ اور سادہ عبارت اور حسن کی فصیح ۔ شستہ و شیلیہ دل ابھارنیوالی طرز تحریر نے اردو دنیا کے علم ادب میں شہرت حاصل کرلی ہے ۔ البتہ مرزا دبیرؒ کی سوانح عمری ابتک معرض تحریر میں نہیں آئی تھی ۔ اور اس کا انجام دینا سید افضل حسین المتخلص **ثابت** لکھنوی کا حصہ وحق تھا ۔ ہندوستان میں کسی کی سوانحعمری لکھنا کسی لحاظ سے بھی آسان کام نہیں ہے کیونکہ تمام ذخیرہ بہم کرنے میں جس قدر وقت صرف کرنا ہوتا ہے اور جتنی محنت اٹھانا پڑتی ہے ۔ اس کا صحیح اندازہ کتاب کے دیکھنے والے نہیں کرسکتے ۔ جن بزرگوار کی سوانحعمری لکھی جاتی ہے ۔ ان کی زندگی کے حالات ۔ خصوصیات ۔ عادات ۔ مذاق پسندیدگی یا ناپسندیدگی سے جو صاحب واقف ہوتے ہیں ان سے اس قدر کم مدد ملتی ہے ۔ کہ جس کا عدم وجود برابر خیال کیا جاسکتا ہے ۔ جن لوگوں نے اس قسم کی تالیفات وغیرہ کی ہیں ۔ اُن کو اس کا تجربہ ہوگا ۔ اور وہ اس قول کی تصدیق فرمائیں گے ۔ پس اس خیال سے کہ ہندوستان میں ابھی تک کسی کی سوانح عمری ترتیب دینے کا کام عالم طفولیت میں ہے ۔ اور ان تکلیفوں کا احساس کرکے کہ جو سوانح لکھتے وقت پیش آتی رہتی ہیں ۔ کہا جاسکتا ہے کہ سید افضل حسین صاحب ثابت نے یہ کام بہت اچھی طرح انجام دیا ہے ۔ اُن کو اس کام میں برسوں محنت شاقہ اٹھانا پڑی ہے ۔ یہ کتاب **حیات دبیرؒ** اردو پڑھے ہوئے صاحبوں کے واسطے یقیناً مفید اور دلچسپ ثابت ہوگی ۔ سید افضل حسین صاحب ثابت نے ایسی خدمت کی ہے ۔ جس کی وجہ سے اُن کا نام مدت تک زندہ رہیگا ۔ یہ کتاب اسٹیم پریس لاہور ۔ لوہاری منڈی میں چھپی ہے قیمت فی جلد ے؎ اور عہ؎ ہے ۔ میں نے اُس زمانہ کی تاریخ نکالی ہے ۔ کہ جب یہ وہ کتاب زیر طبع تھی ۔ **"خوب ہے واللہ حیات دبیرؒ"** ؎

۶۰۸ + ۱۵ + ۷۲ + ۴۱۹ + ۲۱۶

سنہ ۱۳۳۰ ہجری

لکھنؤ ۔ ۵ ۔ اگست سنہ ۱۹۱۳ء

؎ اگر آپ یہ پورا قطعہ تاریخ دیکھنا چاہیں تو اسی جلد میں سلسلہ تواریخ ملاحظہ کیجیے ۔ ۱۲ ۔ ثابت

From The Leader Wednesday August 1913-14 - "The Life of Dabir."

At page 489 of volume 13 of The 11th edition of The Encyclopædia Britannica Published at The Cambridge University Press We read:-

"Mir Anis" a Grandson of mir Hasan and His Conemporary Dabir, The former of whom died in December 1875 and The Latter a few months Later, excelled in the mirsyah, Not many years age Syed Amjed Ali sahib Ashhari of Phapoond district Etawah, and Syed Mehdi Hussain sahib Ahsan of Lucknow brought out The lries of Anis, The book attracted much attention, The quiet and simple diction of Ashhari and The eloquent, vigorous pungent and stirring style of Ahsan won The admiration of The Urdoo literary world. The life of Dabir was, hitherto left unwrittum, and it was reserved for Syed Afzal Hasain sahib of Lucknow whose Poetic name is Sabit to Perform The task, To write one's Life in India is by no means an easy job, For The collection of The materials Cost an

amount of time and labour of which. The reading Public has no idia. The assistance The writer receives from those acquainted with The incidents, events, characteristics, habits, tastes, likes and dislikes of the man whose life one is writting is so scanty, if at all, as a rule, that The does not deserve to be taken into consideration, At least such is the experience of those who have had to do enything in that line in this part of India Considering the fact that The art of writting a biography is in its infancy in India and the great diffi-culties which beset The path, as just stated, of the writer of one's life Syed Afzal Hussain saheb Sabit has performed his task exceedingly well, it has cost him years of great and Patint Labour, The book is sure to interest and benefit the Urdoo knowing public, Syed Afzal Hasain Saheb Sabit has done a service for which his name will long be remembered, The book is printed at Sewak steam press Lohari Mandi, Lahore, Price Rs 3/- and Rs 2/8/-

Lucknow August 5

(۷) عالی جناب خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد مدظلہ العالی آنریری مجسٹریٹ و رئیس عظیم آباد پٹنہ حاجی گنج و شاگرد حضرت دبیر کے سرفرازنامہ ۱۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کے چند فقرے حسب ذیل ہیں۔

روحی فداکم۔ پرسوں حیات دبیر کا پیمفلٹ میں نے پایا۔ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ نعمت کی جب افراط ہوتی ہے۔ تو کمزور دل و دماغ والا اُلجھن میں پڑ جاتا ہے۔ حجم کتاب کو دیکھ کر۔ اور اپنے علائق اور پیری و ضعف دماغ کو دیکھ کر میں گھبرا گیا کہ اوّل سے آخر تک غور سے دیکھ جانے میں دیکھئے کتنے دن لگتے ہیں۔ بھلا اور کوئی کتاب ہوتی تو ورق گردانی بھی کرکے تسکین کرلیتا۔ میرے قلم کو بخدا یہ قدرت نہیں ہے۔ کہ آپ کی محنت۔ تہذیب و عنایت کا شکریہ ادا کرسکوں۔ ابھی وقت میرے داماد مولوی سید جعفر صاحب بی۔ اے وکیل جو لکھیم پور کھیری میں (اودھ) وکالت کرتے ہیں۔ کتاب کو بشوق اٹھا لے گئے۔ بایں ہمہ دن سے لیکر ایک گھنٹہ میں جہاں تک بعض مشتبہ مقاموں کو دیکھ سکا۔ دیکھا۔ زبان کی متانت بیان کی وسعت۔ حالات کا ذخیرہ۔ حد درجہ لائق توصیف ہے۔ اکثر حالات (جہاں تک میری معلومات ہیں) درست پائے۔ مگر بعض۔ یہ مقولہ بہت صحیح ہے۔ کہ "اہل البیت ادرے بما فی البیت"عہ۔ بھلا جو باتیں ہمارے مکرم مرزا محمد جعفر صاحب اوج سلمہ اللہ خوب جانتے ہیں۔ میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں جان سکتا۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ بسبب حداثت عمر کے عظیم آباد میں پہلی اور دوسری دفعہ مرزا صاحب ممدوح اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ تشریف نہیں لاسکے تھے۔ چونکہ میں کمال و علم میں ان سے بیشک بہت چھوٹا ہوں۔ مگر عمر میں پانچ چھ برس بڑا ہوں۔ اس لئے ان باتوں کو جو اُن کی غیبت میں پیش آئیں۔ یا جن باتوں پر حداثت عمر کے سبب سے اُن کو اطلاع نہیں ہوئی۔ وہ کیونکر واقف ہو سکتے تھے۔ میرے خیال میں اب ان باتوں کا جاننے والا نہ پٹنہ میں دکھائی دیتا ہے۔ نہ یقین ہے۔ کہ لکھنؤ میں ہو۔ اگر کوئی اتفاق سے باقی ہے۔ تو وہ صرف میں ہوں اس لئے اتنا ضرور عرض کرتا ہوں۔ کہ جہاں تک دیکھ سکا ہوں۔ اکثر عمدہ باتیں اور معرکے

عہ یعنے گھر کے لوگ گھر کے حالات خوب جانتے ہیں۔ ۱۲۔ ثاقبؔ

چھوٹے ہوئے ہیں۔ اور بعض باتوں میں کسی قدر سہو بھی ہے۔ حاشا میں اس عمدہ ترین تصنیف پر نکتہ چینی نہیں کرتا۔ مگر بخدا جی یہی چاہتا ہے۔ کہ ایسی تصنیف میں کسی قسم کی فروگذاشت نہ ہو۔ ایک مشکل یہ ہے۔ کہ جب ایک کتاب کو نقصان کروں تب جا بجا اس پر حاشیے بڑھا بڑھا کر آپ کی خدمت میں حاضر کردوں۔ تاکہ انشاء اللہ طبع ثانی میں خواہ جلد دوم میں مناسب دیکھ کر آپ اضافہ فرماویں۔ ایسی حالت میں بجز اس کے کیا کرسکتا ہوں۔ کہ آپ سے استدعا کروں کہ ایک جلد اور بھی مرحمت فرمائیے۔ تاکہ اُس کو اچھی طرح سے دیکھ کر آپ ہی کی خدمت میں واپس کردوں[1]۔ تذکرہ آب حیات خود آزاد مرحوم نے جب میرے پاس بھیجا۔ تو بعینہ یوں ہی میں نے اُن کو لکھا۔ کیونکہ ایک حد تک ان سے فروگذاشت ہوگئی ہے۔ حتی کہ معلومات و حالات کے علاوہ علمی اور شاعری کی غلطیاں بے حد ہیں۔ دوسری کتاب تو انہوں نے بھیج دی۔ مگر میں برسوں تک مفلوج رہا۔ بعد کو جب میں نے تصحیح کرکے کتاب بھیجی۔ تو وہ سخت مجبور ہوگئے۔ اور لکھا۔ کہ اب طبع ثالث کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ طبع ثانی تو ہوچکی[2]۔

میر انیس مرحوم کے بارہ میں جتنی کتابیں لکھی گئیں۔ ان سے سو وجہ آپ کی کتاب فائق ہے بلکہ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جزاکم اللہ عنا خیر الجزا۔ کیا عرض کروں۔ اس وقت مولوی اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی کے کئی خطوں کے مفصل جواب لکھنے ہیں۔ فن شاعری کے متعلق بہت سے دقیق مسائل درج کرنے ہیں۔ ورنہ یہ صفحہ کیوں سادہ رہ جاتا۔ پھر کہتا ہوں احسنت ا۔ احسنت۔ جزاکم اللہ عنا خیر الجزا۔

(خاکسار السید علی محمد شاد)

---

[1] میں نے حکم کی تعمیل میں فوراً حیات دبیر کی ایک جلد دوبارہ روانہ کردی۔ خدا کرے۔ حضرت شاد مدظلہ العالی کو فرصت مل گئی ہو۔ وہ جناب مجھے جو حالات تحریر فرمائیں گے۔ سر آنکھوں سے لکھوں گا۔ جن میں میری غلطیوں پر مطلع و متنبہ فرمائیں گے۔ ان کی انشاء اللہ (ضرور دوسری مرتبہ حیات دبیر جلد اول چھپنے پر) درستی کرونگا۔ اور بھی جن حضرات نے مجھے میری غلطیوں پر اطلاع دی ہے۔ میں نے درستی کردی ہے۔ ۱۲۔ ثابت ہیچمدان

[2] افسوس طبع ثالث آب حیات کی نوبت نہ آئی۔ کہ حضرت آزاد دل مجذوب ہو گئے۔ پھر اُن کا (دیکھو [illegible]

مناثر ذی کمال سخنور بے مثال مداح محمد و آل محمد جناب خلیق عمیم جناب سید حیدر مہدی صاحب شمیم تعلقہ دار جرول و سابق سب جج بہرائچ کا حیات دبیر جلد اول پر ریویو

میں نے کتاب لاجواب "حیات دبیر" کو پہلی مرتبہ جا بجا سے بنظر سرسری مطالعہ کیا پھر کچھ ایسا اشتیاق پیدا ہوا۔ کہ دوبارہ اول سے آخر تک خوب غور سے پڑھا۔ اس قند مکرر نے کچھ ایسا مزہ دیا۔ کہ بمرتبہ ثالث لفظ لفظ کو نظر دقیق سے دیکھا۔ بے شک جناب مؤلف حضرت ثابت سلمہ اللہ و ابقاہ و حیاہ الی ما یتمناہ کی کئی سال کی جانفشانی و تحقیق انیق کی داد دینے کو لیاقت و انصاف و متانت درکار ہے۔ مجھ ایسے ہیچمدان کا ریویو لکھنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے اور دبیریت کا دھبہ مزید برآں۔ پھر یہ خیال کیا۔ کہ خدا لگتی بات کہنے میں یہ وسوسہ فضول ہے۔ کیا انصاف دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ نہیں نہیں ابھی دنیا حق پسند اور راست گویوں سے خالی نہیں ہے۔ دل مضبوط کرکے لکھنا شروع کر دیا۔ الحق اس کتاب مستطاب کے تمام برکات و حسنات کا مشرح ذکر کرنا۔ دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے۔ مگر جن نکات لطیفہ اور محاسن پسندیدہ پر راقم کا دل فریفتہ ہوگیا ہے۔ فقط اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں اپنے زعم ناقص میں وہ دبیریہ کج بحث نہیں ہوں۔ جو خواہ مخواہ حضرت انیس مرحوم کے فضائل و کمالات کو ضد یا ہٹ دھرمی سے چھپانا چاہتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان حاشیہ بوسان اریکہ سرکار انیس مرحوم کے گروہ کے ضرور مخالف ہوں۔ جو حضرت دبیر مرحوم کو بایں الفاظ یاد کرتے ہیں "وہ تو تکے تھے" "سوا تک بندی کے ان کو آتا ہی کیا تھا"۔ یہ مہمل فقرات راقم نے خود سنے ہیں۔ میں تو سچے دل سے ان دونوں حضرات کو (بہ حیثیت نقاد سخن) واجب التعظیم اور موجد طرز خاص جانتا اور مانتا ہوں چشم انصاف پسند ضرور دیکھ سکتی ہے۔ کہ ایک کا رنگ دوسرے سے ایسا کھلا جدا تھا۔ جیسے سفیدی سے سرخی۔ پس ان مختلف کے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰) ساغر حیات چھلک گیا۔ اور یہ حسرت (مع حالات) وہ اپنے ساتھ قبر میں لے گئے اب دیکھیے حقیر ثابت دوبارہ مع ضمیمہ جلد اول کو چھپواتا ہے۔ یا یہ حسرت دل کی قبر میں ساتھ لے جاتا ہے۔ بقول
سہ خوب تھا جاتا جو خالی ہات میں پیش کریم
حسرتیں لیکر چلا ہوں اب یہ مشکل اور ہے ثابتؔ

یکطرفہ موازنہ کر نمیں صاحب موازنہ نے فاش غلطی کی ہے۔ اول وہ اس کوچہ کے سالک ہی نہ تھے۔ دویم ملّا را با فضولی چہ کار۔ افسوس ہے۔ کہ اُن کے تمام ریمارکس تحریری شہادتوں اور قطعی دلائل سے بالکل پوچ و بےمعنی اور محض سنے سنائے ٹھیرے۔ ان کی دیکھا دیکھی میر احسن صاحب نے اور بھی انصاف و تحقیق کی آبرو کھوئی۔ اپنی روایات کو خواہ مخواہ لکھنو اگپ سے تشبیہ دلوائی جس طرح سے شہر کی بڑی بڑی مجلسوں میں ٹھیروں کے پالی کے واہ واہ کرنیوالے چہت اڑا دیتے ہیں۔ انہیں راویونکی روایات کو معیار تحقیق قرار دیا۔ اور نقص و کمال کے صغریٰ و کبریٰ کا اُلٹا نتیجہ نکالا۔ اور خلعت نازیبائی جنبہ داری کو جو (کسیطرح کھینچکر بھی ٹھیک نہوا) پہن لیا۔ کوئی سنجیدہ خیال اس بے اصول قاعدہ کا معتقد نہیں ہوسکتا ہے۔ کہ متضاد الجنس اشیا کا باہم موازنہ کیونکر صحیح ہوگا۔ جب دونوں رنگ اصلاً مختلف ہیں تو ہر ایک کو اسیکی جنس کیموافق موازنہ کرنا چاہیئے۔ اُس وقت حسن یا نقص کی تنقیح کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ یہاں تو قضیہ معکوس ہے۔ حضرت انیس مرحوم ایک خاص طرز سخن کے موجد اور اس کمال پر پورے قادر تھے۔ پس ان کمالات کو اسی کی اصناف میں موازنہ کرنا چاہئیے۔ کہ وہ اس کمال میں کیا رتبہ رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت دبیر مرحوم کو اُن محاسن و صفات کے ساتھہ جس کے وہ موجد و قادر تھے۔

اس میں شک نہیں کہ جناب ثابت نے بڑی عرق ریزی و تلاش سے ان دونوں تفتیحوں کے فیصل کرنیکا کافی مواد مہیا کیا۔ اور جن شقوں اور پہلوؤں سے یہ مسئلہ دقیق مبحوث عنہ تھا۔ نہایت ہی تشفی بخش و مسکت دلائل سے (رفیع الثبوت) ثابت کردیا ہے۔ جس سے یہہ نتیجہ صریح و صاف نکل آیا۔ کہ ان حضرات رفیع الدرجات کو ان فضائل و محامد کیساتھہ یاد کرنا چاہیئے۔ جو من جانب اللہ اُن کو عطا ہوئے تھے۔ یہہ لکھنوا واہ واہ۔ یا یہہ جاہلانہ گپ (ایسا کوئی کہہ سکتا ہے) کہے تو خون تھوکنے لگے۔ ان حضرات کی شان میں تعریف نہیں ہے۔ بلکہ ہجو ملیح ہے۔ بقول صائب

صائب دو چیز میشکند قدر شعر را۔ تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

افسوس ہے۔ کہ لکھنو کے عوام اور ناسمجھہ طبقہ کی کثرت نے (شعر) (شاعری) (فن شعر) (حسن شعر)

ومغز سخن) (کمال شاعر) ان سب صفات کمال کو یہ کہکر کسی نے آج تک نہیں کہا) خاک میں ملا دیا۔ اس مہمل خیال کی دلیل کیا تھی۔ اگر ایسے نہ ہوتے تو ہزاروں کا مجمع ان کے پڑھنے کی مجلس میں کیوں ہوتا۔ لیجئے قدر شناسی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ان سے وہی بحث کرے۔ جو ان کا ہمخیال ہو۔

اب میں ان دونوں بزرگاں واجب التعظیم اور موجداں و نقاداں فن شعر کے کمالات ومحسنات سخن آفرینی کو بہت ہی مختصر جدا جدا دکھاتا ہوں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جناب ثابت مولف حیات دبیر نے جو اس مسئلہ کا آخری فیصلہ کیا ہے وہ کہاں تک صحیح اور قابل تائید و لائق ستائش ہے۔

حضرت دبیرؒ اعلی اللہ مقامہ

جناب مولف نے اس مسئلہ کو بہت ہی وضاحت سے لوئی بجے لائل و بینات ظاہر و شہادات قاطعہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت دبیر مغفور خلاق مضامین اور سخن آفرینی میں اعلائے سخن تھے۔ اور ہر رنگ۔ ہر عنوان کے شعر کو جمیع محاسن شعریہ کی رعایات سے تو مندی الفاظ مناسب کے ساتھ کہنے پر قادر تھے اور جتنے محاسن شعر وصنائع و بدائع و نکات لطائف فن شعر کو درکار ہیں۔ اور جن کا ذکر اساتذۂ متقدمین وشعرائے سخن آفرین کے کلام میں ہے۔ وہ سب مجموعاً و اقتداراً حضرت واہب العطیات نے ذات بابرکات حضرت دبیر مرحوم میں ودیعت فرمائی تھی۔ جس کے ثبوت میں ادن انتخابات و تقابل کو ملاحظہ کیجئے۔ جو حیات دبیر میں بڑی جانفشانی سے ذخیرہ ہوئے ہیں۔ لطف تو یہ ہے۔ کہ ہر رنگ میں ہر متقدم شاعر (کیا اہل فرس کیا عرب) کے مقابلہ میں اردو زبان میں وہی لطف اور وہی مذاق باحسن مرغوبات۔ حضرت دبیر مرحوم کے کلام بلاغت نظام میں موجود ہے اور کثرت کے ساتھ زیادہ دلچسپ اور چوکھا ہے۔ اس مقام پر انصاف پسند کہا کہے گا۔ کہ ایسے جامع الصفات و حاوی الکمالات کو وہی خطاب دینا۔ جو فارسی زبان میں عرفی فردوسی عنصری۔ انوری جامی۔ نظامی۔ خاقانی۔ قاآنی۔ حکیم سنائی سعدی محتشم و مقبل و حافظ شیراز کو اور عربی میں متنبی۔ حماسہ سبحانی۔ فرزدق۔ دعبل وغیرہ کو دیئے گئے ہیں۔ اگ

کا ہم پلہ کہنا لائق و زیبا تمثیل و تخاطب واجبی بلکہ بوجہ تنگی زبان اردو کے ان کو بہتر اور اشرف
کہنا مبالغہ و طرفداری نہیں ہے۔ ان بزرگ نے ایک رباعی میں کیا جامع مصرع فرمایا ہے
ع - ہر رنگ میں جو خوب کہے خوب ہے وہ۔ لطف مزید یہہ ہے۔ کہ واقعات تاریخی و روایات
میں وسعت نظر ہر موقع و ہر حال کے مناسب استعارات و تشبیہہ بکثرت کے ساتھہ
ان صنائع میں بہترین تخیل یہہ ہے۔ کہ مشار و مشار الیہ کے حدود و مراتب کا پورا لحاظ۔
ایک خاص قدرت تخیلی اور ملکہ سخن آفرینی یہہ تہا۔ کہ جو تشبیہہ کہی۔ تازہ اور اچھوتی۔ اور
ایک طرح سے نہیں دس بیس طرح سے۔ جب اس موقع کو دوبارہ کہا ہمیشہ نیا۔ نئی تشبیہ
مثل جب کہی پوری کہی۔ اعادہ و اقتباس کلام سابق سے بالکل صاف۔ پس ایسے قادر کمالات
اور خلاق مضامین کو اگر خدائے سخن کا خطاب دیں۔ تو ہر طرح سے شایان شان ممدوح ہے

ایک ہمارے محترم مشہور سخن فہم نے "حیات دبیر" مجھہ سے لیکر جستہ جستہ ملاحظہ کی
وہ مقام جہاں اساتذہ عجم و عرب کا تقابل ہے۔ اس کو پڑھکر مجھہ سے فرمایا۔ کیا اس تقابل
سے دبیر کا پایہ اُن اساتذہ سے بالاتر ہو گیا؟ میں نے عرض کیا۔ خطا معاف ہو۔ آپنے مولف
"حیات دبیر" کا مقصد تقابل غور سے نہیں پڑھا۔ وہ تو دکہا رہے ہیں۔ کہ جن کمالات و صنائع
و بدائع کو وہ لوگ اپنی زبانوں میں نظم کر گئے ہیں۔ اُس کے لطافت اُسی زبان تک
محدود و مقید ہے۔ اور حضرت دبیر نے انہیں صنائع و لطائف کو اپنے ملک کی زبان اور
محاورہ میں کیا بدرجہ کمال سلسلہ نظم میں منسلک کیا ہے۔ اب اردو زبان کی تنگی
کو۔ اور ان نکات کو ملحوظ رکہہ کر جس نے جدید طرز پر (نہ سرقہ الفاظ میں) نظم کیا ہو۔ اور
حسن بندش سے اُن کو زیادہ دلچسپ کر دیا ہو۔ وہ من وجہہ ان سے اشرف و افضل ہے۔ میرا
یہہ کہنا ارباب انصاف کو ناگوار نہو گا۔ کہ جس عہد اور جس ملک اور جس زبان میں حضرت
دبیر مغفور نے یہہ علم کمال بلند کیا تہا۔ اُس وقت ان دقائق و نکات موصوفہ پر کوئی
اُن کا ہمعصر قادر نہ تہا۔ نہ ابتک ہوا۔ ہر آئینہ سرکار واہب العطیات سے یہ خلعت
مخصوص حضرت دبیر کے قامت کیواسطے قطع ہوا تہا۔ گویا دوسرا اس میں شریک نہ تہا
اس دلیل سے دوسرے رنگ کے ہم فن کی کوئی منقصت بھی نہو گی۔ انصاف البتہ شرط

ہے۔ حضرت دبیرؔ مرحوم کے مقتدر بالقوہ ہونے کے شہادت کو ان کا کلام۔ علاوہ حالات کربلا و شام کے ملاحظہ کیا جاوے۔ معارک تاریخی۔ روایات متفرقہ۔ حالات جا بردہ مخصوصیں غرضکہ جو کہا۔ اسمیں وہی سحر گوئی وہی بلاغت وہی دلچسپی موجود ہے۔ جو مقید سوانح و معارک میں تھی اور جو ہمعصر مرثیہ گویوں کے واسطے مثل شکنجہ کے محدود تھے۔ اس فضیلت میں دوسرا شریک نتھا۔ سچ تو یہہ ہے۔ کہ حضرت دبیرؔ مغفور نے مرثیہ گوئی کو ایک مشکل فن خاص کر دیا تھا۔ اور دیگر اقسام کی شاعری یعنے غزل گوئی وغیرہ پوچ ولچر ہو گئی۔ مرثیہ کی تہذیب و ترتیب میں مخصوص مدارج اظہار کمال کے مقرر کئے۔ یعنے چہرہ طلوع صبح آمد۔ دبدبہ۔ تہلکہ۔ ہیبت ان مقامات کو اس اس طرح سے کہا۔ کہ تمام محاسن فن شعر و بلاغت و صنائع کو اس میں بھر دیا تشبیہات میں سراپا ممدوح کا۔ گھوڑے اور تلوار کی تعریف۔ رجز۔ رزم بزم۔ قتال و جدال اس کو ایسا ایسا کہا۔ کہ کلام متقدم میں اس کا عشر عشیر کیسا قطعاً پتہ بھی نہیں ہے مرثیت کے مقامات۔ رخصت۔ شہادت۔ بین کے علاوہ جہاں گوشۂ مصائب کا مل گیا۔ جوڑ لگا دیا شہادت و بین کے درد آمیز ترتیب و نشست الفاظ دل گداز نے وہ اثر پیدا کیا۔ کہ پتھر کا دل پانی ہو گیا۔ صد ہا مرثیہ مقبول عالم ہے۔ سوز خوانوں کے کمال و شہرت کا انھی پر مدار ہے تعجب بلکہ حیرت ہے۔ کہ ان سب حسنات و لطائف و سخن آفرینی کے ساتھہ زود گوئی۔ اور پر گوئی ایسی کہ ہزار ہا تک شمار مرثیوں کا پہنچ گیا۔ دفتر ماتم کے مجلدات میں بہت ہی کم مرثیہ ہیں۔ ہر شیعہ عزادار کے زنانے عزاخانہ میں بغیہ سوز خوانی مرثیہ کے بستے کے بستے بھرے پڑے ہیں جن میں سینکڑوں مرثیہ ایسی ہیں۔ کہ نہ وہ دفتر ماتم میں ہیں۔ نہ سرکار حضرت مغفور میں ہیں۔ پس اس کثرت تصنیف میں مافوق البحث سخن آفرینی و پرگوئی اشاعت کا مقصد جملہ مدائح پر بالاتر ہو گیا۔ جس کا ثواب ابدالاباد حضرت مصنف کی روح مقدس کو پہنچتا رہیگا۔ اس خاص امر کی صراحت کو حیات دبیرؔ میں ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت انیسؔ اعلی اللہ مقامہ

سلاست نظم دلربائی سخن شستگی الفاظ۔ صفائی بندش محاورات کی زبان دانی میں قادر و حاوی تھے۔ چند مخصوص مقامات و حالات میں تو ان کا مرثیہ بمثل و عدیم النظیر تھا

مثلاً فطرتی مضامین۔ گرمی و صوتِ تیز ہوا۔ صحرا و دشت۔ رات کا سناٹا۔ صبح کا سماں بے ثباتیِ دنیا۔ عالمِ پیری۔ مقابلہ کی گفتگو کا روزمرہ۔ نسوان کی بول چال رخصت وغیرہ میں۔ بندش میں غضب کی صفائی۔ الفاظ میں دلربائی۔ غرض اس ذائقہ و مزے کو قلم سے ادا کرنا محال ہے۔ راقم بھی چند مخصوص مرثیوں کا عاشق و دلدادہ ہے۔ اور نہایت شوق سے سنتا ہے۔ درحقیقت گریہ و بکا کے واسطے یہ مقبول کارنامے ہیں۔ ان بزرگ کا یہ کمال انہیں پر ختم ہو گیا جس میں کوئی دوسرا سہیم و وارث نہیں ہوا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضرور تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ ان بزرگ کا کمال اور ان کی مشق صرف چند حالات و واقعات حضرات شہدائے کربلا یا دربار و زندان شام تک محدود ہے۔ لیکن یہ قید نہ قابلِ اعتراض ہے نہ لائقِ الزام۔ ہر شاعر کی تصنیفات کسی نہ کسی خاص رنگ میں زیادہ ڈوبے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ بااین ہمہ یہ میلان خاص اس کی دلیل نہیں ہے۔ کہ وہ دوسرے واقعات میں ویسا ہی بامزہ و دلفریب کہنے پر قادر نہ تھے۔ مرزا قادر تھے۔ دیکھئے تشبیہات و استعارات کو سراپا وغیرہ میں اسی خداداد شگفتگی و سلاست سے نظم کیا ہے۔ اور اپنے رنگ مشق کی ویسی ہی چمک دمک دکھائی ہے۔ جیسے یہ دو مصرعے ہیں۔

کچھ جابجا جو کھل گیا ہے ریش کا خضاب — رخصت ہوا ہے جی میں گو پیری و شباب

اسی طرح سے سینکڑوں مقام پر ایسی ہی دلفریب شگفتگی موجود ہے۔ یہ سحر بیانی اعلیٰ درجہ کی زبان دانی کی دلیل ہے۔ جو ان کا کمال کسبی نہ تھا۔ بلکہ من اللہ ودیعت تھا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ لاثانی ہو کر مفقود ہو گیا۔

طرز ذاکری یعنے مرثیہ خوانی

اس مضمون کو بھی جناب ثابت نے عمدہ طریقہ سے لکھا ہے۔ ان کا آخری فیصلہ بہت ہی مدلل ہے کہ طرز ادائے سخن کسی فن و کمال میں شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ مسئلہ قراءت نہیں ہے۔ جس میں قرائے سبعہ مشہور و رہبر ہو گئے۔ عرب میں ان کی بھی ضرورت نہ تھی۔ غیر ملک والوں کو ضرورت مشاقی مخارج وغیرہ کی ہوئی۔ ہندیوں نے اس میں بھی چوچلے کی شاخ لگا دی۔ اساتذہ عرب و عجم میں کون زیادہ نوٹ والا گذرا ہے جس نے صوت

نشیب و فراز تکلم لب و لہجہ خلقیہ ہر انسان میں خمیر فطرت ہے جس کا تغیر تابع مزاج انسانی ہوتا ہے۔ خوشی کا لہجہ۔ غم کا زیادہ قلق کا غصہ کا دلیری کا۔ بودے پن کا۔ ہر قوت کے بول چال کا ایک لہجہ وضع خلقی ہوتا ہے۔ اب بعض حضرات لکھنؤ نے سعدی کی پیشین گوئی عشوہ ناز و کرشمہ ہمہ با مردم ہند" پوری کر دی۔ ارباب موسیقی کی دل پسند ہونٹ کو بے تان و سُر کی آواز میں داخل کر کے نشیب و فراز الفاظ و معانی کو رستم خانی پھبکیت کی جوتوں سی حُسن کرشمہ سے ایک کرشمہ دلچسپ بنایا جس کا نام مرثیہ خوانی ہوا۔ حقیقت جس قدر ہونٹ میں افراط ہوئی۔ اُتنا ہی یہ طریقہ تہذیب و متانت بلکہ مردانگی شان سے الگ ہو گیا۔ جس کے جواب میں جناب مرزا مرحوم کو یہی کہنا ہی پڑا۔ ع۔ صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے۔ چاہے کسی کو پسند ہو۔ مگر اب وہ زمانہ آرہا ہے۔ کہ دم تقریر آنکھ کا اشارہ بھی بدتہذیبی میں داخل ہو جائیگا۔ ٹھہرے ہے کہ جس شخص کو صرف کرشمہ سازی ہی آتی ہو۔ اس کو کون منصف ارباب سخن میں شمار کریگا۔ خیر جو کچھ ہو۔ یہ مسلک ضرور قابل اعتراض ہے :۔

جناب ثابت کی معرکہ رد و قدح میں ثابت قدمی

اس وقت اس گنجینہ جواہر" حیات دبیر" کے ہزار ہا مطالعہ کرنیوالوں کی زبان سے جناب مؤلف کے واسطے سچے دل سے دُعا نکلتی ہے۔ کہ حق تعالیٰ اُن کو بصحت و سلامتی ہمیشہ شاد کام و فائز المرام رکھے۔ اور اس محنت و جانکاہی کا صلہ آخرت میں عطا فرمائے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ علاوہ دقیقہ رسی و نکتہ سنجی و تہذیب و متانت عبارت کے یہ راقم ہیچمدان تو ایک خاص جوہر بے بہا پر شیدا ہو گیا۔ اس گوہر یکتا کی آب و تاب نے میرے دل کو مسخر کر دیا جس کو مختصر اظہار کرتا ہوں۔ جہاں تک مناظر رد و قدح کے کتب نگاہ سے گذرے۔ ان میں ایک بھی اس سے بری نہیں ہے کہ معترض کے کسی طنز یہ نوک جھوک کا جواب ترکی بترکی نہ دیا گیا ہو بلکہ اعتراض سے زیادہ تیز ادھیت۔ گو صرف تمثیلاً یا استعارتاً ہی ہو۔ گر مہذب چوٹ سے خالی نہیں ہے۔ کیوں خالی ہوتا۔ یہ تو مقتضائے فطرت انسانی ہے۔ کہ تہمت۔ بہتان بے بنیاد۔ خواہ مخواہ کی منت۔ بٹ دھرمی۔ طعن و تشنیع کے وہ دل خراش جراحات جو ضرب شمشیر سے زیادہ دل پر کارگر ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں تک میں نے غور کیا۔ بمقابلہ" آب حیات "" حیات انیس" وغیرہ

میں عیوب مندرجہ بالا کہیں کھلم کھلا کہیں در پردہ موجود ضرور ہیں۔ اس کے علاوہ سچ کو جھوٹ جھوٹ کو سچ کہنا۔ عبارت کے اُلٹے پلٹے معنے لگانا ممکن نہیں کہ مشارٌ الیہ کے دل کو کباب نہ کردیں۔ مگر جناب ثابت وَاللہ آپ نے کُمیت خامہ کی لجام کو ہر مقام پر تہذیب و متانت کے ہاتھ میں دیکر ایسا آہستہ خرام بنایا۔ اس ضبط و تحمّل کی داد و ستائش قدر شناسانِ تہذیب و متانت کی قدردانی کے حوالے ہے۔ مَیں تو بہ قسم کہتا ہوں۔ کہ بیشک فطرتی امنڈے ہوئے دریا کو ضبط و تحمّل کے کوزے میں بند کردیا ہے۔ اس مسئلہ روی و متانت پروری نے جناب مؤلف کو صد گونہ تحسین و آفرین کا مستحق بنادیا۔ اور اس مصرع کا مخاطب صحیح ٹھہرادیا۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

جزاک اللہ خیر الجزا من عترت خیر الورا صلواۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

موجودہ زمانے کی قدردانی

افسوس ہزار افسوس یہ چودھویں صدی ہجری کا پہلا قرن جو ۱۳۲۵ھ میں تمام ہوا وہ مشرقی قدیم شاعری کے مٹانیوالے گروہ کو پیدا کرکے رخصت ہوگیا۔ اب وہ بلند اقبال سال بہ سال نمو کرتا اور زور پکڑتا جاتا ہے۔

اس دورِ ناپرسان کے اثر کو دیکھیے۔ کہ تحت لفظ مرثیہ خوانی اب کس درجہ مٹی ہوئی ہے۔ اور مٹتی جاتی ہے۔ دور کیوں جائیے۔ اپنے لکھنؤ ہی کے ان شہنشاہان اقلیم سخنوری کو دیکھ لیجیے۔ جن کے کمال کا تمام ہندوستان میں ڈنکا بج رہا تھا۔ اب ان کے خاندان کی یادگاروں کے سوا مرثیہ گوئی بالکل شغل عبث کہا جاتا ہے۔ مجبوراً وہ حضرات ابھی دور دراز کے مقامات پر جانیکو مجبور ہیں۔ لکھنؤ میں بعد عشرۂ محرم جو چند مجالس صرف مرثیہ خوانی کی ہوتی چلی آتی ہیں۔ وہ فیض اس نورانی برکات کا ہے۔ جو روش قدیم کی اب تک رفیق ہے۔ اور اس نئی روشنی (ذہنی ظلمت) کی مدھم شعاعیں وہاں تک مثل کرمک شبتاب کی چمک کے ہنوز پہنچ نہیں سکی ہیں خداوند تعالیٰ ان بارفیع حوصلہ مندوں کو سلامت

بلا ناظرین اس نثر سے صاحب تقریظ کی کثرت معلومات کا اندازہ فرمائینگے مگر میں خوشخبری سناتا ہوں کہ نظم میں بھی ان جناب کا پایہ رفیع ہے جلد سوم میں کئی لاجواب مرثیے حضرت شمیم کے شامل ہیں جو عنقریب چھپیگی ۱۲۔ ثابت

باوقار رکھے۔ آہ! آہ! آہ! جس اردوئے معلّی کے افصح اللسان ہونے پر ہمکو بڑا عزہ و ناز ہے
اس کا خود ہی چل چلاؤ اور کوچ لگ رہا ہے پس مشرقی شاعری کیوں چراغ سحری نہ سمجھی جائے۔
جدید تعلیم یافتہ طبقہ مغربی شاعری پر فدا ہے۔ گو اُس کو بھی خاک نہیں سمجھتے۔ لیکن اس
کی کثرت ہماری بڑھتی قوت کی قلت پر کیسی غالب آتی جاتی ہے۔ ہر آئینہ ایسے مخدوش دور پر آشوب
میں جناب ثابت نے وہ یادگار مرتب کی ہے۔ جس کو نسخہ جواہر مہرہ بقراطی سے تشبیہ دینا
زیبا ہے۔ جو اس نیم مردہ مشرقی شاعری کے واسطے حکم اکسیر کا رکھتی ہے۔ شاید کچھ دنوں
اور اس کی ہمیزہ حیات باقی رہے۔ گو ہمارا عقیدہ تو یہی ہے۔ کہ جس مدح گستری کے ممدوحان
عالی شان خاصگان رب منان ہیں۔ ان کا تذکرہ پاک تا ظہور قیامت ضرور باقی رہیگا۔ پس یہ
تذکرہ اُس وقت شہادات سندی و دستاویزات اصلی کا کام دیگا۔ اور جس طرح اعراب
و انجام کے سخن آفرینیوں کے کارنامے تیرہ سو برس تک صفحہ عالم پر باقی ہیں۔ انشاء اللہ
یہ اوراق حیات دبیرؒ بھی الواح مطلا بنکر روز بازپرس شفاعت نامہ جنت کا کام دینگے۔ انشاء اللہ
تعالی۔ کیونکہ مقصود اصلی موجد سخن کا محض مداحی پنجتنؑ تھا جس پر وہ مؤید و موفق من اللہ تھے

العاصی

سید مہدی شمیم جرولی غفراللہ العلی
از جرول ضلع بہرائچ۔ ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء

(۹) مداح و ثناخوان آل محمدؐ شاعر غالب جناب سید طالب حسین صاحب طالب لودپوری سلمہ اللہ
شاگرد رشید حضرت اوج مدظلہ العالی کے (جن کے جد امجد جناب سید امید علی صاحب امید
مغفور حضرت ضمیر مرحوم کے شاگرد رشید اور جناب مرزا دبیر مبرور کے استاد بھائی اور دوست
صادق تھے) کارڈ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۳ء کی چند سطریں یہ ہیں۔

آپ کی عبارت اور آپ کی خداداد قابلیت اور آپکی محنت و مشقت کی تعریف و داد میں اگر
ایک دفتر لکھا جائے جب بھی کم ہے۔

بحمد اللہ لایزال آپ نے اس خاندان کے تمام شاگردوں پر ایسا احسان کیا ہے
جس کا شکریہ ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ احسنت و آفرین عجب کارنمایاں کیا ہے سبحان اللہ

جزاکم اللہ۔ تمام ارباب انصاف آپکی قابلیت کے معترف ہو گئے۔ آپ نے سکہ بٹھا دیا۔

(۱۰) ناثر و شاعر ماہر عالیجناب سید علمدار حسین صاحب سشن جج دار عدالت فوجداری درجہ اول بھوانی گڑھ ریاست پٹیالہ کے سرفراز نامہ ۲ ستمبر ۱۹۱۳ء سے چند سطریں لکھتا ہوں۔ معلوم نہیں حیات ونیر میں کیا کشش تقاضا طبعی بہری ہے کہ جس روز سے میرے پاس آئی ختم ہو چکنے تک ہات سے نہیں چھوٹی۔ کہانا۔ پینا۔ لیٹنا۔ سونا۔ تک بھول گیا تہا۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ بیٹھے بیٹھے تھک جاتا تو لیٹ کر دیکھتا اور پورے تین تین چار چار گھنٹے ایک کروٹ پڑا دیکھتا رہا ہوں۔ کئی دن تک یہی حالت رہنے سے قبض سوء ہضم۔ بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔ مگر "حیات" اس حالت میں بھی ہات سے نہیں چھوٹی بڑے بڑے ضروری کام ملتوی رہے۔ بالکل یہ کیفیت تھی جیسے کوئی بھوکا شیر شکار دبائے بیٹھا ہو۔ اور مزے لے لیکر دنیا و مافیہا سے بیخبر کہا رہا ہو۔ اور خون پی رہا ہو۔ بہر حال کتاب کل ختم ہوئی اور آج آپ کو عریضہ لکھنے بیٹھا ہوں۔

جناب میر صاحب! کیا اظہار رائے کروں میں بے بضاعت۔ کم سواد۔ قطرہ ناچیز۔ اس بحر ذخار علم و ادب کی کیا داد دے سکتا ہوں مختصر یہ کہ نکو گفتی و در سُفتی۔ بہیں نہایت صفائی اور آزادی سے عرض کرتا ہوں۔ کہ "ردالموازنہ" دیکھہ چکنے کے بعد مجھے سخت اندیشہ اور بڑا دغدغہ تھا کہ اس سوسائیٹی کا کوئی ممبر متین و معقول و سنجیدہ کتاب کیونکر لکھہ سکیگا۔؟ یہی وجہ تھی کہ اعلان پڑھتے ہی ۱۹۱۱ء میں مسٹر حامد علی خانصاحب کی خدمت میں چند امور نیاز مند نے بطور مشورہ عرض کئے تھے۔ جن کو آپ نے بھی پسند فرمایا تہا۔ اور کتاب دیکھہ کر میں زیادہ سے زیادہ خوش ہوا۔ کہ آپ اپنے ارادے میں کامیاب ہوئے۔ اور اس کامیابی کیلئے بندہ ہدیہ مبارکباد۔

بنیٰ: بات یہہ ہے۔ کہ سخت بات کا جواب سخت تر دیا جاتا ہے۔ یہی ہمارے مکرم دوست میر افضل علیصاحب نے کیا ہے۔ اور عام مناظرین ایسا ہی کرتے ہیں۔ بندہ نے سختی کا جواب بھی نرمی سے دیا ہے۔ اس کا جو کچھہ اثر ہے وہ ظاہر ہے۔ اس میں نہ میرا کوئی کمال ہے نہ یہ لیاقت کا کام ہے۔ بلکہ یہہ میری عادت ہے۔ ۱۲۔ ثابت ہیچمدان ؎

پیش کرتا ہے۔ ع۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ میرا ارادہ اس کتاب پر مفصل ریویو لکھنے کا تھا۔ مگر حضرت سہیل مرحوم کی تقریظ دیکھ کر عزم فسخ کرنا پڑا۔ کیونکہ مجھے جو کچھ لکھنا تھا۔ وہ سب اس میں درج ہے۔ لہٰذا میں اس کی تائید کے اتنا زیادہ لکھنا چاہتا ہوں۔ کہ ادب اردو میں یہہ کتاب ایک بیش بہا اور نہایت ضروری اضافہ ہوا۔ اور طالبان فن شاعری کیلئے بڑی حد تک مشعل راہ ہے۔ خدا حسن قبول روزی کرے۔ آمین ثم آمین!

میرے حوالے سے فتوائے جناب مفتی میر عباس صاحب قبلہ مرحوم پر دربارۂ "عشرہ کاملہ" جو نوٹ لکھا گیا ہے۔ اس میں جناب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب سی۔ آئی۔ ای مرحوم و مغفور صاحب اعجاز التنزیل کا نام نامی غلط اور بغیر خطاب و القاب لکھا گیا ہے۔ جس کی آئندہ اڈیشن میں اصلاح ہونی چاہیئے۔ آپ کا نام محمد حسین نہیں محمد حسن ہے اور ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم تا دم واپسیں رہے ہیں۔ علاوہ ازیں میرا قطعہ تاریخ بھی کچھہ سے کچھہ ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ ہیڈنگ میں بجائے مصنفہ کے مولفہ لکھا ہے۔ تصنیف و تالیف کا فرق آپ خود جانتے ہیں۔ لہٰذا مجھے اس اصلاح پر اصولاً اعتراض ہے۔ ✱

(۱۱) تقریظ مداح اہل بیت اطہار۔ ناثر کامل عالی جناب قاضی نفیس علیصاحب عاقل انصاری شاگرد حضرت اوج مدظلہ العالی جو ۲۳۔ مارچ ۱۹۱۳ء کے اخبار اثنا عشری دہلی میں چھپی تھی:

"حیاتِ دبیرؔ"

شمس العلما مولوی شبلی نعمانی صاحب کا نام دنیائے اسلام میں بوجہ تصانیف جدید اس قدر مشہور ہو چکا ہے۔ کہ اب ان سے تعارف کی ضرورت نہیں رہی۔

خواہ کوئی کچھہ ہی خیال کرے۔ مگر میں تو مولویصاحب کی تصانیف کو نہایت عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ ان میں واقعات صحیح سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے شائع ہونے سے جس قدر کتابیں ان کی رد میں لکھی گئیں۔ ان سے وہ تمام پردے

✱ انشاءاللہ جلد دوم میں صحت کر دی جائے گی۔ اگر اشعار میں کچھہ فرق ہو تو وہ بھی میر صاحب لکھہ بھیجیں میں درست کر کے چھپوا دونگا۔ ۱۲۔ ثاقب بے بضاعت۔

جو مولوی صاحب نے اپنے ممدوحین کے چہروں پر نہایت سلیقہ شعاری سے آویزاں کئے تھے۔ بہت صفائی سے اٹھ گئے اور ان کی اب اصلی صورتیں ناظرین کو نظر آ رہی ہیں۔

مثال کے طور پر میں یہاں دو تین کتابوں کا ذکر کرونگا۔ مثلاً سب سے پہلے مولوی صاحب نے سیرۃ النعمان لکھ کر اجتہاد کی تمام شرائط کو حضرت ابوحنیفہ کوفی پر ختم کر کے اجتہاد کے دروازے کو بند کر دیا۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ حسن البیان بجواب سیرۃ النعمان میں مولوی عبدالرحیم صاحب رحیم آبادی نے مولوی شبلی نعمانی صاحب کے کسی دعوی کو بغیر جرح وقدح چھوڑا یا نہیں۔ اس کا اندازہ ہر دو کتب کے ناظرین نے کر لیا ہوگا۔

مولوی صاحب کی دوسری کتاب "المامون" ہے اور تیسری الفاروق جو دونوں علیگڑھ کالج کے کورس میں بھی داخل ہیں۔ "المامون" کا ایک مختصر ریویو جو بعض حضرات اہل تشیع کی طرف سے لکھا گیا۔ ہماری نگاہ سے بھی گذر چکا ہے۔ وہ جیسا ہے ہر ایک مصنف اسے دیکھ کر اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ مولوی شبلی نعمانی صاحب کے دعوی در اصل صحیح ہیں یا غلط۔ سب سے ضخیم اور مشہور کتاب "الفاروق" ہے جس کے لئے مولوی صاحب نے مصر، روم اور نہ جانے کہاں کہاں کے دور و دراز سفر اختیار کئے اور کتاب کے دلچسپ اور اس کے ہیرو کو دنیائے اسلام میں ایک ممتاز اور یکتا ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر صاحب الفرق نے وہ وہ موشگافیاں کیں اور ایسی پتہ کی باتیں بتلائیں کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔ مؤلف نے الفرق لکھ کر گویا واقعات صحیحہ اور غیر صحیحہ کا فرق کر دکھلا دیا اس کتاب کی شان میں غالباً یہ مصرعہ موزون ہوگا۔ ع۔ یہ فارق حق و باطل ہے اسمیں فرق نہیں۔

الفرق کی دو ضخیم جلدیں تو شیعوں کیطرف سے شایع ہوئیں۔ مگر اب ہمیں یہ دیکھ کر کہ "الفاروق" کا رد مولوی محمد جان صاحب غازی پوری نے بھی کیا ہے۔ جو مذہب اہلسنت کے ایک عالم ہیں۔ ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہی کتاب ابھی شایع نہیں ہوئی۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ الفاروق کے کونسے واقعات مولوی محمد جان صاحب کو غلط معلوم ہوئے کہ ان کو اُن کے رد کی ضرورت لاحق ہوئی یا کون سی کمی تھی کہ جس کو پورا کیا گیا ہے۔

مولوی شبلی نعمانی صاحب نے اپنی کتاب میں اپنے ہیرو کیلئے کوئی فضیلت ایسی نظر اٹھا نہیں رکھی تھی جس کو اب مولوی محمد جان صاحب ظاہر فرمائیں گے۔ کیونکہ جہاں تک ہم نے الفاروق کو غور اور تعمق سے دیکھا ہے۔ ہمیں تو یہی معلوم ہوا ہے۔ کہ الفاروق کا ہیرو رسولِ خدا کا بھی معلم ہے اور اس کا درجہ رسول اللہ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اب ایک خدا کا درجہ باقی رہگیا۔ اگر اور کوئی شیدائی صاحب فضیلت میں غلو فرمائیں گے۔ تو غالباً خدا بنا دینگے خیر ان کتابوں کی تصنیف سے مسلمانوں میں ایک اچھا مشغلہ پیدا ہو گیا۔ خواہ اُسے کوئی کیسا ہی سمجھے مگر میں تو اس کی بے حد تعریف کرونگا۔ کیونکہ قوم کے سامنے اب تصویر کے دونوں رُخ آگئے جس کو جس کی مرضی آئے پسند کرے۔ جو بے تعصب ہیں۔ وہ سب کی سنتے ہیں اور مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھکر اکثر حق کو باطل سے جدا کر دیتے ہیں۔

علمائے احناف۔ اہل حدیث۔ شیعہ اس اُلجھن سے جو مولوی شبلی نعمانی صاحب نے ڈالدی تھی اب کسیقدر فارغ ہوئے تھے۔ کہ پھر ان کیلئے نیا مشغلہ سیرۃ الرسول لکھکر مولوی صاحب موصوف نے پیدا کر دیا۔ ہم بہت خوش ہیں۔ کہ نعمانی صاحب کی "سیرۃ الرسول" شایع ہونیکے بعد اب رسول اللہ کی واقعی اور اصلی سیرۃ بھی ہمارے سامنے ہو گی جس کی اس وقت بہت ہی ضرورت ہے۔

مولوی صاحب نے بعض علماء کے لئے ہی شغل پیدا نہیں کیا۔ بلکہ شعراء بھی انکی نظر عاطفت سے نہیں بچے۔ کیونکہ موازنہ دبیر و انیس لکھکر مولوی صاحب نے شعراء کو بھی شغل سے خالی نہیں رکھا۔ موازنہ کے شایع ہوتے ہی شعراء کے پھر دو گروہ ہو گئے۔ دبیریوں اور انیسیوں کا جھگڑا مدت سے چلا آتا تھا۔ جو اس زمانہ میں کچھ سرد پڑ گیا تھا۔ مگر نعمانی صاحب نے موازنہ کی ایک ایسی چنگاری چھوڑی۔ کہ وہ پھر کچھ مشتعل ہو گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس کا نتیجہ "حیات دبیر" اور المیزان کی شکل میں قوم کے سامنے آیا چاہتا ہے۔ (اور اگر یہ اُڑتی ہوئی خبر جو ہمنے سنی ہے صحیح ہے۔ تو دو اور کتابوں کی بھی زیارت نصیب ہو گی۔ ایک سید ذوالفقار حسین خان صاحب جونپوری کی اور دوسری محدث کامل صدرالافاضل مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ کی جو خاندان اجتہاد کے ایک قابلقدر ممبر ہیں۔

المیزان ہکو تو ابھی ہمنے دیکھا نہیں۔ مگر حیات دبیر کے بعض مقامات (حضرت مؤلف یعنی مولوی سید افضل حسین صاحب ثابت رضوی لکھنوی شاگرد رشید حضرت استاذی المعظم جناب میرزا محمد جعفر صاحب قبلہ اوج کی مہربانی سے) کی زیارت ہمکو بھی نصیب ہوئی ہے۔ ہم نعمانی صاحب کے نہائت ہی شکرگزار ہیں کہ اگر وہ موازنہ نہ لکھتے تو حیات دبیر جو شعرا کیلئے استاد شفیق کا کام دینے والی ہے۔ اور شاعر کو شاعرگر بناتی ہے۔ ہمارے ہاتھوں تک نہ پہنچتی۔ گو یہہ ویسی ہی بات ہو جیسے کوئی کہے۔ کہ اگر لارڈ کرزن بنگالے کی تقسیم وغیرہ کا جھگڑا نہ چھیڑتے۔ تو بنگالی ایسے جلد ہوشیار جفاکش۔ لائق نہ ہو جاتے۔ اور ایک ہمارے خیال کا مخالف کہہ سکتا ہے۔ کہ یہہ مولوی صاحب کی عنائت نہیں بلکہ خدا کی حکمت ہے۔

مضرتوں میں بھی اکثر مفاد ہوتے ہیں
کہیں ملول کہیں قلب شاد ہوتے ہیں

مگر ہم تو جناب مولوی صاحب کے ہی شکرگزار ہیں۔ چاہے کوئی کچھ کہے۔

یہ مختصر طور پر بتانا چاہتا ہوں کہ "حیات دبیر" کیا ہے؟ مولوی شبلی صاحب نے جناب میرزا دبیر مغفور اور جناب میر انیس مرحوم کے کلام پر موازنہ میں جو بیجا اعتراض فرمائے حقیں اُن کے مہذب اور مؤدب جوابوں کے علاوہ کلام دبیر کا مقابلہ بعض شعرائے عرب۔ ایران ہند یورپ سے بھی کیا گیا ہے۔ میرزا غالب مرحوم اور میر انیس مغفور کے کلام سے جہاں میرزا دبیر کے کلام کا مقابلہ حضرت مولف نے فرمایا ہے۔ وہ مقامات خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہیں موازنہ کو پڑھکر میرزا دبیر مرحوم کا ایک طرفدار غالباً اس بات پر آمادہ ہو جاتا۔ کہ جس طرح مولوی شبلی صاحب نے ہر مقام پر میرزا صاحب کا چھانٹ چھانٹ کر ابتدائی اور سست کلام (اپنے نزدیک) پیش کیا ہے۔ لاؤ تم میر انیس مغفور کا ایسا ہی کلام لکھہ دو۔ مگر آفرین ہے۔ مولف حیات دبیر کی بےتعصبی پر کہ میر صاحب کا بھی اعلیٰ درجہ کا کلام مقابلے میں لائے ہیں اور انکی طرف سے بھی مولوی صاحب کو جواب باصواب دئے ہیں ؟

مولف نے جہاں اخلاقی پہلو پر بحث کی ہے۔ وہاں معلوم ہوتا ہے۔ کہ دبیر مرحوم کے اخلاق [illegible] کے پرتوے ہیں۔ حالات بہت معتبر در معمر آدمیوں سے لئے ہیں یہاں

تک کہ بعض جلیل القدر مجتہد العصر اور محدث نامی بھی نظر آتے ہیں۔ حقیقت میں میرزا صاحب جیسے کریم النفس عابد زاہد عالم کامل شاعر یکتا کے حالات ایسے ہی تحقیق سے لکھے جانیکے قابل تھے جیسی کہ حضرت مؤلف نے سعی فرمائی ہے۔

دبیر کے ہر قسم کے کلام کے سینکڑوں نمونے پیش کردیے ہیں جن میں سلیس فصیح سہل ممتنع۔ بلیغ۔ دقیق ہر طرح کا کلام نظر آتا ہے۔ گویا مختلف رنگ و قیمت کے جواہرات یا پھول ہیں جو سلیقے سے رکھے گئے ہیں۔

ہیچمدان قاضی فقیر علی عاقل کانگڑوی عفی عنہ بقلم خود

(۱۲) شاعر آل محمد عالیجناب سید محمد عباس صاحب نقوی عباس تخلص (ہیڈ کلارک کلکٹری چھپڑہ۔ جو ماشاء اللہ خاندانی مداح اہل بیت ہیں۔ ان کے والد ماجد سید محمد حسن صاحب حسن مغفور مرزا مرحوم کے شاگرد رشید تھے۔ جن کا ایک مرثیہ بہت مشہور ہے ؎ نشتر غم اولاد ہے انساں کے جگر کو۔ اور ان کے بڑے بھائی بھی مرزا صاحب مرحوم کے شاگرد تھے۔ اور مرثیہ خوب کہتے تھے۔ اُن کا یہ مشہور مرثیہ لاجواب ہے ؎ ای نظم رزم بزم میں عالم پسند ہو۔ خود سید صاحب موصوف نے تاراجی روضہ رضویہ کے حال میں ایک مختصر مگر بہت اچھا مرثیہ نظم فرما کر بھجوایا ہے۔ یہ سب مرثیے جلد سوم حیات دبیرؔ میں انشاءاللہ چھپیں گے) اپنے کارڈ ۶۔ ذیلقعدہ سنہ ۱۳۳۱ھ میں رقمطراز ہیں۔

بسم اللہ خیر الاسماء۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

بھائی ثابت صاحب زاد اللہ محبتکم۔ بعد سلام مسنون الاسلام۔ شکریہ عطیہ کتاب بے مثال۔ حیات دبیرؔ رحمۃ اللہ بجالاتا ہوں۔ اور نیز آپ کی اس قدردانی کا جو آپ نے فرمائی کہ جلد وغیرہ سب درست کرکے ارسال فرمایا۔ اور خصوصیت کا لحاظ فرمایا۔ اگرچہ میں بوجہ عدیم الفرصتی و علالت اہلیہ اس وقت تک بالاستیعاب اس کتاب نایاب کے دیکھنے سے محروم ہوں۔ مگر جہاں تک سرسری طور سے دیکھا ہے واقعی اور حق یہ ہے کہ عجب کتاب آپ نے تالیف فرمائی ہے میرا خیال یہ ہے کہ ایسی کتاب ہے کہ جو نظم کیلئے بجائے خود استاد ہے آج دبیر کو کہیئے کہہ دو تھا کہ یہ شعر بے ساختہ ذہن میں آیا ؎

لائف لکھنا دبیر مرحوم کی بس — حصہ تہا یہ آپ کا جناب ثابت

تخلص جناب مرحوم کی یکتائی کی تحریر اور خیال آپ کا نہائیت ہی لاجواب ہے۔ واہ سبحان اللہ

میں جس وقت ۱۱ - یا - ۱۲ - برس کی عمر کا تہا۔ جناب مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ جناب والد مرحوم کی ملاقات

کیلئے ایک مرتبہ چند ساعت کیلئے حسین گنج سے واپسی کیوقت غریب خانہ پر تشریف لائے تھے

اور مجھے دعائی نور پڑھکر دم فرمایا تہا۔ مجھے صورت مبارک حضرت کی یاد تھی۔ آپ نے جو نقشہ

دیا ہے اس کی زیارت نے گویا پھر اُس صورت مقدس کی سی زیارت کرادی۔ میں اس

کتاب کی کیا تعریف کروں گا۔ اور آپ کو کیا داد دونگا۔ اس کا صلہ جناب سید الشہدا روحی لہ الفدا

آپ کو دیں گے۔ آمین ثم آمین!

(۴۳) انتخاب خط مورخہ ۲۱ محرم ۱۳۳۲ھ مولوی سید علی نقی صاحب رئیس لکھنؤ (ڈاکخانہ

کشمیری محلہ - چاہ حیدر بیگ خاں مرحوم - جو صاحب موصوف سے "حیات دبیر" ہدیتہً پہنچنے پر

حاجی نواب سید محمد جعفر خاں صاحب جعفر رئیس شمس آباد ظلہ العالی کو تحریر فرمایا تہا - اور

نواب صاحب ممدوح نے ۲ - دسمبر ۱۹۱۳ء کے سرفراز نامہ کے ساتھہ مجھے بہیجدیا تہا

انشاء اللہ کتاب حیات دبیر بھی اوقات فرصت میں از اول تا آخر دیکھوں گا۔ سبحان اللہ

وصف کلام بلاغت نظام جناب مرزا صاحب کس سے ادا ہو۔ تعالی اللہ عما یصفون میں کیا

شک و شبہ ہے سے

آنچہ پیش تو غیر ازاں رہ نیست — غایتِ فہم تست اللہ نیست

دلیل لیس کمثلہ - شاہد مدعا ہے۔ بے شک خدا ہی اکیلا اور وحدہٗ لاشریک لہ بے ہمتا

ہے۔ مگر یہہ بھی صنعت جناب اقدس الہی ہے۔ کہ اُس نے کچھہ بندے ایسے پیدا کئے ہیں

کہ اُن کا بھی دنیا میں نظیر نہیں۔ جناب مرزا صاحب کے میدان وصف میں مجھسے جاہل کو

ایک قدم طاقت چلنے کی کہاں سے ہیں ہول ضعیف و ناتواں دور ہے یار کی گلی

پہلے نظر میری اس بند پر پڑی۔ جو حضور نے پنجتن پاک کی شان کرامت میں فرمایا ہے سے

واجب ہے شش جہت پہ تولائے پنجتن — ہیں ہشت خلد بہر احبائے پنج تن

ساتوں سقر ہیں مسکن اعدائے پنجتن — چرخ نہم ہے کرسئ زیبائے پنجتن

ایمان پناہ ہیں یہ شریعت پناہ ہیں　　ان کے شرف پہ پانچ نمازیں گواہ ہیں

حق تو یہ ہے کہ محمد و آل محمد پر تو درود ہے ہی۔ وہ درود کیلئے ہیں اور درود اُن کیلئے ہے۔ مگر مرزا صاحب کیلئے بھی درود ہے۔ درود اُن کے نام پر۔ اُن کی روح پر درود۔ ان کے مرقد پاک پر درود۔ اُن کی مجلس پر درود۔ اُن کے سامعین و شائقین پر۔ ان کے شاگردوں پر درود۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ

جناب مرزا صاحب علم و فضل میں انتخاب تھے۔ جود و سخا میں لاجواب یہی دن کے آفتاب یہی رات کے ماہتاب۔ اپنے زمانے کے فرزدق و حسان۔ تورع و تقدس میں بوذر و سلمان اخلاق میں تابع جناب خیر البشر۔ شوق عبادت آپ کا اللہ اکبر۔ آپ کے زر کمال کو اُن لوگوں نے پرکھا ہے۔ جو جواہر بازار دار العلم لکھنؤ میں کسوٹی ہوئے ہیں +

میں نے خواب* میں دیکھا۔ کہ ایک صحرائے وسیع میں ایک بہت بڑا خیمہ زرنگار ہی نصب ہے میں نے دربانوں سے اندر جانے کی اجازت چاہی۔ اندر جاکے دیکھا۔ کہ ایک مسند زرنگار پر جناب سرکار مرزا تشریف فرما ہیں۔ پہلے سوچا۔ کہ تمام خیمہ ہر طرف سے بحفاظت آفتاب و ہوا بند ہے۔ اسمیں روشنی کہاں سے آئی۔ معلوم ہوا کہ چہرہ نورانی جناب سے منور ہے میں نے بکمال ادب جناب میں دست بستہ عرض کیا۔ جناب مرزا صاحب آپ یہیں تشریف فرما ہیں۔ جو آپ کو عالم حیات میں کلام کی عادت تھی۔ اُسی طرح آپ نے جواب دیا۔ جی ہاں! یہ حقیر ہی کا مکان ہے

جناب نواب حسن مرزا صاحب نجف آبادی بلقب درخشاں دہی صاحب زادہ صاحب دہلوی لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ اور یہاں مدت دراز تک کشمیری محلہ میں سکونت پذیر رہے۔ قصائد غزلیات کا بہت شوق تھا۔ لطیف کلام تھا۔ سنا ہے مرحوم ہوئے ! اللہم اغفرہٗ وہ میرے طرح سے مرزائی ہوگئے تھے۔ میں نے تبدیل مذہب کا سبب دریافت کیا (بقیہ صفحہ ۴۸ پر)

---

*نوٹ: میں نے جلد اول میں اس قسم کی روایتیں نہیں لکھیں۔ بعض خوش اعتقاد حضرات نے اس کی شکایت کی۔ لہذا اسمیں تھوڑی سی روایات کو لکھکر میں نے اُس کی کچھ تلافی کرنا چاہی ہے۔ اور زندہ رہا۔ تو جلد اول کے دوبارہ چھپنے پر بھی کچھ ایسی روایات اضافہ کردونگا۔ جو مجھے خطوط میں بعض صاحبوں نے لکھ لکھکر بھیجی ہیں اور وہ محفوظ ہیں۔ ۱۲ ثابت ہیچمدان ؎

فرمایا۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ جناب امیر علیہ السلام کو۔ میں دست بستہ ادب سے حضور میں ایستادہ رہا۔ بیٹھنے کی سرکار سے اجازت ملی۔ پھر میں نے دیکھا۔ کہ آپ کے دو پہلوؤں کی جانب کچھ گڈیاں کاغذوں کی رکھی ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یہ کاغذ حضور پاس کیسے ہیں؟ فرمایا۔ مراثی ہیں۔ پھر عرض کیا مراثی کس کے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ دبیرؔ کے۔ پھر میں نے عرض کیا مجھے اجازت ہے؟ میں اسے دیکھوں۔ حکم ہوا انہیں تمہارے لئے بیکار ہیں۔ تم کیا کروگے دیکھ کے۔ میں نے عرض کیا حضور دبیرؔ کا کلام کیا کرتے ہیں۔ پھر وہ ابر نیساں امامت گوہر بار ہوا۔ کہ اصلاح دیتے ہیں۔ ہم نہ بتادیں۔ تو اس کا کلام کون بنا سکتا ہے۔ اب انصاف منصف کے ہاتھ ہے۔ کہ ایسے بزرگ کی شان میں کچھ لوگ شیعہ مذہب پابند صوم و صلوٰۃ۔ غلامان حیدر کرار کمال تو ماننے کا کیا ذکر ہے۔ کلمات بے ادبانہ جو مخالف کے گوش پر بھی گراں بار ہو کیسے بجوف روز شمار ادا کرتے ہیں۔ یہاں دینداری اُن کی کیا ہوگی؟ صد افسوس۔ جناب مرزا صاحب کو وہ مومن بھی نہیں سمجھتے۔ خدا ہی ان کو توبہ کی توفیق دے۔ کہ وہ اس فعل قبیح سے باز آئیں۔ وہ ہمارے بھائی بند ہیں۔ ان کو ہم کیا کہیں غیر ہوتا تو ضرور کہتے۔ فویل لھم مما کسبت ایدیھم۔ بہت میں نے آپ کا وقت عزیز ضائع کیا۔ امیدوار عفو ہوں۔ والعفو عند کرام الناس مامول۔ زیادہ بجز تمنائے قدمبوسی کیا لکھوں۔ آداب و تسلیمات مقبول طبع عالی باد۔

(۱۴) عبدہ المذنب السید محمد علی نقی عفی عنہ از لکھنؤ ڈاکخانہ کشمیری محلہ چاہ حیدر بیگ خاں

عالم علوم مغربی و مشرقی مولوی سید محمد غلام عباس صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد ورمیندار علاقہ کہاگاکے صحیفہ ۹۔ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۲۔ اگست سنہ ۱۹۱۳ء کے چند فقرات نقل عرض کرتا ہوں:۔

نوٹ (متعلقہ صفحہ ۳۰) مرزائی سے یہاں مراد اس فرقہ کے آدمی نہیں ہے۔ جو کشمیر پنجاب میں ہوا غلام احمد صاحب قادیانی آنجہانی کے پیرو ہیں اور اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور سب مسلمان انکو مرزائی کہتے ہیں بلکہ یہاں مرزائی سے مراد حضرت دبیر مرحوم کے معتقد ہوں ہے اور آئندہ سطر میں تبدیل مذہب سے یا تو یہ مراد ہوگی کہ پہلے نواب حسن مرزا صاحب مرزا دبیر مرحوم سے کچھ منحرف تھے یا اہلبیت اطہار کیطرف سے خوش عقیدہ نہ تھے بعد ازاں تبدیل مذہب کے قائل ہوگئے

واقعی آپ نے حیاتِ دبیر خوب لکھی۔ جناب میر انیس مرحوم کی لائف جس جس نے لکھی وہ اور شبلی کا موازنہ بھی میری نظر سے گذرا۔ مؤلفانِ لائف نے مؤرخانہ کام نہیں لیا۔ نہ تحقیق و تدقیق سے مطلب رکھا۔ بلکہ جناب میر انیس مرحوم کی ثناخوانی سے کام رکھا ہے۔ اگر اس نظر سے جناب میر صاحب سید تھے۔ اور خاکسار بھی گو کیسا ہی بدکردار ہو۔ مگر شرف نسبی اور سید ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔ جناب میر صاحب کا برادر نسبی اور شیعہ ہونے سے برادر ایمانی ہے۔ اس کے سوا ملاقات بھی نہ تھی۔ اور جناب مرزا صاحب سے میرے والد ماجد مرحوم سے خصوصیت سے دوستی تھی۔ تعلقات و روابط خاندانی جناب مرزا صاحب ہی سے بیشتر تھی۔ مگر صدق دل سے کہتا ہوں۔ کہ جناب میر صاحب کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ جو کچھ اُن کے ہواخواہوں نے اُن کی تعریف لکھی وہ بہت کم ہے۔ وہ اس سے بدرجہا زیادہ کے مستحق تھے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ کیا ضرور تھا۔ کہ جناب مرزا صاحب کے کمالات کی طرف سے آنکھ بند کرلیتے یا خواہ مخواہ اُن کی تنقیص کرتے۔ میر صاحب کو مرزا صاحب سے بڑھاتے۔ یہ ظلم ہرگز جائز نہ تھا مولوی شبلی صاحب نے تو موازنہ نہیں لکھا۔ بلکہ جناب میر صاحب و مرزا صاحب دونوں کی ہجو کی ہے۔ ظاہر کچھ اور باطن اُس کا کچھ اور ہے۔ اہل فن اس کو خوب سمجھ سکتے ہیں.....

لوگ میر صاحب اور مرزا صاحب کو آفتاب و ماہتاب کہتے ہیں۔ بظاہر یہ مثل اچھی ہو۔ لیکن مجھے ناپسند ہے۔ ایک ان میں سے آفتاب اور دوسرا ماہتاب اگر قرار دیا جائے۔ تو جس کو ماہتاب سے مثال دی جائے۔ اس کی توہین ہے۔ ماہتاب تحقیقات سے معلوم ہوا ہے نور ہے۔ اور اکتساب ضیا آفتاب سے کرتا ہے پس یہ تعریف نہ ہوئی بلکہ ہجو ہے۔ میں ان دونوں کو آفتاب کہتا ہوں۔ اگر ماہتاب سے مثال دینا مقصود ہے تو میں دونوں کو ماہتاب اور مکتسب ضیا از نور آفتاب ولایت خاندان رسالت سمجھتا ہوں۔

حضرت میں میر و مرزا کو نہیں معلوم کیا سمجھتا ہوں مجبور ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ ہزاروں

بقیہ (حاشیہ صفحہ ۳۰ کے متعلق) آپ کا تخلص مجھے معلوم نہیں ہے۔ غلام سیار سے ۱۲۸۶ھ نکلتے ہیں یعنی تاریخی نام ہے۔ اگست ۱۹۱۱ء میں بندگان اقدس حضور نظام دام ملکہ و دولتہ نے از خود قدردانی فرما کر آپ کو اورنگ آباد کا سشن جج بمشاہرہ ڈیڑھ ہزار روپیہ مقرر فرمادیا۔ واقعی کمال کی کبھی نہ کبھی قدر ضرور ہوتی ہے۔ ... ثابت

شاعر گذرے ہیں۔ اُن کے دیوان اور کلیات مطبوعہ موجود ہیں۔ دیوان بھر میں دس فیصدی غزلیں اور ہر غزل میں چند ہی ایسے شعر نکلیں گے۔ کہ بے ساختہ واہ مُنہ سے نکل جائے۔ سُننے والا کلیجہ پکڑ لے۔ یہاں اِن حضرات کا ہر مرثیہ ایک دیوان ہے اور شاعروں نے عمر بھر میں جان دیکر ایک دو دیوان بمشکل پہنچائے - اور ان حضرات کی وہ کیفیت ہے۔ کہ یہاں ہر سال متعدد مرثیئے بجائے خود ہر ہر مرثیہ دیوان کہا۔ عمر بھر میں صدہا مرثیے کہہ ڈالے۔ اور حشو و زوائد کا نام نہیں۔ ہر مصرع موتی کی لڑی ہے۔ دل صدقے ہوتا ہے۔ یہ میر صاحب یا مرزا صاحب کا کام نہ تھا۔ بہ صرف فیضان سرکار ممدوح تھا۔ مؤید من اللہ تھے سرکار رسالت و اہل بیت اطہار کی تائید تھی۔ وہ کہلواتے تھے - یہ کہتے تھے خدا جزائے خیر دے۔ الغرض آپکی حیات دبیرؒ میں طرفداری کا نقص نہیں ہے۔ آپ بہت ہی پکّے خیال کے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ واقعات لکھنے میں چاہے یہ ہوگیا ہو۔ کہ مرزا صاحب کی فضیلت ثابت ہو جائے۔ ورنہ کہیں آپ نے یہ پہلو اختیار نہیں کیا۔ کہ مرزا صاحب کی تعریف اور میر صاحب کی تنقیص ہو۔ مؤرخانہ تالیف آپ نے لکھی ہے۔ اور خوب لکھی ہے۔ انشاء اللہ تعالی بروز قیامت رسولؐ خدا کے دربار میں آپکو یہ ندامت نہو گی۔ کہ ایک مداح اہل بیت کی آپنے مدح کی اور دوسرے کی ذم ۔ نمبر ۱-

---

نمبر ۱ اس خط میں میری طلب پر جناب علامہ (سید صاحب ممدوح) نے اپنے اور استادی جناب مرزا اوج صاحب قبلہ کے استاد کامل حضرت مولانا کمال الدین موہانی اعلی اللہ مقامہ کے اور اپنے والد علام مولوی سید علی حسن صاحب شمس بارک اللہ عمرہ کے اور اپنے مختصر حالات بھی لکھے ہیں اور ایک کتاب (جلوۂ نیک عجیب سخن فہمی) مطبوعہ بھی بھیجی ہے - جو جناب ممدوح کے والد علام نے اس زمانہ میں لکھی تھی جب جناب مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہ کی تاریخ مشہور طور سیتابے کلیم اللہ و منبر بے انیسؒ پر بعض حضرات نے اعتراضات کئے تھے۔ اس کے محققانہ جوابات اس کتاب میں دیئے گئے ہیں۔ اور سید صاحب نے صفحہ ۱۲ حیات دبیرؒ کے بعض مضامین میں جو جو سہو و غلطی ہو گئے تھے۔ اس کی بھی تصحیح فرمائی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ کمال الدین اعلی اللہ مقامہ نے بھی تاریخ مذکور کے باب میں ایک رسالہ مرزا صاحب ممدوح کی تائید میں لکھ کر معترضوں کو ساکت فرمایا تھا۔ انشاء اللہ دوبارہ جلد اول حیات دبیرؒ چھپنے پر یہ سب مضامین مع شکریہ سید علامہ مدظلہ العالی درج کردونگا - ۱۲- ثابت -

(۱۵) جناب چودھری سید نظیر الحسن صاحب فوق رضوی رئیس مہابن ضلع متھرا مصنف المیزان (جواب موازنہ مولوی شبلی صاحب) کے خط ۵۔ نومبر ۱۹۱۳ء کے چند فقرے یہ ہیں۔

"لیجئے حضرت! میں نہ کہتا تھا۔ کہ ابھی حیات دبیرؔ کے دیکھنے کی تاکید نہ فرمائیے۔ جب تک کہ کل مسودہ المیزان مطبع میں نہ پہنچ جائے۔ لیکن ایک دن کچھ فرصت ملی تو حیات دبیرؔ اٹھائی اس کے دیکھنے میں ایسا محو ہو گیا۔ کہ صبح سے شام تک چھوڑنے کو طبیعت نہ چاہی۔ اُس دن المیزان کے مسودے کو دیکھنا اور کاپیوں کی صحت اور پروف کی صحت سب بند رہی۔ اور جب تک ۵۰۔ ۶۰ صفحہ ختم نہ ہوئے ساتھ سے نہ رکھی۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس کے ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ میں کیا دلکشی اور دلفریبی ہے۔ کہ دیکھتے جاتے ہیں اور اشتیاق بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ہر مرتبہ قصد ہوتا ہے کہ بس اس صفحہ پر ختم کر دو۔ مگر پھر طبیعت چاہتی ہے کہ ابھی دو ایک ورق اور دیکھ ڈالو۔ عبارت بہت صاف۔ الفاظ شستہ۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ لکھنؤ کے گذشتہ جلسوں اور پرانے عادات اور گذشتہ زمانہ کی سوسائٹی کا سماں آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ یا ایک اسٹیج پر کوئی گذشتہ تاریخ کا تماشہ ہو رہا ہے غرض نہایت دلچسپ ہے اور خوب لکھی ہے اس تاریخ کے واسطے آپ بہت موزوں شخص تھے۔

(۱۶) عالی جناب میر آغا حسین صاحب روحانی جنرل سپرنٹنڈنٹ کلکٹری گورکھپور (پسر حضرت فرقانی اعلی اللہ مقامہ) کے کارڈ ۶۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء کی حسب ذیل عبارت ہے۔

"حیات دبیرؔ پہنچی۔ بعد وفات حضرت اولاد میں نے کوئی کتاب سوا کتاب خدا کے پڑھنے کی قوت نہیں پائی۔ مگر حیات دبیرؔ کو اس حالت میں بھی شوق سے اول سے آخر تک دیکھا اور بہت محظوظ ہوا۔ آپ نے بیحد محنت فرمائی ہے خداوند کریم جزائے خیر دے۔ آپ کی نیک نیتی سے وہ خوب فروخت ہوگی۔ اور مقبول عام ہوگی۔ آپ کا نہایت شکریہ ہے۔ کہ اس میں والد مرحوم برادر مرحوم اور میرا ذکر خیر کیا ہے۔ میں اگر اپنی حالت میں ہوتا۔ تو اس کا مبسوط ریویو لکھتا۔ مگر پریشانی اور علالت زوجہ و دختر سے مجبور ہوں۔

(۱۷) مداح آل محمد شاعر کامل جناب مولوی سید مصحف حسین صاحب مشتاق سلمہ اللہ والقیادہ رئیس مصطفیٰ آباد ضلع رائے بریلی کے (جن کے کمالات شاعری پر برہان قاطع اُن

کے مطبوعہ مرثیے ہیں اور جو مولوی علی میاں صاحب کامل اعلی اللہ مقامہ کی یادگار و شاگرد ہیں۔ کارڈ مورخہ ۲۸ ماہ مبارک ۱۳۳۱ھ کا اقتباس یہ ہے۔ واقعی یہ کتاب آپنے لاجواب تحریر فرمائی ہے۔ گو اصل میں یہ کتاب سوانح عمری ہے۔ لیکن شعرا کیلئے ایک دستور العمل سمجھنا چاہیئے۔ مجھے اس کے دیکھنے سے اس بات کی زیادہ خوشی ہوئی کہ جناب مرزا صاحب مرحوم کے خاندان سے دو خصوصیتیں مجھے بھی حاصل ہیں۔ اول تو جناب مولوی غلام ضامن صاحب مرحوم میرے والد ماجد مرحوم کے نانا ہیں۔ جو کہ جناب مرزا صاحب کے اُستاد ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے۔ کہ جناب مولوی علی میاں صاحب کامل مرحوم میرے اُستاد ہیں۔ گو مجھ میں لیاقت ایسی نہیں ہے۔ کہ میں ان کے شاگرد ہونیکا دعویٰ کروں۔ مگر ہاں کچھ دنوں اُن کی کفش برداری میں نے کی ہے ٭۱۔

(۸۰) صحیفہ عنایت جناب مداح اہل بیت اطہار مستطاب خان بہادر سید خیرات احمد صاحب محب تخلص جو جناب ممدوح نے بغیر کسی تعارف سابقہ کے مجھے تحریر فرمایا۔ اور خود حقیر کی عزت افزائی کے واسطے اخبار اثنا عشری دہلی یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء میں بھیجکر چھپوایا۔ میں کل خط یہاں نقل کرتا ہوں۔ آپ کے کمالات کا نمونہ آپ کی لاجواب کتاب نور ایمان ہے۔ جو مہذب مناظرہ مذہبی میں لاجواب ہے۔ ۶ دفعہ چھپ چکی ہے۔ یہ مقبولیت کی دلیل ہے (گیا ۱۲۔ ستمبر ۱۹۱۳ء)

مولوی صاحب مجمع علوم جدیدہ و قدیمہ مصدر اخلاق حمیدہ و پسندیدہ سلامت ٭

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میں اپنی ناکامی پر بہت متحیر ہوں۔ کہ آپ کی ملاقات صوری سے محروم ہوں۔ حق تعالیٰ جلد یہ پردہ مفارقت درمیان سے اٹھائے۔ اور اس ہیچمدان کو آپ کے دیدار فرحت آثار سے مسرور کرے۔ میں کون ہوں۔ اور کیا ہوں؟ اس کی نسبت طول

٭۱۔ اس کے بعد جناب مولوی غلام ضامن صاحب اعلی اللہ مقامہ اور بعض بزرگوں کے حالات بھی سید صاحب ممدوح نے میری طلب پر بھیجدیئے ہیں۔ جو انشاء اللہ جلد اول حیات دبیر کے دوبارہ چھپنے پر اگر زندہ رہا۔ تو اضافہ کرونگا ۔

گر بمیریم عذر ما بپذیر ٭ ای بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔۱۲۰ - ثابت ہمدان

کلام کی اس وقت ضرورت نہیں مختصر یہہ کہ میں پکا اور اول [illegible] کا انیسیہ ہوں لیکن
جناب مرزا دبیرؔ صاحب مرحوم (علی اللہ مقامہ) کو اپنا پیشوا اور ہادی دارین سمجھتا ہوں۔ اور اپنا
عقیدہ یہہ ہے۔ کہ اگر حضرت کی خاک پا۔ بروز محشر اس بے نوا کے سر پر ہو تو عجب نہیں کہ اوس
کی برکت سے یہ سراپا عصیاں بخشا جائے۔ چونکہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ میں دبیریہ تھا۔ اس
لئے فقیر کی دلی تمنا تھی۔ کہ اگر اس بزرگ فرشتہ خصال کی لایف لکھی جائے تو جمہور مومنین کو
حضرت کی صفات ظاہری و باطنی سے واقفیت ہو جائے۔ لیکن چونکہ اب زمانہ دبیریوں سے
خالی ہوتا جاتا ہے٭۔ اس لئے مجھے بالکل مایوسی تھی۔ کہ یکا یک پرچہ اصلاح سے یہ مژدہ روح افزا
ملا۔ کہ یہہ شرف جاویدانی آپ کے حصہ میں آیا۔ اور آپ نے یہہ ارمغان دلپسند شایع فرمایا
فوراً ایک جلد منگوائی اور باوجود ضعف علالت و ضعف پیری کے اس کتاب مستطاب کا
ازاول تا آخر مطالعہ کیا۔ سبحان اللہ وجزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ کیا کتاب لکھی ہے عبارت
چست مضمون درست۔ خیالات عالی۔ دلائل قوی۔ اور مثل آپ کے ممدوح علیہ الرحمۃ کے
آپ کی کتاب نفسانیت اور تعصب سے پاک اور جمہور کے لئے سرمایۂ فضل و
ادراک ہے۔ ایک امر میں تو آپ نے کمال کیا ہے۔ اور قادر الکلامی کا طرز انداز
دکھلایا ہے۔ یعنے جناب مولانا شبلی صاحب نے اپنی کتاب موازنہ میں جناب
میر انیس صاحب مرحوم کو بڑھایا ہے (٭ حاشیہ صفحہ ۴۴ ملاحظہ ہو)

٭ ۱۔ میرے واجب الاحترام بزرگ حضرت محب!! دبیریوں سے نہ آج زمانہ خالی ہے۔ نہ انشاء اللہ
آئندہ خالی ہوگا۔ پہلے مجھ سے بعض احباب نے فرمایا تھا۔ کہ حیات انیسؔ و واقعات انیس کی جلدیں کم بکیں پس
حیات دبیرؔ کیا بکیگی۔ مگر ملک نے دیکھہ لیا۔ کہ حیات دبیرؔ کس طرح ہاتوں ہات بک گئی۔ یہہ بھی
دبیرؔ کی مقبولیت کلام کی دلیل ہے۔ جو لوگ دبیرؔ و انیسؔ دونوں کے قدردان ہیں وہ نہ دبیریئے
ہیں نہ انیسیئے یا دبیریئے بھی ہیں انیسیئے بھی۔ البتہ جو ایک آنکھہ بند کرکے ایک کامل کے کمالات نہیں دیکھنا
چاہتے ہیں صرف انہیں کو دبیریہ یا انیسیہ سمجھتا ہوں۔ اور دونوں کے قدردان الحمدللہ ملک میں بہت
ہیں۔ انہیں میں سے میں آپ کو بھی سمجھتا ہوں۔ ۱۲۔ ثاقب ✝

اور جناب مرزا دبیر صاحب مغفور کو گھٹایا ہے۔ اور آپ نے اس کا جواب لکھا ہے۔ ایسی حالت
میں ہر شخص جواب لکھنے والا کیسا ہی ولی کیوں نہ ہو ۔ضرور اپنے ممدوح کے مدمقابل کی تنقیص
کرے گا۔ اور ضرور کچھ نہ کچھ اس کی شان میں کہہ جائیگا۔ اور جمہور مصنفین تو اس کی ہجو اور توہین
میں اپنی کامیابی اور اپنے ناظرین ہم خیال کیلئے ارمغان مرغوب سمجھیں گے۔ لیکن سبحان
اللہ ۔ وحبذ اللہ۔ آپ نے کمال کیا ہے۔ کہ اول سے آخر تک آپکی کتاب مستطاب
میں توہین و تنقیص کا توشائبہ نہیں۔ بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ جناب میر انیس رح
مرحوم و مغفور کے شاگرد اور ان کے کلام کے فدائی ہیں۔ از ابتدا تا انتہا حفظ مراتب و تہذیب
و آداب کا اس قدر خیال کیا ہے کہ روح کو راحت ملتی ہے۔ اور آپکی قادر الکلامی اور سخنوری اعلیٰ ترین
لٹریچر کے ہم پلہ معلوم ہوتی ہے۔ مستزاد یہہ ہے۔ کہ جہاں جہاں مولانا شبلی صاحب نے میر انیس
مرحوم کے کلام پر اعتراض یا ایراد کیا ہے۔ اس کا جواب ایسا دیا ہے۔ کہ ہم ہی اگر بنیش انیسے
ملکر جواب لکھیں تو ویسا جواب نہو۔ اس لئے میں دل سے دعا کرتا ہوں۔ کہ حق تعالیٰ آپ کو قایم
دایم رکھے۔ اور جمیع مقاصد دینی و دنیوی آپ کی بر لائے۔ اور صلہ اس کا حضرات معصومین
علیہم الصلواۃ والسلام کے مقدس ہاتوں سے دلوائے۔ علاوہ اُس کمال کے آپکی تحریر
نہائت سُلجھی ہوئی ہے۔ اور دلیلیں آپ کی بلا نفسانیت و بے ریا انکساری کا پہلو لئے ہوئے
نہائت قوی ہیں اور ہرچند آپ نے از ابتدا تا انتہا کہیں اپنے علم و کمال کا دعویٰ نہیں
کیا ہے۔ بلکہ ہر جگہ اپنے کو کم علم اور بے بضاعت لکہا ہے۔ لیکن آپ کی کتاب مستطاب
کہہ رہی ہے کہ آپ کو علوم جدیدہ و قدیمہ۔ انگریزی۔ فارسی۔ اردو پر پورا عبور حاصل ہے ٭
اور آپ ایسے کامل شخص ہیں۔ کہ آپ کی ذات مجمع صفات پر قوم جس قدر فخر کرے۔ بجا ہے۔ اور میں
حق تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں۔ کہ اُس خلاق عالم کے فضل سے باوجود تغیرات زمانہ کے

٭ (نوٹ متعلقہ صفحہ ۴۳) میں اپنے ایمان سے عرض کرتا ہوں۔ کہ حضرت انیس رح اعلیٰ اللہ مقامہ کو میں
اُس سے زیادہ کامل جانتا ہوں جیسا کہ مولوی شبلی صاحب نے دکہایا ہے۔ مگر مرزا صاحب کو ویسا ناقص ہرگز نہیں
سمجہتا جیسا کہ مولوی شبلی صاحب نے ثابت کرنا چاہا ہے اور وہ ناکام رہے۔ حیات دبیر رح اور المیزان وغیرہ
نے مرزا صاحب مرحوم کی بہت تہوڑی سی خدمت ادا کی۔ پہر بہی کمالات دبیر آفتاب کیطرح روشن ہو گئے ؛

ابھی تک ہماری قوم میں ایسے ایسے یگانہ روزگار حضرات موجود ہیں۔ سلمہم اللہ تعالیٰ۔ چالیس
برس گذر گئے۔ کہ جناب مرزا صاحب مرحوم نے قطعہ تاریخ وصال جناب میر صاحب مرحوم پر لوگ
مختلف مبارک کرتے تھے۔ اس بات پر جمہور نے اتفاق کیا۔ کہ قطعہ تاریخ بے مثال لاجواب ہے
لیکن مصرع تاریخ پر اعتراض ہوا۔ کہ اس سے سنہ انتقال نہیں نکلتا۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ جس
وقت یہہ قطعہ تاریخ نکلا تھا۔ اُس وقت یہ خبر مشہور ہوئی تھی۔ اور مجھہ تک پہنچی تھی۔ کہ جب اس
مصرع پر اعتراض ہونے کی خبر جناب مرزا صاحب مرحوم کی گوش زد ہوئی۔ تو حضرت نے
ایک روز بر سر منبر فرمایا۔ کہ ہزار افسوس کہ میرے بھائی کے انتقال سے لکھنؤ ایسا خالی
ہوگیا۔ کہ اب دبیر کے کلام کا سمجھنے والا کوئی نہ رہا۔ اب میں کیا کہوں اور کس کیلئے کہوں۔ یہہ
فرماکر حضرت بہت متاثر ہوئے اور اسی سال میں زبر و بینہ کے قاعدہ سے صحیح اعداد نکالدیے
اور اس کے بعد پھر کچھہ نہ کہا۔ بلکہ اپنی پیشین گوئی ؎

چند روز و چند ہفتہ بے برادر ہے انیسؔ

کو ثابت کردیا۔ یعنے چند ہفتہ کے بعد خود راہی خلد بریں ہوئے۔ اور اپنے ہمعصر کے ساتھہ جنت النعیم
میں ہمصفیر ہوگئے۔ بعد انتقال جناب مرزا صاحب مرحوم کے بھی لوگ اس مصرع پر شک ہی
کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے کرم فرما میر مہدی حسن صاحب احسنؔ نے لکھہ دیا
کہ جناب مرزا اوج صاحب قبلہ کی تفسیر و تشریح سے بھی واقفان فن کی تسلی
نہ ہوئی ٭ میں اپنے دل کو کیا کروں۔ جس وقت جناب مرزا صاحب مرحوم کے کمالات شاعری

٭ (نوٹ متعلقہ صفحہ ۵۷) میں حضرت محب مدظلہ العالی کی اس محبت اور داد آفرین سخن فہمی کا دل سے شکریہ ادا کر کے
عرض کرتا ہوں کہ آپ ہی ایسے حضرات کی ہمدردی سے یہ کتاب طیار ہوئی ہے۔ خیر فارسی عربی کی تو چند کتابیں میں
نے اب سے ۳۰ برس پہلے (لکھنؤ میں) پڑھی بھی تہیں، مگر انگریزی میں تو میں طالب علم ہونیکا بھی دعویٰ نہیں کرسکتا
یہ فیض ہے میرے ان چند ہندو شاگردوں و دوستوں کا جو ایم اے بی اے ہیں انہوں نے مجھے دل سے مدد دی۔
اور جس مضمون کو میں نے چاہا فوراً سب کام چھوڑ کر اردو میں مجھے ترجمہ کردیا سمجھا دیا۔ جن
کا شکریہ جلد اول میں بھی میں ادا کرچکا ہوں۔ اور آئندہ بھی کسی موقع پر انشاء اللہ لکھونگا
۱۲۔ ثابت ہیچمدان

کو خیال کرتا تھا۔ اوس وقت یہ بات محض مہمل معلوم ہوتی تھی۔ کہ وہ اور تاریخ غلط کہیں۔ لیکن جمہور کی آوازوں سے یہہ دستور ہوتا تھا۔ کہ آخر جناب مرزا صاحب مرحوم بشر تھے۔ ممکن ہو کہ غلط کہہ گئے ہوں۔

حق تعالیٰ آپ کو عمر صد و بیس سال عطا فرماوے۔ کہ آپ نے پردۂ غفلت آنکھوں سے اٹھادیا۔ اور اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ سے ۱۱۴ تک میں بطور قطعی ثابت کر دیا کہ مصرع تاریخ صحیح ہے۔ جو تشریح آپ نے کی ہے۔ قابل صد تحسین و آفرین ہے اور ہر چند آپ نے اپنے علم و کمال کی روئے ہندسہ کی چندی کر دی ہے۔ لیکن دنیا میں مجھسے جاہل بے بضاعت بہت ہیں۔ ان کیلئے باوجود ہندسہ کی چندی کے بہت کسر باقی ہے۔ یوں تو ہر شخص اپنے کو عالم سمجھتا ہے لیکن حق یہہ ہے۔ کہ بہت کم ہیں جو الف با ہی صحیح جانتے ہیں۔ اس لئے جمّل کے حساب کیلئے اس بات کا جاننا ضرور ہے۔ کہ اساتذہ کس حرف کو کس طرح بولتے یا پڑھتے ہیں۔ مثلاً ب کو عربی میں با اور اردو یا ہندی میں بے کہتے ہیں۔ اسی طرح اور حرفوں کے تلفظ میں بھی اختلاف ہے۔ اس لئے میں نے اپنی طور پر بنظر اطمینان قلب اپنے (لیطمئن قلبی) اس مصرع کے حرفوں کے اعداد جو نکالے تو شکر خدا کا ہے کہ صحیح تاریخ نکل آئی۔ لیکن سچی بات یہہ ہے کہ مجھہ کو بھی دو تین مرتبہ ملفوظات حروف کو بدلنا پڑا تھا۔ اس لئے میں اپنے حساب کو آپ کیخدمت میں اس غرض سے ترسیل کرتا ہوں۔ کہ حق تعالیٰ آپ کو صحیح و سالم رکھے۔ جب اس کتاب مستطاب کے طبع ثانی کی نوبت آئے۔ تو اس ناچیز کیطرف سے اس حساب کو درج فرما دیجیگا۔ کہ میری روح کو راحت ہو۔ (باعتبار سن اور ضعف علالت کے اُس وقت تک میری زندگی محالات سے ہے

نوٹ متعلقہ صفحہ ۴۵) اس زمانے کو قریب قریب سب علماء و کاملین مرزا صاحب کے مادہ تاریخ کو صحیح سمجھتے تھے چنانچہ ادیب اکمل علامۂ زمان حضرت سید علی حسن صاحب شمس نویسندہ مترجم وکیل ہائی کورٹ اور جامع معقول و منقول فضیلت مآب کمال الدین مولانا السید احمد مقتدا اور عالی جناب مولوی عبد العلی صاحب آسی مدراسی عالم متبحر فرقہ حنفی نے مرزا صاحب کی تائید میں رسالے لکھے۔ اول الذکر بزرگ کا مطبوعہ رسالہ میرے پاس ۱۹۱۳ء میں آگیا جب کتاب مشتہر ہو چکی تھی۔ اب جلد اول کے دوسرے ایڈیشن میں (جو عنقریب چھپے گا اور ملیگا) اس کا اور رسالہ موجودہ کا اقتباس مفصل درج کرونگا۔ ۱۲۔ پیمبر ثابت

طریقۂ استخراجِ تاریخ از مصرع - طورِ سینا ہے کلیم اللہ منبر ہے انیس

طور سینا بقاعدہ زبر و بینہ

طا	=	۱۰
واؤ	=	۱۳
را	=	۲۰۱
سین	=	۱۲۰
یا	=	۱۱
نون	=	۱۰۶
الف	=	۱۱۱
		۵۷۲

ہے کلیم اللہ و - بقاعدہ صرف زبر

ہے	=	۱۲
کلیم	=	۱۰۰
اللہ	=	۶۶
و	=	۶
		۱۸۴

منبر ہے - بقاعدہ زبر و بینہ

میم	=	۹۰
نون	=	۱۰۶
با	=	۳
را	=	۲۰۱
با	=	۳
یا	=	۱۱
		۴۱۴

(انیس بقاعدہ صرف زبر)

ا	=	۱
ن	=	۵۰
ی	=	۱۰
س	=	۶۰
		۱۲۱

اس لئے ۵۷۲ + ۱۸۴ + ۴۱۴ + ۱۲۱ = ۱۲۹۱ھ فجزاک اللہ افضل الجزاء و اکثر الجزاء

اس حساب کو میں نے ایک روز مجلس میں جملہ مومنین کو سمجھایا۔ سب نہایت محفوظ ہوئے۔ اور آپ کے علم و کمال کی داد دیتے رہے۔ حالانکہ اس شہر کے جملہ مومنین انیسیہ ہیں (ذوق شیعہ)

جناب مولانا شبلی صاحب کی جیسی آپ نے خبر لی ہے اس کو میں کیا بیان کروں

دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ جناب مولانا کو صحت عطا فرما کر طول عمر عطا فرما دے۔ کہ اس کتاب سے سبق لیکر موازنہ کی طبع ثانی میں اپنی خطاؤں کا اعتراف فرمائیں۔ اور بزرگوں کی شان پاک میں جو الفاظ کریہہ استعمال فرما گئے ہیں۔ اس سے توبہ کریں۔ کہ بروز حساب باز پرس نہ ہو۔ اور عاقبت بخیر ہو۔+

جب جناب مولانا کی کتاب موازنہ نکلی تھی۔ تو میں نے جابجا حاشیہ پر اپنے خیالات نوٹ کر دیئے تھے جس مقام پر جناب مولانا نے جناب مرزا دبیرؒ صاحب و میر انیسؒ صاحب

+ ۔ مولوی شبلی صاحب تو مر گئے۔ اور مجھ کو بھی مرنا ہے بقول سعدی شیرازیؒ کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست یا بقول خودے ہے موت یقینی کوئی موہوم نہیں ہے + وقت اس کا معین تو ہے معلوم نہیں ہے۔ مگر جب میں سال پیوستہ لکھنؤ گیا تھا۔ تو خود مولوی شبلی صاحب نے میرے پڑھنے کی کتاب حیات دبیرؒ مجھ سے لیکر ۱۵ تا ۲۰ روز رکھ کر اول سے آخر تک پڑھی۔ دوبارہ ملنے پر کتاب واپس دی اور صاف لفظوں میں اپنی لغزشوں کا اعتراف کر کے فرمایا۔ کہ واقعی بہت سی جگہ مجھ سے سخت غلطیاں ہو گئیں اور مجھ پر بہت سے حالات اب معلوم ہوئے۔ جو پہلے معلوم نہ تھے۔ کتاب کی نسبت یہ رائے ظاہر کی۔ کہ باعتبار سلاست و فصاحت صرف یہ کتاب ایسی ہے۔ کہ جس پر تمام اہل لکھنؤ کو فخر کرنا چاہیئے۔ شعرائے لکھنؤ نے نظم میں تو ترقی کی۔ مگر نثر اُن کی دہلی والوں کے مقابلہ میں اب تک گھٹی ہوئی تھی۔ اب یہ کتاب آب حیات آزاد دہلوی کے مقابلہ کی ہوئی ہے۔ مجھے تو امید تھی۔ کہ وہ موازنہ پر نظر ثانی کرتے تو بہت گھٹاتے بڑھاتے باقی جو کتاب کی تعریف کی۔ یہ شاید میرا دل بڑھاتے ہونگے۔ ورنہ میں کیا میری کتاب کیا۔ ۱۲۔ ثابت

نوٹ: (متعلقہ صفحہ ۱۶۸) اگر وہ سب حضرات ایسے ہی نیک تھے، جیسے انصاف پسند دبیر و انیسؒ کے قدرشناس حضرت صاحب میں تو خدا ہر مومن کو ایسا نصیب کرے۔ اور اگر کوئی ایک کے کمال کے مٹانے کی دھن کسی کو ہے۔ یا عمداً چشم پوشی کرتا ہے۔ تو اس کے دل کی آنکھ کو خدا حق کی روشنی سے جلد روشن کرے اور توفیق خیر القضا عطا فرماوے کہ دبیر و انیس ایسے مومنین کاملین کی محبت کو بھی ائمہ طاہرین نے اپنی محبت اور اپنی محبت کو جزو ایمان ارشاد فرمایا ہے۔ اور مدّاحوں کی داد دینا ائمہ طاہرین کا شیوہ ہو اور ہم کو بھی مامور فرمایا ہے ۔ ۱۲۔ ثابت

اعلی اللہ مقامہما کے الفاظ و زبان پر ایراد کیا ہے۔ آپ نے براہ متانت بصفحہ ۵۳۹ یہ لکھا ہے "یہہ دونوں بزرگ وار خود مستند ہیں۔ ان کیواسطے دوسری شعر کے کلام سے سند لانا بھی ضرور نہیں ہے بلکہ ان کے کلام سے سند اور نظیر لی جاتی ہے"۔ میں نے اس مقام پر یہ نوٹ کیا ہے جب کسی ناظم یا ناثر کی زبان یا الفاظ پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ تو وہ بے چارہ استادوں کی سند پیش کرتا ہے۔ اور پبلک اس کو مان لیتی ہے۔ مثلاً کافر بفتح فا و ظالم بفتح لام اساتذہ کے کلام میں دکھلایا گیا ہے جمہور نے فوراً مان لیا۔ اب ہم حیران ہیں کہ جب جناب مرزا دبیر صاحب مرحوم یا انیس صاحب مغفور کے الفاظ یا زبان پاک پر اعتراض ہو۔ تو ہم کس کے کلام سے سند لائیں۔ کیونکہ یہ حضرات تو خود استاذ الاساتذہ ہیں چند شبانہ روز میں اس غور و فکر میں حیران رہا۔ الہی بمصداق مثل مشہور جوئندہ یابندہ دو شخصوں کو ڈھونڈھ ہی نکالا۔ (۱) لالہ نوبندرائے بیکنٹھ باشی (۲) مولانا شبلی مسلمہ اللہ یہہ خدا کی شان ہے کہ جو بزرگ اپنی پیرانہ سالی تک "قریب الرگ" کی ترکیب کو جائز نہیں۔ دیکھو کتاب موازنہ صفحہ ۱۸۸ نمبر ۷ وہ خلاقان سخن حضرات دبیر و انیس مرحومین زندۂ جاوید کے کلام پر ایراد کریں اور اس کا محاکمہ کریں!!

میں معذرت کرتا ہوں۔ کہ نیاز نامہ بہت طویل ہو گیا۔ اور آپ کو پڑھنے کی بڑی زحمت دی گئی۔ میں بخوشی آپ کو مجاز کرتا ہوں۔ کہ اگر آپ کا دل چاہے تو جس طور پر مناسب ہو۔ اس نیاز نامہ کو شائع فرمائیے۔ والسلام ÷ آپ کا قدردان اور آپ کی قادر الکلامی کا معترف نیاز مند سید خیرات احمد عفی عنہ وکیل و سکرٹری انجمن گیا ÷ مکرر یہہ کہ بعد لکھنے اس نیاز نامہ کے میں نے خود نقل اس کی اخبار اثنا عشری میں واسطے اشاعت کے بھیجدی ہے۔ والسلام

(۱۹) ثنا خوان مداح اہل بیت۔ جناب سید نفضل مہدی صاحب نسیم رئیس بہرول ضلع بہرائچ کے سرفراز نامہ ۱۴۔ ستمبر ۱۹۱۳ء کا انتخاب ٭

قبل اس کے حیات دبیر پہنچی تھی مقریب لطف کے دیکھہ چکا ہوں۔ میں نہیں عرض کر سکتا۔ کہ کس قدر لطف حاصل ہو رہا ہے۔ آپ نے وہ کام کیا۔ جس کا شکریہ تمام نسل دبیر یہ تا قیامت ادا نہیں کر سکتا۔ "حیات دبیر" نے دبیریوں کے مردہ دلوں کو زندہ کر دیا۔

شکر ہے آپ نے ہمارا سر زانوے ندامت سے اٹھا کر سرخرو کیا۔ مولانا مولوی شبلی صاحب کا جواب لاجواب اور مہذب یوں دیتے ہیں ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند حق تعالیٰ آپ کے ارادے آپ کی عمر شریف۔ آپ کے علم و عمل میں برکت عطا فرمادے۔ میرے نزدیک جس جس کو جناب دبیرؔ اور خاندان دبیرؔ سے شرف تلمذ حاصل ہوا اُس کو حیات دبیرؔ ضرور لینا چاہیئے۔ آپ نے اُس کو مجموعہ علوم کر دیا ہے۔ محض دلچسپی ہی نہیں۔ بلکہ اُس سے (انسان) سبق حاصل کرے۔ یہ کتاب ایسی ہے۔ کہ مبتدی کو کامل۔ ناواقف کو واقفیت فن عروض کا جامہ پہنا کر انسان بنا دے۔

(۱) قطعہ تاریخ حیات دبیرؔ مصنفہ منشی برجموہن صاحب متخلص کیل علائی ہاہری یا کوٹہ

لکھا بیدار مغز۔ ثابت نے
غم و درد و الم کا حال حسینؑ

سنہ ۱۳۳۲ فصلی
۱۳۳۱ ہجری المقدس

تحت عرش بریں پہ لکھا حقیر
افضل الفاضلین آل حسینؑ

سمت ۱۹۷۰ بکرمی
۱۳۱۹ سنہ عیسوی

(۲) قطعہ تاریخ مصنفہ شاعر شیوا زباں نواب مرزا انجاع الدین احمد خانصاحب تاباںؔ دہلوی دام فیضہ

غم شبیر کے فسانے پر
کیوں نہ روئیں جوان و پیر و طفل

کہہ یہ تاباںؔ کہ حضرت ثابت
سلک نظم دبیر ہے۔ بے مثل

۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء

قطعہ تاریخ مصنفہ مورخ بے مثال شاعر شیریں مقال بلند خیال دستگیر اہل کمال نواب حاجی سید محمد جعفر خاں صاحب عرف نواب پیارے صاحب رئیس شمس آباد

٭ یہ قطعہ تاریخ جلد اول (حیات دبیرؔ) میں اسلئے نہیں چھپوایا۔ کہ اس کا مضمون محض کلام دبیرؔ سے متعلق ہے اور کلام دبیرؔ مرحوم کی یہ جلد ثانی ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر پیش کیگئی۔ نواب تاباںؔ دام مجدہٗ دہلی کے مستند خاندانی رئیس و شاعر ہیں نواب صاحب لوہارو کے خاندان میں آپ کا دم غنیمت ہے۔ اس تاریخ میں بھی ایک خاص کمال آپ کا ظاہر ہے کہ پورے مصرعہ سے تو سنہ عیسوی نکلتے ہیں۔ اور سلک نظم دبیر اس جملہ سے سنہ ہجری برآمد ہوتے ہیں۔ یہ جلد ثانی بھی سنہ ۱۳۳۱ھ میں مرتب ہو چکی تھی مگر سنہ ۱۳۳۲ میں پھر اسمیں کچھ اضافہ کیا گیا اسلئے سنہ ۱۳۳۱ء جو مصرعہ مادہ سے نکلتے ہیں وہ صحیح ہیں تھا۔

ضلع فرخ آباد دام اقبالہٗ و مدظلہٗ۔ جعفر و حاجی تخلص۔

(۳) زحکم حضرت ثابت چہ سر کشد ورنہ — کجا کلیم زبانش کجا صفات دبیر
بگفت جعفر احقر بہ بیسوی ناچار — مفید۔ مرثیہ۔ گویاں۔ بشد۔ حیات دبیر

۲۶ + ۸۱۹ + ۳۰۷ + ۸۷ + ۷۵۵ + ۱۳۴

۱۹۱۷
۴
۱۹۱۳

ایضاً

(۴) قسم بکشتۂ تیغ جفا حسین شہید — نیافتم بزمین حا جیا نظیر دبیر
دوم حیات محمد رضا ظہیرش بود — کنون ست افضل آل رضا ظہیر دبیر
۱۳۳۱ھ

ایضاً

(۵) عجب فصاحت غضب طلاقت درست بندش لطیف معنی — خیال طرفہ بلند مضمون بیان جامع زبان قادر
زحکم ثابت بگفت جعفر برشتہ سہ درگہ جعفر — بدان کلام دبیر روشن ضمیر بالکل بلیغ و نادر
۵۷ + ۱۹۱۳ء — ۱۳۳۲ھ

بدان کے ۵۷ عدد ہوئے۔ کلام دبیر روشن ضمیر کے ۱۹۱۳ء ہوئے۔ یہ عیسوی سنہ نکلے۔ اس میں ۵۷ جوڑے تو بکرمی نکلے۔

۱۹۱۳ء
۵۷
۱۹۷۰ بکرمی

---

(۶) قطعۂ تاریخ تالیف حیات دبیر جلد اول مصنفہ عالی جناب سراپا کمال جناب مسٹر نواب حامد علی خاں صاحب عابد بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ دام اقبالہٗ

شہرۂ آفاق جناب دبیر — بندۂ محبوب خدائے قدیر
اسم مبارک تھا سلامت علی — ذات مغل اور تخلص دبیر

نوٹ۔ اس تاریخ میں مصنف نے اپنا کمال دکھایا ہے۔ ایک مصرع میں سنہ عیسوی۔ بکرمی۔ ہجری تینوں سنہ بے تکلف مادی نکلتے ہیں۔ اس موقع پر حیات دبیر کی وہ حکایت یاد آتی ہے۔ کہ جب پہلے پہل مرزا دبیر میر ضمیر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو کر شاگرد ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے دبیر تخلص رکھ کر فرمایا۔ کہ بر دبیران روشن ضمیر مخفی و محجوب نماند اس جملہ میں دبیر مقدم ہے ضمیر پر میں نے اپنے تخلص پر تمہارا تخلص مقدم کر دیا۔ اس مصرع میں دبیر روشن ضمیر آیا ہے اور کلام دبیر روشن ضمیر سے پورے عدد سنہ ۱۹۱۳ ہجری نکلتے ہیں بس اعتراض مصنف تاریخ پر۔ ۱۳ ثابت بجہان

ایسے تھے شاگرد کہ تھی انکی ذات | مغز استاد زمانہ ضمیر
اُن کے عناصر میں کوئی جز نہ تھا | تھا تو فقط جوشِ ولا کا خمیر
مرثئے۔ قطعات۔ رباعی۔ سلام | شعر ہر اک صنفِ سخن میں کثیر
اُن کے سخن میں ہے وہ سوز و گداز | ڈھونڈو تو مشکل سے ملیگی نظیر
درد و الم خیز۔ اشارے بہت | شوکتِ الفاظ کا گنج خطیر
پوچھی عطارد سے نظیر آپکی | اُس نے کہا ہیں بخدا بے نظیر
دوسرا ملنے کا نہیں خلق میں | جیسے ہیں خلّاقِ مضامیں دبیرؔ
مدح و ثنا کیا ہو کما حقہٗ | گنئے تو اوصافِ حمیدہ کثیر
دیکھے سخی ایسے نہ ہم نے سُنے | دولتِ دنیا تھی نظر میں حقیر
حُب کا عمل آپ کا خُلق عمیم | بندۂ درگاہ صغیر و کبیر
داغ تھا سجدے کا فروغِ جبیں | بحر میں رہا۔ پرتوِ ماہِ منیر
ایسے تھے حضرت کے قوانینِ خلق | خود ہیں زمانے میں جو اپنی نظیر
اس قدر اوصاف بشر میں کہاں | سچ ہے فرشتہ تھے جنابِ دبیرؔ
فیض رساں عمر کے کل واقعات | تخمِ ریاضت کو سحابِ مطیر
صاف عبارت میں بہ تحقیقِ حال | لکھی ہے ثابتؔ نے حیاتِ دبیرؔ
حشر کے دن تک اسے شہرت نصیب | اس کا محافظ رہے ربِّ قدیر

مصرعِ تاریخ یہ حامد لکھو

خوب ہے۔ واللہ۔ حیاتِ دبیرؔ
۲۱۶ ۴۱۹ ۷۲ ۱۵ ۶۰۸

سنہ ۱۳۳۰ ہجری

(پرچۂ ماہانہ زمانہ کانپور میں بھی یہ قطعہ چھپ چکا ہے)

قطعۂ تاریخ مصنفہ شاعر عالی خیال صاحب طبع سلیم جناب سید اکبر مہدی صاحب سلیمؔ
موسوی نیشاپوری نبیرۂ حضرت علامہ مولانا سید ظفر مہدی صاحب مرحوم اثیم تعلقہ دار جرول

(۷) رقم کرد ثابت کتابے چناں | کہ ہر حرف سلکِ دُرِ بے نظیر

ز ہر نقطہ تجسمِ درخشانِ تجلی　　ز ہر لفظ، شرمندہ ماہ منیر

چہ سال طلوعش بہ پرسی سلیم

بدہر آفتابِ حیاتِ دبیر

۱۳۱۳

ایضاً بہ سالِ عیسوی

(۸) زہے کتاب مدلّل خوشا مصنف او　　ز دل ثنائے شہ قلعہ گیر ثابت کرد

ثنائے آل محمد عبادتے مقبول　　مرا حدیث بشیرہ نذیر ثابت کرد

مدام باد۔ سلامت علی شالِ شہیہ　　کہ فیض مدح جناب امیر ثابت کرد

کجا ز دال بمبتداء مشہ سلیم بگو

بحسب عہد حیات دبیر ثابت کرد

۱۲　۱۹ھ

ایضاً قطعہ تاریخ جلد دوم حیاتِ دبیر

(۹) ہمہ فیض استاد عالی گہر　　کسے در کمالش بود کے نظیر

ز شاگرد نام نکویش بہ اوج　　کہ از فیض استاد گردد شہیر

بہ کرشن کتابے رقم شد سلیم

ز ہر نقطہ ثابت حیاتِ دبیر

۱۴　۱۹

قطعہ تاریخ طبعِ حیاتِ دبیر نتیجہ فکر شاعر شیوا زبان مولانا سید نظیر حسن صاحب سخا دہلوی مشیری اسلام

(نبیرہ تاج العلماء مولوی محمد علیخاں صاحب مرحوم جج ریاست بھوپال) مصنف ضیاء الاسلام وقصیدہ عروۃ الوثقیٰ وغیرہ مقیم ریاست جے پور:

(۱۰) فاضل بے مثل دکنیا مولوی افضل حسین　　آنکہ کلکش صفحۂ قرطاس را سازد بہشت

طبع دقادیش بنا فرمود چوں کاخ کتاب　　شمس را۔ از آسماں بگرفتہ زرد جا خشت

واضح ہو۔ خاندان جناب مرزا دبیر مرحوم میں الف ممدودہ کے دو عدد لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ادج مدظلہ کی کتاب مقیاس سے ظاہر ہے۔ یہاں بھی الف آفتاب کے دو عدد لئے ہیں۔ بعض شعرا (اس زمانے کے) الف ممدودہ کے بھی الف مقصورہ کی طرح ایک ہی عدد لیتے ہیں۔ ۱۲ ثابت بے بضاعت

نقد تحقیقات را بار دگر زد بر عیار　　خوب را بنمود خوب و زشت را بنمود زشت
میرزا را مدح کرد و میر را قدحی نکرد　　وہ چہ فرخندہ مزاج و وہ چہ پاکیزہ سرشت
آدمی باید کہ آرد آدمیت در عمل　　نے کہ یکجا شاد کرد و دیگری را دل خراشت

در سن ہجری سنہ ہم بعد ترتیب کتاب
طبع شد تحقیق دل افروز تاریخش نوشت
۲۱ ——— ۱۳ھ

قطعۂ تاریخ اشاعت حیات دبیرؔ

مصنفہ شاعر شیریں کلام راس الروسائے الکرام جناب مولوی سید مہدی صاحب شمیمؔ تعلقدار علی نگر و سب رجسٹرار سابق ضلع بہرائچ

(۱۱) خامہ بگو از دو تسلیم شرح صفات دبیرؔ　　بود فنائے سخن آہ وفات دبیرؔ
او سخن مردہ را زندہ چو عیسیٰ و ید کرد　　لطف خفی داشتہ رمز نکات دبیرؔ
زیب اورنگ فن خسرو ملک سخن　　نطق نشق نظم را ختم بذات دبیرؔ
یک نہ دو صد ہزار یک بود بیشمار　　نکتہ رسان سخن جملہ روات دبیرؔ
نقل مجالس سخن بادۂ شہد لبن　　شیر و شکر ہمہ گر لطف نبات دبیرؔ
وصف محشر بہ ہیں رتبۂ منبر نشین　　تا بہ ہزاران رسد فیض نجات دبیرؔ
ثابت عالی خیال صاحب فضل و کمال　　ثبت نمودہ بحق وصف ثبات دبیرؔ

سال اشاعت نکو جست بمعجز شمیمؔ
بادۂ ز کوثر ترا روح حیات دبیرؔ
۲۱ ——— ۱۳ھ

اشعار تاریخ تالیف حیات دبیرؔ مصنفہ شاعر غالب مداح آل ابی طالب جناب سید طالب حسین صاحب طالبؔ ساکن نور پور تحصیل اکبر پور ضلع فیض آباد ملازم جناب آنریبل راجہ مولوی سید ابو جعفر صاحب قبلہ دام اقبالہٗ رئیس و تعلقہ دار نور پور اکبر پور

(۱۲) بہ جبین عارض شاہد مدعا　　بگفت طالبا شکر رب ہدیٰ

که افضل حسین فضائل مآب — بطرز پسندیده و لاجواب
حیات دبیر سخنور نوشت — بصدق و صفا چون خط سرنوشت
سطورش لب لعل تمثال یار — حروف و نقاطش خط و خال یار
سوادش چو زلف بتاں مشکبار — بیاضش منور چو روئے نگار
گہر سفت آں منشی بے نظیر — بہ تحریر حال جناب دبیر
پر آئینہ کار نمایاں نمود — تو گوئی کہ باب گلستاں کشود
بیاسید تا اندریں بوستاں — ہمہ اہل عالم تفرج کناں

چو شد طالب سال تالیف آں
زہے نسخہ بے مثالے بخواں
۳۰ — ۱۳ھ

نوٹ :- یہ میر طالب حسین صاحب طالب وہی ہیں جن کا ذکر خیر دیباچہ جلد اول حیات دبیر میں ہے یہ مرثیہ کہتے بھی خوب ہیں پڑھتے بھی خوب ہیں۔ حضرت اوج مدظلہ کے شاگرد رشید ہیں ۱۲۔ ثابت

ولہ قطعہ تاریخ اردو

دسوں لکھی یہ لاجواب کتاب اسکی وصف میں — جو مدح خوان آل رسول قدیر ہے
ثابت کیا ہے مولوی افضل حسین نے — نظم دبیر پاک گہر بے نظیر ہے
سچ تو یہ ہے لکھی ہے اس انداز سے کتاب — ایک ایک لفظ جس کا فصاحت کا ہے سفیر
آساں و سہل بھی نہیں دشوار ہی نہیں — طرز عبارت اس کا بہت دلپذیر ہے

ہاں پائے جمل کاٹ کے طالب بتا سال
لکھا سہل ممتنع یہ حیات دبیر ہے

۱۵ ۲۱۶ ۴۱۹ -۱۵-۶۰۰-۹۵

۳۶۰
۳۰ پائے جمل لام کے

سنہ ۱۳۳۰ ہجری

قطعہ تاریخ طبع حیات دبیر جلد اول مصنفہ شاعر کامل سید طالب حسین طالب شاگرد رشید حضرت اوج مدظلہ

(۱۴) ہمیشہ رقم نمود حالات دبیر — سید افضل حسین ثابت با علم
در معجمہ گفت سال طبعش طالب — بجرے ذ غفار در سبوئے از علم

(معجمہ حروف منقوطہ کو کہتے ہیں)

ب ی + ذ خ + ب ی + ز
۱۲ ۱۳۰۰ ۱۲ ۷

سنہ ۱۳۳۱ھ

قطعہ تاریخ حیات دبیر مصنفہ سید سرفراز حسین صاحب خبیر لکھنوی خلف سید اعجاز حسین صاحب اعجاز و تلمیذ حضرت اوج مدظلہ العالی

(۱۵) ہوا ثبوت یہ ای ثابت خجستہ نہاد — کہ تو ہے شارح منظوم پر نکات دبیر
بجا ہے گر کہوں اس نامہ نگاریں کو — کلید قفل رموز مکالمات دبیر
عجیب نام سلامت علی تھا با برکت — وفات پائی تو قائم ہوئی حیات دبیر
وہ لاکلام تھے اہل زبان زمانے میں — ہوئے اسی سے زبان زد محاورات دبیر
ہوئے مقلد طرز جدید سب شعرا — جہاں میں عام ہوا خاص فیض ذات دبیر
جہاں کی عقل و فراست جہاں کا علم کمال — بغور دیکھو تو ہے جزو کائنات دبیر

خبیر طول نہ دے سال طبع کر یہ رقم
فنا کے بعد ہے رونق - فزا - حیات - دبیر
۲۱۶ + ۴۱۹ + ۸۸ + ۳۵۶ + ۱۵ - ۶۶ + ۳۰ + ۱۳۱

سنہ ۱۳۳۱ ہجری

حیاتِ دبیرؔ جلد دوم (۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رباعیاں

قبل اس کے کہ میں مرزا صاحب مرحوم کی چند رباعیاں لکھوں۔ یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب نے جس کثرت سے مختلف مضامین میں رباعیاں کہی ہیں اور کسی شاعر کی اتنی رباعیاں میری نظر سے نہیں گذریں۔ پس صاحب آبحیات کا یہ لکھنا کہ رباعیاں کہنا تو مرزا صاحب کے نزدیک آتیں نہیں ہیں بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ دفتر ماتم کی بیسویں جلد میں (بجز چند قطعات وغیرہ کے) کل رباعیاں ہی رباعیاں ہیں۔ حالانکہ واقفان راز جانتے ہیں، کہ سینکڑوں رباعیاں اس جلد میں نہیں چھپیں۔ اور جابجا لوگوں کے پاس ہیں۔ میں جلد اول میں بھی تھوڑی سی رباعیاں لکھ چکا ہوں۔ اس جگہ چند رباعیاں لکھتا ہوں۔ اور فتح الباب (ابتدا) حمد سے کرتا ہوں ؎

"مؤلف"

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

(۷) [illegible]

---

۱ بحرِ موّاج - جو دریا بہت موجیں مار رہا ہو ؁

۲ تشنّن و تصنّع - بناوٹ - اپنے آپ کو بنانا ؁

اس رباعی میں مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں تو اپنے گناہوں کے سبب سے ضرور دوزخ میں جانے کے قابل ہوں۔ مگر دوزخ نے کیا قصور کیا ہے۔ جو وہ مجھ ایسے گناہگار کو جلائے۔ اور میرا مسکن بنایا جائے سُنا ہے کہ جس زمانے میں مرزا مرحوم نے یہہ رباعی کہی اور پڑھی۔ لکھنؤ میں بعد اس کی شہرت ہوئی۔ اور لکھنؤ سے باہر جہاں جہاں یہ رباعی پہنچی ایک دُھوم مچ گئی۔ کہ عجیب و غریب مضمون ادا کیا ہے جہاں دوستوں نے تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ وہیں بعض مخالفوں نے اعتراض بھی کئے۔ چنانچہ کسی صاحب نے اس کے جواب میں ایک رباعی کہی تھی جس کے صرف دو مصرع مجھے یاد ہیں ؎ ہے آگ سے شیطان میں شیطان کا مرید * یہ وجہ ہے دوزخ جو مری قابل ہے مگر اہلِ علم سخن شناس (منصف) سمجھتے ہیں۔ کہ مرزا مرحوم کی رباعی میں جو لطافت ہے۔ اس کو معترض صاحب کا ذہن نہیں پہنچا۔ مرزا صاحب کا یہ مقصود ہے کہ میں اس درجہ گناہگار ہوں کہ میرے جلانیں دوزخ کو بھی گویا زحمت ہو گی۔ جناب منشی عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ گویا اس رباعی کی شرح میں مثنوی من وسلوی میں فرماتے ہیں ؎

من باین زشتی کہ عار دوزخم ... کے بسوز اندش اردوزخم

جہاں تک مجھ کو علم ہے۔ جناب مفتی صاحب۔ مرزا صاحب سے عمر میں چھوٹے تھے اور مرزا صاحب کی شاعری بھی ان کی شعر گوئی سے مقدم ہے۔ مگر یہہ مجھے تحقیق نہیں معلوم کہ مرزا مرحوم کی یہہ رباعی پہلے کی تصنیف ہے۔ یا من وسلوی۔ بہر حال جناب مفتی صاحب کا شعر بھی اسی قدر مدح و ثنا کا مستحق ہے۔ جس قدر مرزا صاحب کی رباعی۔ اب اس کے ساتھ ہی ایک رباعی اور بھی سن لیجئے۔ برأت دوزخ کی تو یہ توجیہ تھی مگر جنت ملنے کی کیا دلیل ہے

[illegible]

[illegible]

۴۶. اس مضمون کی حدیثیں اپنے مقام پر بہت ہیں کہ خداوند عالم نے ہر چیز (آسمان و زمین و ملائکہ وغیرہ) محمدؐ و آل محمد کے نور سے پیدا کی۔ چنانچہ جنت بھی اسی نور سے بنی ہے۔ اور اس مضمون کی بھی حدیث ہے۔ کہ دوستداران محمدؐ و آل محمد کے دل خدا نے اُس مٹی سے بنائے۔ جو آل محمد (ائمہ اطہار ع) کی طینت (مٹی) سے بچی تھی۔ اسی دلیل سے مصنف علام اپنا استحقاق بہشت ثابت فرماتے ہیں۔

[illegible]

محمدؐ میں دو میم ہیں۔ اور دل درمیانی حرف کو کہتے ہیں شمس و قمر دونوں کے بیچ کا حرف میم ہے۔ اور دن اور رات میں سورج اور چاند ہی سے تمام دنیا میں روشنی رہتی ہے پس مصنف مرحوم کہتے ہیں۔ کہ محمد کی دونوں میم شمس و قمر کے دل ہیں۔ اسی سبب سے شمس و قمر سے جہاں روشن ہے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ محمد صلعم سے زمانہ میں روشنی ہے ؎

(۱۲)

[illegible]

حضور صلعم کا ایک لقب خاتم النبیین بھی (قرآن مجید میں) ہے اور خاتم انگوٹھی کو بھی کہتے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے - کہ جسم اقدس کے سایہ نہ تھا - چنانچہ تمام مسلمان شعراء سایہ کے مضمون کو باندھتے ہیں - مصنف فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نور کی خاتم ہیں جبھی تو ظلمت (سایہ) نام کو بھی نہیں ہے۔

[illegible] تعمیہ مشق خط [illegible]

کبھی خامہ [illegible] سیاہ رو وہ کیونکر [illegible]

حضور صلعم نے کسی مکتب میں تعلیم نہیں پائی ہے - اسی وجہ سے بعض آدمی حضور کو اُمّی کہتے ہیں - مصنف شاعرانہ استدلال فرماتے ہیں - کہ حضور کا کام سیاہ رو کو سفید رو کرنا تھا - پس ایسی صورت میں کاغذ کو (لکھ کر) سیاہ رو کیونکر فرماتے۔

[illegible]

---

۵۲ مسلمانوں میں یہ رواج عام ہے - کہ نزع میں مرنے والے کو سورۂ یٰسین سناتے ہیں - اور یٰسین نام حضور صلعم کا ہے - اس راہ سے کیسی اچھی یہ توجیہ و تخیل و استدلال ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

منقبت [illegible]

[illegible]

یہ مضمون مجھ بے بضاعت کی نظر سے (اور کسی عرب یا عجم یا ہندی شاعر کے کلام میں؟)
نہیں گذرا میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ مرزا مرحوم کا حصہ ہے کس لطافت سے نظم فرمایا ہے۔
علیؑ و فاطمہؑ کے قامت کو ایمان کے دو الف قرار دیکر اس امر سے دوسرا مضمون
یہ نکالا۔ کہ دو الف جب پاس پاس لکھے جائیں۔ تو آا ہوتے ہیں جس طرح دو الف سے
آا پیدا ہوتے ہیں اسی طرح علی مرتضیٰؑ و فاطمہ زہراؑ سے گیارہ آئمہ معصومین پیدا ہوئے۔ و
امام اول خود جناب امیرؑ ہیں ۱۱۔ ان کے فرزند امام ہیں۔ یہہ کل بارہ امام ہوئے
اللّٰہم صلّ علیٰ محمد و آلِ محمد۔

---

(۷)

(۱۷) ذو قافیتین

کونین پہ خالق کا ولی غالب ہے
ایمان سے روح اور علیؑ قالب ہے
اللہ سے مطلوب نبیؐ طالب ہے
کیا ذاتِ علیؑ ابن ابیطالب ہے

(۱۸)

یا شاہِ نجف فراغتِ دنیا دو
دنیا نہ فقط لونگا مع عقبیٰ دو
یا دولت دوسرا دو یا بہر سوال
اپنا سا کریم دوسرا بتلا دو

رباعی مرقومہ بالا میں ایک تو یہ صنعت ہے۔ کہ دوہرے دوہرے قافئے ہیں۔ پہلا قافیہ
علیؑ۔ ولی۔ نبیؐ۔ ابی اور دوسرا غالب۔ قالب۔ طالب۔ طالب ہے دوسری بات یہ
ہے کہ چاروں مصرعوں میں قافیہ ہیں۔ عام طور پر رباعی کا تیسرا مصرع قافیہ سے
خالی رہتا ہے۔ مگر شاذ و نادر ایرانیوں کی بعض رباعیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جنمیں
چاروں مصرعوں میں قافئے ہوں۔ ان صنعتوں پر اس قدر سلیس کلام ہر شاعر
سے نہیں ہوسکتا۔ یہ بات مرزا صاحب کے کمالات خاصہ سے ہے۔ آپ اگر
اردو میں ایسی رباعی تلاش کرنا چاہیں گے۔ کہ جس کے چاروں مصرعوں
میں دوہرے دوہرے قافئے ہوں۔ تو شاذ و نادر کے سوا دوسرے اردو
شاعر کے کلیات میں نہ ملی۔ اور اگر ملیگی۔ تو اتنی سلیس نہوگی۔

(۱۹)
بن بن کے ہزار بار آئی دُنیا
پر چشم علیؑ میں نہ سمائی دنیا
جتنا کہ اُٹھایا درِ خیبر کو بلند
نظروں سے اسیقدر گرائی دنیا

(۲۰)
رہ جاتا ہوں انگشت بدنداں ہو کر
حیدر کو کہا ابر سخنداں ہو کر
مانا کہ گہر بخش ہے نیساں بھی مگر
وہ دیتا ہے رو رو کے یہ خنداں ہو کر

(۲۱)
یکتا ہے علی ربّ علا کا بندہ
میں ہوں احسان مرتضیٰ کا بندہ
گر سچ ہے الانسان عبید الاحسان
بندہ ہے نصیری کے خدا کا بندہ

(۲۲)
حل عقدوں کو شاہ ہل اتیٰ کرتے ہیں
حق بندگی حق کا ادا کرتے ہیں
مارا بھی جلایا بھی نصیری کو دبیر
بندے ہیں مگر کار خدا کرتے ہیں

(۲۳)
ہیں سایہ سدرہ میں غلامانِ علیؑ
سدرہ ہے انہیں سرو خرامانِ علیؑ
ملتی ہے پناہ گوشہ گیری میں دبیر
سو ہم نے لیا گوشۂ دامانِ علیؑ

(۲۴)
دیکھونگا جو میں چہرۂ تابانِ علیؑ
جاں وقت فنا کرونگا قربانِ علیؑ
گو جاؤنگا دنیا سے تہی دست دبیر
کیا غم ہے کہ دستِ من و دامانِ علیؑ

---

۵ شیخ سعدی کا مشہور و مقبول شعر ہے ؎ اگر دعوتم رد کنی ور قبول۔ من و دست و دامانِ آل رسول۔ مرزا صاحب نے ایک مشہور مثل کے ذریعہ سے یہ مضمون پیدا نکال لیا۔ وہ مثل یہ ہے ؎ ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را۔ تنہائی میں آدمی آفتوں سے بچا رہتا ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے گوشۂ دامانِ علیؑ سے لیا تمام آفتوں سے نجات ملگئی ۔

(۲۵) نئی شان کا سراپا

ایماں ہے دل قبلہ علیؑ کا رو ہے
اور سلسلۂ شرع ہر اک گیسو ہے
آنکھیں حسنینؑ ہیں زباں ہے قرآن
خو وہ ہے وہ یداللہ ہی بازو ہے

سلہ اس رباعی میں بالکل نئی طرز سے جناب امیرؑ کا سراپا نظم فرمایا ہے۔ ایمان کو دل روئے اقدس کو قبلہ گیسو کو سلسلۂ شرع کہکر حسنؑ و حسینؑ کو آنکھیں فرمایا (کہ فرزند نور چشم ہوتا ہے) زبان کو قرآن کہا۔ کہ القرآن مع علی مشہور حدیث ہے۔ باقی مضمون صاف و عام فہم ہے۔ سلہ محمدؐ کے ۹۲۔ علیؑ کے ۱۱۰ یہ کل ۲۰۲ ہوئے۔ اسی قدر رب کے عدد ہیں۔

(۲۶)
کہنے سے اذاں کے دین سب ملتا ہے
پر نام علیؑ نہ ہو تو کب ملتا ہے
اعداد محمدؐ ۹۲ و علیؑ ۱۱۰ کو گن
یہ دونوں جو باہم ہوں تو رب ۲۰۲ ملتا ہے

(۲۷)
محروم کسی کو نہ سخی نے رکھا
نے مال نہ زر حق کے ولی نے رکھا
کیا زہد ہے کیا فیض کہ رغبت کبھی
روزی کے سوا کچھ نہ علیؑ نے رکھا

(۲۸)
حیدر کو جو خالق کا ولی کہتا ہے
شاباش قدیر ازلی کہتا ہے
کہتے ہیں نصیری تو علیؑ کو اللہ
بندہ اللہ کو علیؑ کہتا ہے

ستہ اس رباعی میں زہد و عبادت اور سخاوت سب کی ساتھ ساتھ مدح فرمائی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے۔ کہ ایک وصف میں سے دوسری مدح نکالی ہے۔ یہ بھی ایک صنعت ہے۔ اس موقعہ پر مجھے اپنے استاد (حضرت اوج مدظلہ) کی ایک رباعی یاد آگئی جس میں جناب موصوف نے بہت کچھ ترقی فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ سب فیض حضرت دبیرؔ ہی کا ہے۔ وہ رباعی یہ ہے۔

حضرت اوج مدظلہ

کب سرور دیں نے مال دنیا رکھا
جز دست گدا گھر میں نہ اسلا رکھا
گر جمع بھی کچھ کیا تو قرآن خدا
رکھا بھی تو کیا؟ روزی بہر روز کیا

۳۴
جبرئیل نے دیکھا تھا جو تارا پہلے
اوس سے بھی امام تھا ہمارا پہلے
آئے جو برائے سیر دنیا میں علی
اللہ نے گھر اپنے اتارا پہلے

۳۲
کعبے کا نشان علی کو در سے پایا
معدن ایماں کا اس گھر سے پایا
پہلے تو علی ملے خدا کے گھر سے
پھر ہمنے خدا کو انکے گھر سے پایا

۳۰
کیا لام علی سے معرفت حاصل ہے
یہہ لام دل بادشہ عادل ہے
قرآن کے سی پارے ہیں اور لام کے تیس
قرآن بلا فرق علی کا دل ہے

۳۵
مدح نجف مدفن جناب امیر

کعبے کی طرح نجف بھی نورانی ہے
ان دونوں کا معمار ازل بانی ہے
مدفن ہے نجف کا کعبہ مولد
پہ بیت خدا کا مصرع ثانی ہے

۳۳
جوش ولا

ہے پاؤں نہ ہم نجف کی یارب سر ہو
ہے نطق بیان مدح علی فر فر ہو
آنکھیں نہ لیا پر نگاہ مولا پر ہو
دل ہو کہ نہ ہو پر الفت حیدر ہو

۳۱
برتر ہے علی کا ہر بشر سے پایا
اس خیر بشر کو پاک شر سے پایا
کعبہ میں حیات او مسجد میں وفات
پایا جو کچھ خدا کے گھر سے پایا

۳۶
خانہ کعبہ میں ولادت جناب امیر

مولد جو وہاں حکم قدر سے پایا
کعبے نے شرف علم کے در سے پایا
ہاتوں پہ لیے نبی یہ کہتے نکلے
لو ہمنے وصی خدا کے گھر سے پایا

۳۶

ہر عیش نجف میں خواب ہو جاتا ہے
ہر عطر حیا سے آب ہو جاتا ہے
روضے میں یہ تازگی ہے جو شمع کا گل
گرتے گرتے گلاب ہو جاتا ہے

۳۷

روضے میں جو باریاب ہو جاتا ہے
وہ اوج میں لاجواب ہو جاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو قبر حیدرؑ پہ چراغ
وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

۳۸

خورشید سرِ شام کہاں جاتا ہے
روشن ہے دبیر یہ جہاں جاتا ہے
مغرب ہی کی جانب تو ہے قبر حیدرؑ
یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

۳۹

سایہ میں نجف کی آسماں بستے ہیں
خوشبو وہ ہی جو باغ جناں بستے ہیں
تائید خدا جو خضر منزل ہو دبیر
چل بسو وہاں علیؑ جہاں بستے ہیں

۴۰

سب کے در دولت سی تم اکراہ کرو
ہاں گھر میں در علوم کے راہ کرو
کعبہ و در حیدرؑ ہے نہ ششدر ہو دبیر
جاؤ بیٹھو بھی۔ اللہ اللہ کرو[1]

۴۱

کعبہ ہی فقط نہ مولد حیدرؑ ہے
مسجد بھی مقتل ہے عرش حق مظہر ہے
ہر دل میں ہی یاد اسکی اللہ اللہ
جو گھر ہے خدا کا وہ علیؑ کا گھر ہے

[1] یہ ایک محاورہ ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ جاؤ بیٹھو بھی۔ اللہ اللہ کرو۔ اس رُباعی میں دیکھئے کہ خوبصورتی سے نبا ہا ہے۔ غزل گو شاعروں میں دو بزرگ دار محاورہ بند مشہور ہیں۔ دہلی والونمیں خاقانی ہند ذوق۔ اور لکھنؤ والوں میں صبا۔ مگر مرزا مرحوم کے محاوروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس خاص محاورہ بندی میں بھی ان کا پایہ اعلیٰ تھا۔ فرماتے ہیں۔ کہ سب کے در دولت سی کراہت کرو۔ مگر در علوم (جناب امیر) کے گھر میں راہ کرو۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ حدیث صحیح کی بناء پر

جناب امیرؑ کو درِعلوم کہا ہے۔ تیسرے مصرع میں ایک عجب بات رکھی ہے۔ کہ دو معنی مفہوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ درِحیدؑر خانہ کعبہ ہے کہ وہاں جناب امیرؑ پیدا ہوئے ہیں درکعبہ پر بیٹھ جاؤ۔ عبادت خدا میں زندگی بسر کرو۔ دوسری معنی یہ ہیں کہ نجف اشرف مرتبہ میں خانہ کعبہ کا ہمسر ہے وہاں بیٹھ جاؤ۔ اور خدا کی یاد کرو۔ پھر رعایت لفظی کو دیکھو کہ درِدولت۔ درِعلوم۔ درِحیدر۔ شد شد ان تمام الفاظ میں باہم کس قدر مناسبت اور رعایت ہی مگر ادھیان ہی نہیں ہے۔ کہ ضلع جگت کی حد میں آسکے۔ چار مصرع ہیں۔ مگر بے تعداد خوبیاں جمع کردی ہیں۔ اللھم اغفرہٗ

۴۲

ہے گشت نجف کو جو قدم سر آنکھیں
تب دل سے غبار دور ہو غم سر آنکھیں
بیٹھیں گے در علیؑ پہ جا کر جو ہم
جنت کا قبالہ لیکے اٹھیں گے ہم سر آنکھیں

اس رباعی میں بھی ایک محاورہ باندھا ہے مگر خاص انداز سے۔ جب کوئی آدمی کسی مقام پر دیر تک بیٹھا رہتا ہے تو کہتے ہیں۔ کہ میاں کیا قبالہ لیکر اٹھوگے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آقا کے در پر جا کے بیٹھیں گے۔ تو بس پھر جنت کا قبالہ ہی لیکر اٹھیں گے۔ اپنے عقیدہ کو اس شان سے ظاہر فرماتے ہیں۔ کہ جو مرد مومن زیارت سے مشرف ہوتا ہے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث آئمہ اطہارؑ سے روشن ہے۔

۴۳

دیکھوں جو میں حیدرؑ کا مزار آنکھوں سے
گر جائی بہشت کی بہار آنکھوں سے
لاتی ہے صبا جو سرمۂ خاک نجف
تعظیم کو اٹھتا ہی غبار آنکھوں سے علہ

۴۴

رو قبلہ کی جانب ہے تو دل سوئے علیؑ
سونگھوں جو پھول آئے خوشبوئے علیؑ
آئینہ میں آپ خواب میں پتلی میں
یارب ہر شکل سے دکھا روئے علیؑ

علہ آنکھوں میں جو دھندلا جالا ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی غبار کہتے ہیں۔ اور سرمہ سی

وہ غبار اٹھ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب سرمہ خاک نجف صبا لاتی ہے۔ تو اس کی تعظیم کو میری آنکھوں سے غبار اٹھتا ہے عجب نور کا مضمون ہے چشم عقیدت وبصیرت سے دیکھنے والے دیکھیں ؛

۸۵ منقبت جناب فاطمہ زہراؑ

معصومہ جو شغل آسیا کرتی تھیں
حیدرؑ کی اطاعت میں قدم دھرتی تھیں
تقسیم علیؑ کرتے تھے روزی ہر صبح
گندم سے یہ پیٹ کا شکم بھرتی تھیں
کیا صاحب فقر بنت پیغمبرؐ کے ہے
عفت ہے لباس نور حق زیور ہے
فضہ[1] ہے کنیز اور ابوذر ہیں غلام
گھر میں یہ برائے نام سیم و زر ہے

[1] نقرہ چاندی کو کہتے ہیں اور فضہ جناب فاطمہ زہراؑ کی کنیز خاص تھیں۔ جو جناب رسول خدا صلعم نے ان کو دی تھیں۔ اور ابوذر (تارک دنیا) صحابی تھے۔ اور زر سونے کو کہتے ہیں۔ یہ زر و سیم کی رعایت ہے مگر ابوذر ذال سے ہے۔ اور زر زے سے ہے پس برائے نام رعایت ہے۔ اسی کا اشارہ چوتھے مصرع میں کیا ہے کہ ع۔ گھر میں یہ برائے نام سیم و زر ہے ؛

۸۶ منقبت امام حسنؑ

قربان حسنؑ کے رخ نورانی پر
رویت ہو عید کی پیشانی پر
یوں شان علیؑ ختم ہوا نپر جیسے
مطلع ہو تمام مصرع ثانی پر
علم و ہنر و فضل کا مجمع ہے حسنؑ
خوبی و نکوئی کا مرقع ہے حسنؑ
دیوان امامت میں ہیں بارہ بیتیں
مطلع حیدرؑ ہیں حسن مطلع ہیں حسنؑ

۸۷ منقبت امام حسینؑ

محتاجوں کو اغنیا نے زر بخشا ہے
درماندوں نے آرام کو گھر بخشا ہے
احمدؐ کے نواسے کی سخاوت دیکھو
دشمن کو دو دو جام بخشا ہے

۵۰ نام حسینؑ

حے نام میں ہے حق کی حمایت کیلئے
اور سین ہے سائل کی سخاوت کیلئے
ہے نام حسینؑ میں بھی کیا خوب [illegible]
ی نون ہے تاریخ شہادت کیلئے

یہہ رباعی میں نے حیات دبیر جلد اول میں بھی لکھی ہے۔ اور متنبیؔ (شاعر عرب) کے کلام سے۔ کلام دبیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کی خوبی کو ظاہر کیا ہے۔ یہاں صرف اتنا لکھنا کافی ہے۔ کہ دنیا میں لاکھوں قسم کی سخاوتیں ہیں۔ لاکھوں سخی گذرے اور موجود ہیں مگر جس طرح امام حسینؑ سے بڑھ کر دوسرا سخی خدائی میں کوئی نہیں۔ اسی طرح اس مدح سخاوت سے بڑھ کر مدح نہیں ہوسکتی۔ کہ دوست کی راہ میں دشمن کو سر دیدیا

۵۱ حسن ولادت امام حسینؑ

خوشنود علیؑ و شہ لولاک ہوئے
زہراؑ و حسنؑ کے دل فرحناک ہوئے
اک حسنِ حسینؑ کی ولادت کا یہ ہے
لو آج بہم پنجتنِ پاک ہوئے

۵۲

رونق عربستاں کی مدینہ سے ہے
مخزن کیلئے زیب خزینے سے ہے
شبیرؑ سے روشن ہے دلِ ختم رسلؐ
خاتم کا گھر آباد نگینے سے ہے

۵۳ منقبت پنجتن پاکؑ

ہو پیروِ پنجتن کہ رہبر یہہ ہیں
تن پانچ ہیں پر یکدل و یکپیکر یہہ ہیں
ہوتے ہیں صدف میں پانچ موتی نایاب
ایمان کی صدف کے پانچ گوہر یہہ ہیں

۵۴ منقبت چہاردہ معصومینؑ

جامع سیپاروں کا جو رحمان ہوا
چودہ معصوموں کا ثناخوان ہوا
سورے مصحف کے ایک سو چودہ ہیں[ل]
کامل چودہ ہی ملکے قرآن ہوا

ل قرآن شریف میں کل ۱۱۴ سورے ہیں۔ اس کی کیا خوب شاعرانہ توجیہ فرمائی ہے ؛

۵۵ [illegible]

احسان ہیں چاردہ کے انس و جن پر
واجب ہے ولا ان کی ہر اک مومن پر
ہیں اول و آخر دو محمد انمیں
ختم ان پہ نبوت ہے امامت ان پر
اربع کتب خالق غفار ہیں
چودہ کے گواہ یہ چار ہیں
تا ہوں عدد چاردہ معصوم تمام
الحمد کے سات آئے دو بار آئے

کیوں نہ چہار شعبہ میں تشبیہ معصوم
چودہ طبق ہیں نام سے معصوم کے
روشن ہیں یہاں اور وہاں پیدا کو جا
ہیں یہ چودہ معصوم

۵۸ چہاردہ معصومینؑ میں اول سب سے محمد مصطفیٰ ہیں۔ ان پہ نبوت ختم ہوئی۔ آخر میں امام مہدیؑ آخر الزمان ہیں۔ ان کا اسم اقدس بھی محمد ہے۔ ان پہ امامت اثنا عشر کا سلسلہ ختم ہوا۔ کیسی اچھی اور سچی بات کہی ہے۔

۵۹ سورہ الحمد میں سات آیتیں ہیں۔ اور یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو سبع مثانی کہتے ہیں سات کے دونے چودہ ہوتے ہیں۔ کیا پاکیزہ مضمون ہے۔ سبحان اللہ

منقبت امام مہدی آخر الزماں
توجیہ غیبت

اعجاز امام انس و جن روشن ہے
ہر دم ہیں جواں یہ حال میں روشن ہے
مہدی ہیں نہاں نور ہدایت ہے عیاں
خورشید تو بدلی میں ہے دن روشن ہے
مہدی کو امام حق نما کہتے ہیں
چھپتا نہیں حق لوگ بجا کہتے ہیں
غیبت میں ہے یوں صدق امامت جیسے
بے دیکھے خدا کو سب خدا کہتے ہیں

قائم ہیں دائم امام انس و جاں ہے
دوران حکومت مہدی دوراں ہے
کس کا خوف ہے غیبت میں لاکھوں برس
وہ جان ہیں بیتن کی جان پنہاں ہے

اے شہا منجب وہ نیک خو تیری ماں ہے
بہشت ... تیری ہے ... گواہ
... ہادی ہیں گواہ
... حسین ... ہیں اپنی تیری ہے

[illegible]

سالے دصفحہ گذشتہ تمام فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کا بالاتفاق یہ عقیدہ ہے کہ بارہویں امام پیدا ہو چکے ہیں اور زندہ او رعالم نگاہوں سے غائب ہیں اور اکثر علمائے صوفیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ جیسا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتابوں اور سلسلۃ الذہب ملا جامی سے ظاہر ہے بعض علما نے سال ولادت ۲۵۶ھ ہجری اور بعض نے ۲۵۵ھ ہجری لکھا ہے۔ الفاظ مہر و نور سے سال ولادت نکلتا ہے۔ حقیر نے ایک مرثیہ میں کہا ہے۔ مع نقطہ مہر سے نکلی ہے تاریخ نور کی۔ سید اولاد حسین صاحب مداح رضوی مغفور شاگرد رشید میرزا صاحب مرحوم نے قائم آل عبا سے تاریخ ولادت نکالی ہے۔ کمال یہ کیا ہے کہ ایک ہی مادہ سے دونوں تاریخیں نکلتی ہیں۔ اگر آل کے الف ممدودہ کے دو عدد لو تو ۲۵۶- اور ایک عدد لو تو ۲۵۵ نکلتے ہیں۔ مخدومی میر آل محمد صاحب کونسلی فرزند حضرت مداح مغفور نے یہ تاریخ مجھ سے بیان فرمائی ؎

[illegible]

بے اعتباریٔ دنیا [۱]

یہ عیش و نشاط کامرانی کب تک
[illegible] بھی ہے نوجوانی کب تک
[illegible] بھی ہے [illegible] دولت [illegible] کب تک
[illegible] بھی ہے زندگانی کب تک

۱؎ یہ رباعی غیر مطبوعہ کلام میں سے ہے۔ جو حضرت استاذی ادام مدظلہ سے مجھ کو حاصل ہوئی
اسی قسم کی ایک رباعی مرزا رفیع سودا مرحوم کی بھی صفحہ ۱۳۵ آب حیات سے لکھتا ہوں ؎

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک — آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے نا کہ دنیا ہووے — بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

یہ رباعی نواب شجاع الدولہ کی طلبی دربارِ خرچ بھیجنے پر مرزا سودا نے نواب موصوف کو بھیجوادی
تھی اور اس وقت خود نہیں گئے تھے بعد کو لکھنؤ میں آئے تھے۔

۶۸

دنیا کا عجب کارخانہ دیکھا — ہر سر کا عجب یاں سر و ساماں دیکھا
کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانہ دیکھا — اقبال اور ادبار یکساں دیکھا
ہر سوں رہا جن کے سر پہ چتر زریں — دنیا کے خیال میں جو کیں آنکھیں بند
تربت پہ نہ ان کی شامیانہ دیکھا — ہم نے تو فقط خواب پریشاں دیکھا

۶۹ — ۷۱

طوفان ہے ہوس غرق بنی آدم ہیں — کہانی کا مزہ فقط زبانی نکلا
ہر دل ہے اسیر عیش و غم یہاں — باقی سامان عیش فانی نکلا
کاسہ اہل خلق خدا پینے کو — چاہا تھا کہ ہات دھوئیں دنیا سے دلیر
ورد [illegible] ہے قبر جا بجا اوہام ہیں — اتنا بھی نہ اس کنوئیں میں پانی نکلا ۵؎

۵؎ بہت بڑا مضمون حکیمانہ اس رباعی میں بیان فرمادیا ہے۔ مصرع اول میں فرماتے ہیں۔

کہانیکا مزہ فقط زبانی نکلا۔ زبان تک مزہ ہو۔ سب پیٹ میں اترا اور پلاؤ متنجن اور جو اور سب برابر ہے۔ دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں۔ کہ جس سامان عیش کو ہم باقی سمجھے ہوئے تھے۔ وہ فانی نکلا یا یہ کہ طعام کے علاوہ جو اور اسباب تکلف تھے۔ وہ سب فانی نکلے۔ اس دنیا کی ناپائیداری سے دل ہٹ گیا۔ تو چاہا کہ دنیا سے ہاتھ دھوئیں اور تارک ہو جائیں۔ تو یہ بھی ممکن نہوا۔ کیونکہ دنیا میں رہکر دنیا کو چھوڑنی بھی نہیں بنتی۔ عجب کش مکش کا عالم ہے۔ ایسی ایسی کلاموں سے دبیر کی علمیت و فضیلت اور دماغ کی قوت معلوم ہوتی ہے

۷۶

خوشامد گر نیوانوکی ہجو ملیح

پیش امرا طالب زر جھکتے ہیں
سجدے کی کیطرح مجری کو ہر جھکتے ہیں
سنجیدہ ہیں یہ لوگ ترازو کیطرح
ہے مال سوا جدھر اُدھر جھکتے ہیں

عصائے پیری

پیری سے جو دال قد بھی خم اور ہوا
دم نیز رو ملک عدم اور ہوا
سمجھو نہ عصا سو عدم جانیکو
دو پاؤں تو تھے ایک قدم اور ہوا

۷۷

دنیا زندان ہے جائے آرام نہیں
گہوارہ بجز گردش ایام نہیں
آنکھوں میں سپیدی و سیاہی کیطرح
جھپکی جو پلک صبح نہیں شام نہیں

اہل کمال کی بیقدری

انسان اگرچہ لاکھ تدبیر کرے
کیا دخل کہ انقلاب تقدیر کرے
یک پیری صد عیب مثل ہے مشہور
پھر قدر ہنر کیا فلک پیر کرے

۷۸

شکایت فلک و زمانہ

گر صبح یہاں اوج ہے تو شام نہیں
جب عزل ہوا مہر نہیں نام نہیں
عزت ہو تری بغض مرا بغض اے گردوں
دنیا کو ترے ہاتھ سے آرام نہیں

یاران گذشتہ کی خبر خاک نہیں
ایسے ہی گئے کہ اب اثر خاک نہیں
جن جن کے کیا خاک ہنرمندوں کو
اے چرخ تجھے قدر ہنر خاک نہیں

۱۲ برابر کی صورتوں کو لڑا دیں

۸۴ **دوسروں کی بدی کو بھلا دینا**

جو چاہیں بزرگ وار ارشاد کریں
ہم کس لئے گھر حیا کا برباد کریں
اس واسطے بھولا ہوں بدی بھی دبیر
مرجاؤں تو نیکی سے مجھے یاد کریں

۸۲ **فرقت احباب**

سب دوست گئے ہے زیست ندامت یہ ہے
مرجائیں تو حسرت کی علامت یہ ہے
موقوف ہے دید رفتگان محشر پر
محشر میں ہے دیر کیا قیامت یہ ہے

۸۰ **فوائد سفر**

پہنچا جو کمال کو وطن سے نکلا
قطرہ جو گہر بنا عدن سے نکلا
تکمیل کمال کی غریبی ہے دلیل
پختہ جو ثمر ہوا چمن سے نکلا

۷۸ **عیب جو کی مذمت**

جو اہل ہنر کا عیب جو ہوتا ہے
بد اس کا ہر اک فعل نکو ہوتا ہے
جب نقص زر و سیم وہ کرتا ہے عیاں
خود سنگ محک سیاہ رو ہوتا ہے

۸۵ **خلوص حسبۃً لِلّٰہ**

کچھ کام کی یہ آہ نہیں واہ نہیں
ارشاد خدا ہے کون آگاہ نہیں
کثرت ہو کہ قلت ہو مجالس میں دبیر
ناحق ہے جو حسبۃً للہ نہیں

۸۳ **مذمت ریا**

اندھیرے ہے خیر میں ریا کرتے ہیں
برباد نکوئی کی جزا کرتے ہیں
غیروں کو مثال روشنی فائدہ ہے
مانند چراغ خود جلا کرتے ہیں

۸۱ **صحبت احباب**

کب مردم دیدہ ایک جا ہوتی ہیں
ہم چشم بہت کم آشنا ہوتی ہیں
یہ مجمع احباب غنیمت ہے دبیر
اک بات میں دونوں لب جدا ہوتی ہیں

۷۹

نادان کہوں دل کو کہ خردمند کہوں
یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے دبیر
کس منہ سے میں بندوں کو خداوند کہوں

۹۱ ۹۰ ۸۸ توکل ۸۶

ہے سست کہ چست پر کلام اپنا ہے شیریں سخنی ہمیشہ کام اپنا ہے واللہ نہ خوردہ بیں نہ خود بیں ہوں میں کیا فکر دوا خاک شفا کے ہوتے
لاریب خطا پوش امام اپنا ہے حق کہنے سے ہاں تلخ کلام اپنا ہے الہام کے مضمون کا گلچیں ہوں میں چاندی کی تلاش کیمیا کے ہوتے
جو بندے کے بند قطع کر دیتے ہیں گو مرثیہ خوب نظم کرتے ہیں دبیر شیریں سخنی کا ہو مری شور دبیر خاموش خلاف بندگی ہے یہ دبیر
ان مرثیہ گویوں کو سلام اپنا ہے پر کبر و غرور کو سلام اپنا ہے کیا منہ ہے جو شکر کہیں شیریں ہوں میں بندوں سے کہوں حال خدا کے ہوتے

رباعی شکایت ناقدر دانان ۹۲ ۹۱ ۸۹ شاعرانہ خود ستائی ۸۷

افسوس مری قدر نہ جاہل سمجھے کب عنبر کے مضمون پہ خیال اپنا ہے اے بر تری گہر فشانی کیا ہے شیریں مضامیں کو کہاں بند کروں
سمجھایا تو نقطۂ مقابل سمجھے الہام خدا شریک حال اپنا ہے آ دیکھ کہ یہ دُر معانی کیا ہے کیا طبع کا دریائے رواں بند کروں
معنی میں یہی نزاع لفظی کرو دبیر اک یہ بھی مجاز آئینہ کا دبیر یاں گل ہے چراغ انوری کا بالکل خلاق مضامیں تو سبھی ہیں لیکن
خاموش جو ہم ہوئے تو قائل سمجھے دنیا میں سخن سحر حلال اپنا ہے اے شمع تری چرب زبانی کیا ہے کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں

[illegible]

سلہ (صفحہ گذشتہ کے متعلق) اس میں شاید ایک اشارہ یہ بھی ہے۔ کہ مرزا مرحوم کے اجداد میں ملا اہلی شیرازی تھے جنکی مثنوی سحر حلال لاجواب (مثنوی) مانی گئی ہے۔ مگر یہ میرا خیال ہی خیال ہے۔ کیونکہ خود کلام دبیر کا جو مرتبہ ہے وہ کلام اہلی مرحوم کا کب ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ سب محمد و آل محمد کی مدح میں ہے۔ غالباً وہ اپنے ہی ایسے کلام پر فخر فرماتے ہیں۔ اور یہ فخر بجا ہے۔

سلہ (صفحہ گذشتہ) یہ رباعی دقیق ہے۔ اس راہ سے نہیں۔ کہ دو چار لغت عربی یا فارسی کے ہیں بلکہ اس کے سمجھنے کیواسطے اسکوے معلی کی زباندانی درکار ہے۔ ابنائے زمانہ کی شکایت میں فرماتے ہیں کہ جاہلوں نے میری قدر نجانی۔ ناواقفی سے جن لوگوں نے غلط اعتراض کئے۔ ان کو میں نے جواب دئیے۔ تو ان کا غرور اور بڑھ گیا۔ اور سمجھے کہ ہم گویا دبیر کے مدمقابل ہیں۔ یہ تو جواب اعتراض جاہل کا نتیجہ نکلا۔ اب دوسرے پہلو کو لیجئے۔ اگر اعتراض جاہل پر یہ سوچکر کہ ع جواب جاہلاں باشد خموشی۔ میں چپ ہو گیا۔ تو معترض اپنے دل میں سمجھا۔ کہ دبیر نے میرے اعتراض کو مان لیا۔ اور قائل (معقول) ہو گیا۔ قائل اسم فاعل ہے۔ قول اس کا مصدر ہے۔ لغتاً اس کے معنی کہنے والے کے ہیں۔ اور یہاں اردو زبان میں ایسے موقعہ پر قائل بمعنی معقول بولا جاتا ہے۔ پس خاموش اور قائل آپس میں ضد ہیں۔ ہم تو خاموش ہوئے۔ وہ یہی سمجھ گئے۔ کہ یہ قائل ہو گئے۔ نزاع لفظی کے یہی معنے ہیں ۱۲

[illegible]

101

ذو معنیین

اے تربت پاک دم ترا بھرتی ہیں
کشتے اکسیر کی ہوس کرتے ہیں
کھل جاتا ہے عشق آکے انشاء اللہ
اے خاک شفا تجھی پہ ہم مرتے ہیں[1]

99

خار و گل و بوستان و صحرا دیکھے
نیرنگ شب و روز کے کیا کیا دیکھے
اب قبر حسینؑ چل کے تو دیکھ دبیر
دنیا دیکھی اور اہل دنیا دیکھے

97

اشتیاق زیارت و مدح کربلائے معلیٰ

گل ہو نہ چراغ عمر جلتے جلتے
ہو جائے نہ چھاؤں دھوپ ڈھلتے ڈھلتے
چلنا ہے تو چل جلد زیارت کو دبیر
آجائے نہ موت راہ چلتے چلتے

102

عصیاں کا فرمان معافی نہ ملا
کی عمر تلف وقت تلافی نہ ملا
کس کس سے کیا گنہ کو درماں کا سوال
جز خاک شفا جواب شافی نہ ملا

100

جو روضۂ شاہ کربلا تک پہنچا
معراج ہوئی عرش علا تک پہنچا
کیا قرب ہے اللہ کا۔ اللہ۔ اللہ
پہنچا جو حسینؑ تک۔ خدا تک پہنچا

98

اک دل ہے دبیر لاکھ ارمانوں میں
حسرت ہے کہ ہوں شاہ کے دربانوں میں
نکلے قفس تن سے جو طائر روح
ہو گرد جہاں چراغ پروانوں میں

[1] اس مصرع کے دو معنی ہیں (۱) تو یہ کہ تجھی پر ہم مرتے ہیں یعنے عاشق زار ہیں (۲) دوسری یہ کہ انشاء اللہ (اے کربلا) تجھی پر اگر ہم مرتے ہیں۔ دم میں دم نکلیگا ؛

نمبر ۱۰۳

کیا پیری میں [illegible] آخرت
وہ دل نہ رہا وہ دم وہ جگر [illegible]
اسباب جہاں [illegible]
بس [illegible] زندگی میں دم [illegible]

۱۰۴
گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو
ڈھا اپنا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو
اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش
جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

۱۰۶
مر کر بھی نہ چین زیر افلاک ملا
اک تار کفن نہ گرد سے پاک ملا
اے خانہ خراب قبر تیری خاطر
کھویا بھی جو نقد جاں تو کیا خاک ملا

۱۰۸
کس خواب میں زندگی بسر کرتا ہے
کس فکر میں شام کو سحر کرتا ہے
طالع ہوئی صبح بجگیا کوس رحیل
بیدار ہو قافلہ سفر کرتا ہے

۱۱۰
صد حیف کہ پہلے سے نہ ہشیار ہوئے
آرام لحد کے نہ طلبگار ہوئے
ہنگام اجل آنکھ کھلی غفلت سے
جب سونے کا وقت آیا تو بیدار ہوئے

۱۰۵
بیدار نصیب کو جو سونا ہوگا
تو دامن کربلا میں سونا ہوگا
ہم پاؤں فلک پہ بھی نہ رکھینگے دبیر
گر خاک شفا اپنا بچھونا ہوگا

۱۰۷
اک دن پیوند خاک ہونا ہوگا
تنہا تنہا لحد میں سونا ہوگا
اس قبر کے پردے کا کھلا حال دبیر
جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا

۱۰۹
کس خواب تغافل میں پھنسا جاتا ہے
کیوں مفت متاع زندگی کھوتا ہے
لو حق سے لگا کہ صبح پیری آئی
ہشیار چراغ عمر گل ہوتا ہے

۱۱۱
اب نام خدا زباں پہ جاری کر
غافل دم آخری تو ہشیاری کر
بالوں کی سیاہی پہ سفیدی آئی
لے صبح ہوئی کوچ کی تیاری کر

انکسار و ترک خود بینی ۱۲۰

اے تن تو فروتنی و مسکینی کر
اے دل چمن حلم کی گل چینی کر
گر مد نظر ہے چشم مردم میں جگہ
پتلی کی طرح ترک خود بینی کر

انکسار ۱۲۱

مزدور نہیں اور طلب زر بھی نہیں
میں بے سر و پا کسی کا ہمسر بھی نہیں
پھر خاک میں مجھ کو کیوں ملاتا ہے فلک
میں کون ہوں خاک کے برابر بھی نہیں

۱۱۶

دل کو پئے جمع زر پریشاں نہ کیا
سر کو شتۂ بہر ساماں نہ کیا
ہم تو ہیں تری شکر گذار اے گردوں
احساں کیا جو ہمپہ احساں نہ کیا

۱۱۷

مغروروں کا خاک گر تو فر چشم میں ہے
اعزاز فروتنوں کا ہر چشم میں ہے
رتبہ روشن ہے خاکساری کا دبیر
سر جو ہوا سنگ تو گہر چشم میں ہے

قناعت ۱۱۴

انصاف سے چرخ بے حیا گذرا ہے
اس پیر کہن کو شک نیا گذرا ہے
کہتا ہے کہ در گذر قناعت سے کرو
ایسا بھی دبیر کیا گیا گذرا ہے

انکسار ۱۱۵

ادنیٰ سے جو سر جھکائے اعلیٰ وہ ہے
جو خلق سے بہرہ ور ہے دریا وہ ہے
کیا خوب دلیل ہے یہ خوبی کی دبیر
سمجھے جو برا آپ کو اچھا وہ ہے

۱۱۲

خالص زر ایماں کو جو ہونا ہوگا
تو خاک در علی بچھونا ہوگا
گر خواب اجل نجف میں آئیگا دبیر
اکسیر مے حق میں وہ سونا ہوگا

زمانہ مابعد موت ۱۱۳

برزخ کی صعوبات کٹینگی کیونکر
تنہائی میں اوقات کٹینگی کیونکر
غفلت میں دبیر صبح پیری ہوگئی
دن رات ہوا رات کٹینگی کیونکر

۱۱۸ [illegible]

۱۱۹ [illegible]

۱۲۶
جو زر سے ہے بیزار ابو ذر وہ ہے
دل جس کا ہے قابو میں دلاور وہ ہے
اللہ کو ناپسند ہے خود بینی
توڑے جو یہ آئینہ سکندر وہ ہے

صفائے قلب

۱۲۴
گنجینۂ حبِ شاہِ دیں ہے دل میں
گر اُس کے ولائے مومنیں ہے دل میں
حاسد کو ہے پیچ و تاب کیوں ہو جلی شکل
یاں مثل حباب کچھ نہیں ہے دل میں

۱۲۲
جو نفس کشی کرے وُہی غازی ہے
یہ بازی طفلاں نہیں جانبازی ہے
ہوتا ہے خدا رکوع و سجود میں قریں
جھکنے کی بدولت یہ سرافرازی ہے

دُعائے مقبول یا پیشینگوئی

۱۲۷
جب مصحفِ ہستی سرا بہم کرنا
سیپارۂ ایامِ محرم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک اے گردوں
طیار چراغِ بزمِ ماتم کرنا[۵]
(۱ مجلس عزا)

۱۲۵
جو قصد کرے حرص کو قیصر وہ ہے
تکیہ ہے جسے حق پہ تونگر وہ ہے
آئینہ سکندر نے بنایا تو کیا
دل جس کا ہے آئینہ سکندر وہ ہے

تواضع

(۱۲۳)
کم مایہ سبک پیشِ جہاں ہوتا ہے
میزاں سے بدیہی یہ عیاں ہوتا ہے
خوردوں سے تواضع ہے بزرگی کی دلیل
جھکتا ہے وہ پلہ جو گراں ہوتا ہے

[۵] مرزا صاحب نے ۳۰ محرم سنہ ۱۲۹۲ ہجری کو رحلت فرمائی۔ پس اس مصرع کو پڑھیے۔ سیپارۂ ایام محرم کرنا۔ اور غور فرمائیے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ یا تو مرزا صاحب کو اپنا روزِ وفات کسی طرح معلوم ہوگیا تھا۔ اس کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ یا ان کی دعا خدا نے قبول فرمائی۔ کہ گویا سیپارہ ایام محرم ہو گئے۔ اور جس دن سیپارہ ایام محرم تمام ہوا اسی دن انکا انتقال پر ملال ہوا

۱۳۲

زاہد جو بخیل ہے سقر پائے گا
فاسق جو سخی ہے خلد میں جائیگا
وہ گوہر اشک لے دعائے زہرا
غافل یہہ دیا لیا ہی کام آئیگا [1]

۱۳۳

آنکھیں ہیں غم شاہ میں رونیکے لئے
دل حق نے دیا ملول ہونیکے لئے
دھوتے ہیں ہر ایک شئے کو پانی سے مگر
آنسو ہیں فقط گناہ دھونیکے لئے

۱۳۰

گھر خلد میں مجلسیوں کی جانسے ملا
قصر گہر اشکوں کے بہانسے ملا
ہر چشم کے چشمے سے ہی ظاہر یہہ
کوثر مردم کو اس بہانسے ملا

۱۳۱

عیسی وہ ہی اس غم میں جو آزاری ہے
ہر عارضہ کا علاج بیماری ہے
نایاب ہے اس بزم میں جنس عصیاں
زاری کے سبب یہ گرم بازاری ہے

تعریف اشک عزا

۱۱۸

اشک غم شبیر در یکتا ہے
ہر دیدہ حق بیں سے یہ در پیدا ہے
بے اشک عزا ابر کی چشم ہی خاک
پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے

معبود کی شان بے نیازی دیکھو
ہر پردے میں حسن کارسازی دیکھو
تر ہو جو یہاں مژہ تو بخشے وہ گناہ
اے اہل نظر پلک نوازی دیکھو [2]

[1] مثل مشہور ہے کہ دیا لیا ہی کام آئیگا۔ اس کو کس خوبی سے اس موقعہ پر چسپاں فرمایا۔ دینے اور لینے کیواسطے کیا دعائیں پیدا کی ہیں۔ کہ گوہر اشک عزا دے۔ اور جناب فاطمہ زہرا کی دعا لے۔

[2] خدا کو پلک نواز کہتے ہیں۔ اس کی وجہ بظاہر وہ حدیث مشہور ہے جس کو مِن دہلوی میں جناب مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ نے صفحہ ۱۶۰ پر بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک گنہگار عرصۂ حشر میں آئیگا۔ جس کا نامہ اعمال نیکیوں سے خالی ہوگا بجز ایک

آنسو کے جو حسرت وندامت کیوقت اُس کی آنکھ سے نکلا ہوگا۔ اور پلک پر ٹھرا ہوگا وہ آنسو شہادت دیگا پس جانب خدا سے ملائکہ کو حکم ہوگا۔ کہ اس آنسو کی وجہ سے اسکو ہم نے بخشدیا اب اس کو جنت میں لیجاؤ۔ مرزا مرحوم نے۔ اشک عزا کی مدح میں کس خوبصورتی سے پلک نوازی کو ثابت فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

اشرعزائے امام حسینؑ

ذیل کی رباعی میں ایک لطیف مضمون نظم فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ قلم میں الف کی شکل ہے۔ اور دوات میں (جو اکثر گول ہوتی ہے) ہائے ہوز کی شکل ہے۔ قلم دوات سے آہ حاصل ہوتا ہے۔ مصنف کے عقیدہ میں کوئی چیز غم حسینؑ سے خالی نہیں ہے چنانچہ ایسے ہی مضامین کی یہ چند رباعیاں فرمائی ہیں۔

۱۳۶ آفتاب

سب کو غم شہ میں صرف شیون سمجھو
تاریکی دل آسماں کی روزن سمجھو
خورشید نہیں چرخ چہارم پہ نمود
داغ جگر مسیح روشن سمجھو

۱۳۴ لوح وقلم

غم لوح وقلم کو شہ ذی جاہ کا ہے
فرمان ازل سے یہی اللہ کا ہے
جب سے کہ لکھا نام حسین مظلوم
نقشہ قلم و دوات میں آہ کا ہے

سنگ اسود و زمزم و ستون کعبہ

ہے ماتم اہل بیت میں بیت اللہ
پوشش ہے سیاہ سنگ اسود ہے گواہ
زمزم ہے کعبہ گریاں دائم
سمجھو نہ ستون ہے کشش نالہ و آہ

۱۳۵ سیاہ لباس کعبہ

ہر چند ہزار رنگ عالم بدلے
ممکن نہیں تاثیر محرم بدلے
باقی ہے ابھی دعوی خون شبیر
کعبہ کیونکر لباس ماتم بدلے

ایسی ایسی رباعیاں مرزا صاحب کے کلیات میں بہت ہیں۔ ان پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ مرزا مرحوم کو ہر چیز میں مرثیت اور غم امام حسینؑ ہی نظر آتا تھا۔ جب ایسی عاشق صادق کو دل

سے یہ مضامین نکلیں۔ تو سامعین کے دلوں پر کیونکر نہ اثر کریں۔ آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد مثل مشہور ہے۔ یہی وجہ ہو کہ مرزا مرحوم کے کلام میں اثر بہت ہی ؎

۱۳۸

ماتمی لباس

ہو جونکو غمِ شاہ میں بیتابی ہی
ہر چرخ میں آسمان دولابی ہی
کیوں مردمِ دیدہ ار سیہ پوش نہیں
ہر بحر کے بر میں جامۂ آبی ہے

۱۳۹

آقا سے کہیں کرتے ہیں دوری بندے
شیعہ ہیں حسینؑ کے حضوری بندے
کیا خوب کُھلی سیاہ پوشی کی رمز
اللہ کے سائے میں ہیں نوری بندے

مرزا صاحب مرحوم کی مجلسوں میں جیسا مجمع ہوتا تھا۔ وہ اُن معتبر آدمیوں سے پوچھیے جنہوں نے زمانہ شاہی لکھنؤ میں شریک ہو کر ان مرحوم کو پڑھتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا۔ اور کانوں سے سنا۔ حقیر نے جن مجالس میں مرزا مرحوم کو سنا ہے۔ وہ غدر ۱۸۵۷ء کے مدت بعد کی مجلسیں تھیں۔ مگر ان میں بھی اکثر یہ مجمع ہوتا تھا۔ کہ بعض آدمیوں کو پہلو بدلنا دشوار ہو جاتا تھا۔ دور دور سے لوگ سننے کو آتے تھے۔ مرزا صاحب اُس مقدس مجمع اہل کمال کی تصویریں ذیل کی رباعیوں میں کھینچتے ہیں۔ اور اُن تصویروں میں صنائع۔ بدائع۔ تشبیہات و استعارات کے مضامین سے رنگ بھرتے ہیں ؎

۱۴۰

[illegible]

۱۴۱

یاں مجھ کو چھپانا تھا ضرور آنکھوں کا
اس پردے میں تھا عیب سرور آنکھوں کا
پر اب تو نہیں تل رکھنی کی جگہ
آنکھوں کی عوض سجھاؤں نور آنکھوں کا

۱۴۲

دیکھو شرفِ مجلسِ غم آنکھوں سے
رفتار میں روکا ہے قدم آنکھوں سے
سیکھو ادب اشکوں سے کہ آنکھ ہے یہ فخر
سب آتے ہیں یاں پاؤں سے ہم آنکھوں سے

۱۴۳

ہر عضو ہی سر بلند گو آنکھیں ہیں
پر فرش کی ہو گئی تو لو آنکھیں ہیں
کس کس کے بزیر پا بچھاؤں دلبر
ہم چشم بہت ہیں اور دو آنکھیں ہیں

۱۴۴

شاہ ملک و حور کی مجلس یہ ہے
تاج سر جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گنہوں کی سیاہی زائل
واللہ محب نور کی مجلس یہ ہے

بر سر منبر فی البدیہہ رباعیاں کہنا

مرزا صاحب اکثر منبر پر بیٹھے بیٹھے فی البدیہہ رباعی کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مجلس میں (مرزا صاحب) مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ کہ کچھ لوگ آئے۔ شروع مجلس سے وہ غریب چلے۔ اب جو پھر بڑھتے جاتے ہیں۔ جگہ نہیں ملتی۔ (ایسے موقعہ پر بعض ذاکر جھنجلا اُٹھتے ہیں۔ اور کچھ ملال آمیز باتیں بھی کہہ دیتے ہیں۔ کیونکہ سامعین کی توجہ دوسری طرف ہٹ جانے سے رنگ مجلس بلکہ رنگ کلام پھیکا پڑ جاتا ہے۔ مگر مرزا صاحب گویا خلق مجسم تھے۔ ایسے کلمات غیظ و غضب کہتے ہوئے اُن کو کبھی کسی شخص نے نہیں سُنا) مجلس کا ہم ہو گئی۔ مرزا صاحب چپ ہیں۔ مرثیہ زانو پر رکھا ہوا۔ سر جھکا ہوا ہے۔ آپ خود اُن لوگوں سے متوجہ ہوئے۔ فرمایا۔ زیر منبر کچھ جگہ ہے۔ ادھر تشریف لائیے۔ جب وہ خدا خدا کر کے بیٹھ گئے۔ تو ذیل کی رباعی فی البدیہہ پڑھی۔ اور تمام دل برداشتہ مجلس کو متوجہ کر لیا۔ غالباً ایسے ایسے واقعات سن کر پروفیسر آزاد مرحوم نے آبحیات میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ رباعیاں تو گویا مرزا صاحب کی باتیں تھیں

ملاحظہ ہو آبحیات صفحہ ۵۵۵۔ حالات میر انیسؔ مرحوم ۔

۱۴۵

مجلس کے حضور آئیے بسم اللہ
تشریف لائیے بسم اللہ
سن شعر میں بھی کہوں گا انشاء اللہ
[illegible] کا واسطہ جائیے بسم اللہ

بیگم صاحبہ شاہ اودھ کی مجلس میں ہزاروں آدمی جمع ہیں۔ مرزا صاحب مرثیہ پڑھ رہے ہیں

عین دوپہر کا وقت ہے۔ شامیانہ صحن میں اہل مجلس پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ شامیانہ کی چوگرد چاندنی تنی ہوئی ہے۔ یکایک ایک کونہ چاندنی کا تیز ہوا کے چلنے سے کھل گیا۔ بعض اہل مجلس پر دہوپ آگئی۔ پھر چاندنی باندہی۔ پھر تیز ہوا سے کھل گئی۔ مجلس میں کچھہ برہمی پیدا ہوگئی۔ اتنی دیر میں مرزا صاحب نے (فی البدیہ یہ رباعی کہہ کر پڑھی۔ اور پراگندہ مجلس کو متوجہ کرلیا

رباعی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ایک مجلس میں مرزا مرحوم رات کو ۱۱ یا ۱۲ بجے منبر پر گئے۔ کسی امیر کبیر کی مجلس تھی۔ عموماً شہزادے نواب زادے۔ عمائد۔ امرا۔ نمازدوں سے پہلے منبر کے تلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اکثر اونگھ رہے ہیں۔ مرزا مرحوم خلق مجسم تھے۔ ناگوار تو ہوا۔ کہ افسوس مجلس میں یہ لوگ گویا سو رہے ہیں۔ مگر کوئی کلمہ دل آزار وہ نہیں کہتے تھے۔ چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور پھر بائٹ دار آواز سے یہہ رباعی پڑھی جس نے گویا سوتے ہوؤں کو جگا دیا۔ نیند کو بھگا دیا ؎

رباعی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ایک مجلس میں مرزا صاحب پڑھ رہے تھے۔ ہوا چلتے چلتے بند ہوگئی۔ مجلس میں گرمی کی شدت اور گھٹن دیکھہ کر بانی مجلس نے ہات باندھ کر عرض کی۔ اگر مناسب ہو تو حضور چند دقیقہ (منٹ) توقف فرمائیں میں فراشی پنکھا چھت میں بند ہوا دوں۔ کہ سامعین اور حضور کو راحت ہو۔ مگر حاضرین نے جواب دیا۔ کہ کچھہ ضرور نہیں۔ مرزا صاحب نے بھی فرمایا۔ کہ مجھے تو پنکھے کی حاجت نہیں۔ اس بات چیت میں جو برہمی دبے توجہی مجلس میں پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے دور کرنیکے واسطے مرزا صاحب نے فی البدیہ یہ رباعی تصنیف

کرکے پڑھی۔ پھر مجلس ہمہ تن گوش تھی۔

۱۴۸

شعر
دور سے دامانِ فلک کا پنکھا
ہے آج پَرِ بالِ ملک کا پنکھا
ہیں مروحہ فاطمہؑ اور حسینؑ
مرحوم کو وہ کافی ہے ملک کا پنکھا

مرزا صاحب مرحوم کو عشرہ محرم میں بہت مجلسوں میں پڑھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ گو بلند آواز تھی۔ مگر بیٹھ جاتی تھی۔ اس آواز بیٹھنے کے مضمون کو وہ فرماتے ہیں

۱۴۹
گر اس پہ غبارِ غمِ سرور بیٹھے
اغلب ہے ابھی فلک زمیں پر بیٹھے
حقا کہ گراں ہے سخنِ قتلِ حسینؑ
اس ذکر میں آواز نہ کیونکر بیٹھے

۱۵۰
کس مرتبہ خستہ و حزیں ہے آواز
ہاں تعزیہ دارِ شاہِ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر کنجِ قفس سے بیجا
ماتم کے میں دن سوگ نشیں ہے آواز

ماتم امام حسینؑ

جہاں تک مجھ کو علم ہے۔ روئے زمین کے شیعوں میں امام حسینؑ کے ماتم (سینہ زنی) کے تین طریقے رائج ہیں۔ (۱) دونوں ہاتوں سے ماتم کرنا جیسا کہ اکثر عرب میں دستور ہے۔ یا ایک ہات سے جیسا کہ ہندیوں میں عملدرآمد ہے (۲) زنجیروں سے ماتم۔ یہ اکثر ایرانیوں اور بعض ہندوستانیوں میں رائج ہے (۳) سینوں پر نشتر مارکر۔ ماتم کرنا۔ یا تلواروں اور چھریوں سے ماتم کرنا۔ یہ ترکوں کا جنگی ماتم کہلاتا ہے۔ اکثر علمائے شیعہ اس ماتم آخرالذکر کو منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں روز عاشور ایسا ہی ماتم ہوتا ہے۔ جیسا کہ سیاحوں کے سفرناموں سے ظاہر ہے۔ سلاطین قسطنطنیہ اس ماتم کو بھی حکماً نہیں روکتے۔ یہ اُن کی بے تعصبی کی دلیل ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس سے سبق لینا چاہئیے اور اکثر جو عشرہ محرم میں (عزاداری مظلوم کربلا میں) سنی شیعہ لڑتے جھگڑتے ہیں۔

اُن کو فساد سے باز رہنا چاہیئے۔

مرزا صاحب کی ایک رباعی ماتم اول و دہم سے اور دوسری ماتم سوم سے متعلق ہے سنیئے عجیب بات کہتے ہیں۔ رباعی (۲) میں گل نافرمان کا مضمون مرزا صاحب کا حصہ ہے۔ میرے علم میں کسی شاعر نے آج تک نہیں کہا ہے۔

رُباعیات صنعت مُعطلہ یعنی بے نقطہ

(۱)

۱۵۵
حر کو مدد حرم کا الہام ہوا
ہر درد و الم سرور و آرام ہوا
مسلم ہوا سرور کا ہر اول ہو کر
حاصل حر کو کمال اسلام ہوا

۱۵۳
اعدا کو ادھر حرام کا مال ملا
حر کو اسد اللہ کا ادھر لال ملا
واللہ کلاہ سر عالم ہوا حر
حلہ ملا معصومہ کا رومال ملا

۱۵۱
داغ پسر شاہ نجف سکہ ہے
نقد دل مومن کا شرف سکہ ہے
سینے پہ محبوں کے ہو ماتم کا نشان
خالص ہے یہ زر دونوں طرف سکہ ہے

(۲)

۱۵۶
وردا کہ ملول امام معصوم رہا
ہر اہل طمع عمر کا محکوم رہا
ہالک ہوا ساحل کا گروہ گمراہ
اور آہ امام عصر کا محروم رہا

۱۵۴
واللہ کہ طالع رسا حر کو ملا
سردار امام دوسرا حر کو ملا
گھر حر کا ہوا حصہ رسول کا دل
حور و ارم و حلہ صلا حر کو ملا

۱۵۲
رونے کا غم شاہ میں ہمیں فرمان ہے
دل داغ عزا سے چمن رضوان ہے
ماتم کے لئے سینے پہ زخم نشتر
گل یہ بھی ہے لیکن گل نافرمان ہے

۱۵۷
اما ہمدم و ہمدم اصحاب حاصل ہے
ہر درد و الم ہو لا دوا اور دوا حاصل ہے
بس دم ہے محمد کا مرا احمد کا لال حاصل ہے
واللہ کہ دہر میں ما حاصل ہے

۱۵۸

آرام دلِ حرم کا معدوم ہوا
کم عمر کا حالِ مرگ معلوم ہوا
دو دُودھ اُگلا لہو دم لاڈلا کہا کر سہم
اور سر دُودھ معصوم کا معصوم ہوا

۱۵۹ صنعتِ منقوط[۱]

جب بخت بن قین نے زینت بخشی
زینب نے تشفی تب بشفقت بخشی
تیغیں تُر تن جبیں شق جی بے چین
جنت بخشی نبی نے جنت بخشی

[۱] یہ صنعت بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ وہ الفاظ بہت کم ہیں۔ جن کے ہر حرف میں نقطہ ہو۔ زہیر ابن قین۔ امام حسینؑ کے ایک جاں نثار وفادار مصاحب تھے۔ جن کو امام حسینؑ نے فوج کے ایک حصہ کا علمدار مقرر فرمایا تھا۔ اور جو بہت جوانمردی سے بہت سے دشمنوں کو (۱۰ عاشور سنہ ٦۱ ہجری) قتل کرکے شہید ہوئے۔ انہیں کی مدح میں یہ لاجواب رباعی ہے اور ان کے حال میں ایک مستقل مرثیہ بھی مرزا صاحب نے کہا ہے۔

۱٦۰ رباعیات متعلقہ واقعات کربلا

حضرت حر

حر کا شہ مظلوم سا آقا ہے کون
حر سا شہ لب تشنہ پہ شیدا ہے کون
ایسا ہی ملا کہ پھر نہ معلوم ہوا
قطرہ ہے کون اور دریا ہے کون

۱٦۱
حر دل سے تصدقِ شہِ بیجاہ پہ تھا
پروانہ چراغِ اسد اللہ پہ تھا
آیا جو فدا ہونے کو کہتے تھے حسینؑ
روکی تھی میری راہ مگر راہ پہ تھا

۱٦۲
حر کو کیا بخت کبریا نے بخشا
یہ نام اُسی بخت رسا نے بخشا
جب عذر گنہ کرتا تھا کہتے تھے حسینؑ
میں نے بخشا مرے خدا نے بخشا

۱٦۳
تیغوں سے جدا حر کا جو سر بالا ہوا
قربِ پسرِ فاطمہ وہ پیوند ہوا
پھر دل صد چاکِ جگر بند بتولؑ
مہمان کا بند بند پیوند ہوا

١٦٤

لاکھوں سے لڑائی میں نہ حربند ہوا
یاں تک کہ جدا تیغ سے ہر بند ہوا
جب آنکھ ہوئی بند تو بولا کیا غم
راضی تو یداللہ کا دلبند ہوا[1]

١٦٥

سترہ عزیزان امام حسین شہدا کربلا کی

جب دم ہوا اقربا کو فرمان امام
پڑھ پڑھ کے نمازیں ہوئے قربان امام
ہر روز ہیں رکعتیں نمازوں کی گو وہ
مارے گئے سترہ عزیزان امام[2]

[1] تینوں مصرعوں میں ایک ہی قافیہ بند کا ہے۔ مگر ہر جگہ نئے معنی پر ہے۔
[2] دن رات میں سترہ رکعت نماز فرض ہے۔

١٦٦

حال عون و محمد

خورشید و قمر کا ایک مطلع دیکھو
سعدین کا اک برج میں مجمع دیکھو
دیتا ہے ندا عون محمد کا جمال
طیارہ جعفری مرقع دیکھو

١٦٧

پسران مسلم ابن عقیل

مسلم کے پسر تھے جو علی کو پیارے
بابا سے چھٹے قید ہوئے بے چارے
فریاد کی حارث نے ضیافت کے عوض
ظالم نے چھین وہیں طمانچے مارے

١٦٨

بیٹوں نے رہ حق میں جو سر بخشدیا
زینب نے حق اپنا سر بسر بخشدیا
بولے جو دم نزع کہ اماں پانی
پانی تھا کہاں دودھ مگر بخشدیا

١٦٩

کبرے بولی کہ خوب ارمان نکلے
مرنے کے لئے قاسم ذیشان نکلے
دیکھے تھے جو کچھ بیاہ کے سامان شب کو
وہ صبح کو سب خواب پریشان نکلے

١٧٠

حضرت زینب بی

دونوں کا سر جو فرق سے زینب کو دکھائے
ایسی نہ علوی دل سے وہ ادا ہوئے
دریا پہ ہر کہ کی وجہ بتائی نہ پیاس دو
دنیا سے جیسے دست بردار ہو گئے

۱۷۱

دریا سے سکینہ کا جو سقا نکلا
سقائی کا ارمان نہ اصلا نکلا
پانی میں ملا لہو جو بہہ کر تو کہا
دریا بھی مرے خون کا پیاسا نکلا

۱۷۳

ہمت میں نہ عباس کا تھا ثانی ایک
اعدا نے نہ بات اسکی مگر مانی ایک
شانوں سے بہایا خون مشکیزہ سے آب
سقے کا کیا ہائے لہو پانی ایک[۵۱]

۱۷۲

دریا سے تو بیزار تھے بیشک عباس
مدفن وہاں کیوں سمجھے مبارک عباس
یہ رمز ہے پیاسے جو ہوئے قتل حسین
دریا پہ گواہی کو ہیں اب تک عباس

۱۷۴

عباس[۵۲] ہیں رشک ملک انسانوں میں
پر ہیں عوض دست کٹے شانوں میں
پر کھولے ہوئے کہتے ہیں قبر شہ پر
ہم بھی ہیں اسی شمع کے پروانوں میں

۱۷۵

دنیا سے جو دو جگر کرم اٹھتے ہیں
دو چشمے ہوں تو طوفان بہم اٹھتے ہیں
مرواری ہوتا ہے علمدار اگر
عباس سے پیشتر یوں علم اٹھتے ہیں

۱۷۶

[illegible] ہیں گر نہ غم و زنجیر علم چڑھتے ہیں
زوار صلوات بہ قدم پڑھتے ہیں
ہم سے پہ بھی ہو شوق علمداری کا
عباس کے روضے پہ علم چڑھتے ہیں

---

۵۱ لہو پانی ایک کرنا۔ خاص روزمرہ ہے۔ جس میں سے مضمون پیدا فرمایا ہے۔ اس کا لطف محض اہل زبان یا زباندان حضرات اٹھا سکتے ہیں۔ اور وہی داد دے سکتے ہیں۔

۵۲ عام طور پر تمام ہندوستان کے شہروں اور مسلمانوں کی بستیوں میں محرم کی آٹھویں کو علم حضرت عباس علمدار کے اٹھائے جاتے ہیں۔ اور دسویں کو دو روز بعد تعزیے اٹھتے ہیں تعزیوں سے پہلے علم اٹھنے کی شاعرانہ توجیہ کس قدر معقول بیان فرمائی ہے۔ سبحان اللہ۔

١٧
نکلا ہے میں تو در پنجۂ عَلَمدار گئے
ہاتھ جنت میں کوثر کے علمگار گئے
تھا بیچ میں دریا کے شناور چھلکا
دو ہاتھ ہیں میں ہاتھ سبیل سوکھ گئے

٣٥ (صفحۂ گذشتہ کے متعلق) کربلائے معلیٰ میں بھی یہ دستور ہے۔ کہ چاندی کے علم بنوا کر روضۂ حضرت عباسؑ میں زائر چڑھاتے ہیں۔ اور یہاں ہندوستان میں بھی شبیہ درگاہ جناب عباسؑ اور تعزیہ خانوں میں علم چڑھائے جاتے ہیں۔ اس بات کو کس قدر خوبی اور شاعرانہ استدلال سے بیان و ثابت فرمایا ہے۔

٣٦ ذرا لطف زبان و محاورہ کو ملاحظہ فرمائیے۔ ٦ دو ہات میں اس پار سے اس پار گئے اس میں ایک باریک بین کا اشارہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت عباسؑ کی دونوں شانے جہاد میں کٹ گئے تھے۔

١٨
دو مشکیں بعضوں کا سخن تکیہ ہے شکن تکیہ ہے
یا بابِ الامین ہم ہیں بندۂ درگاہِ جنابِ عباس ہے

٣٧ سخن تکیہ اور تکیہ کلام اردوئے معلیٰ کے یہ دو لفظ ایک معنی پر بولے جاتے ہیں۔ دہلی میں زیادہ تر تکیہ کلام اور لکھنؤ میں سخن تکیہ بولتے تھے۔ اب دونوں جگہ بلکہ ملک بھر میں یکساں طور پر دونوں لفظ مستعمل ہیں۔ بعض آدمیوں کی زبان پر خاص لفظ کثرت سے جاری ہو جاتے ہیں کہ وہ دس پندرہ لفظوں کے بعد پھر وہی لفظ بولتے ہیں۔ اسی کو سخن تکیہ اور تکیہ کلام کہتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ بعضوں کا تو ایسا صاف ابریشمی (ریشمی) تکیہ ہے۔ کہ اس میں شکن بھی نہیں پڑتی عیش و راحت سے بسر کر رہے ہیں۔ بعض ایسے دنیا کے بندے ہیں۔ کہ شاہان دنیا کے در دولت پر تکیہ لگائے ہوئے (آس لگائے ہوئے) پڑے رہتے ہیں۔ مگر ہم بندہ درگاہ جناب عباسؑ ہیں۔ ہمارا سخن تکیہ یہی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے یہی کہتے ہیں یاد کہ بندۂ درگاہ حضرت عباسؑ ہیں۔ ایک تو یہ معنی ہوئے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ ہر سخن یعنے کلام منقبت ہی ہمارا تکیہ ہے تکیہ کے معنی بھروسہ کے بھی ہیں۔ مدح محمدؐ و آل محمدؐ پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے۔ اور کوئی

سہارا نہیں ہے۔ اسی کلام (مرثیہ گوئی) پر بھروسہ ہے۔

۱۷۹

[illegible]

[illegible]

[1] ظہور غم میں جتنی صورتیں ہیں ان دو مصرعوں میں ختم کر دیں۔ بھرتی کا ایک حرف بھی نہیں۔ میرے نزدیک تو بیان واقعۂ غم ایسے مختصر لفظوں میں۔ نظم تو درکنار دوسری نثار یا انشاء سے نثر میں بھی مشکل ہے۔ واقعات کی ایسی دلکش تصویریں کھینچنا دبیرؔ کا کام ہے۔

۱۸۱

[illegible]

۱۸۲

[illegible]

[2] مشہور فقرۂ حدیث - علی الدنیا بعدک العفا کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام حسینؑ نے علی اکبرؑ کے انتقال پر فرمایا تھا۔ کہ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ تمہارے بعد دنیا پر خاک ہے۔

۱۸۴

صنعت مقلوب مستوی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بابا یہ [illegible]

سلہ یہہ مصرع صنعت مقلوب مستوی میں ہے۔ چاہے داہنی طرف سے پڑھو چاہے بائیں طرف سے وہی ایک مصرع پڑھنے میں آئیگا۔ ب اب ا ی ہ ک م ک ھ ی ی ھ ک م ک ھ ی اب اب

۱۸۵

رباعی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سلہ اس رباعی کو نظر غور و انصاف سے ناظریں ملاحظہ فرمائیں واقعہ کی کس خوبی سے تصویر کھینچ دی ہے اور پھر صرف چار مصرعوں میں۔ اور شعرا مرثیہ گو بھی واقعات کی تصویریں نظم میں کھینچتے ہیں۔ مگر یہہ اختصار دبیر مرحوم کا حصہ ہے۔

۱۸۶

حضرت امام حسین

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۸۷

[illegible] دفن ہوئے

[illegible] دفن ہوئے

[illegible] کا تفاوت دیکھو

[illegible] دفن ہوئے

۱۹۶
سجّاد پہ زورِ تب نقاہت میں تھا
جز رنج کوئی پاس نہ آفت میں رہا
زنجیر کو لغزش تھی ہر اک گام۔ مگر
ثابت قدم آبلہ رفاقت میں رہا

۱۹۴
اکبر سا جہاں میں کوئی غازی نہ ہوا
اور شاہ سا سلطان حجازی نہ ہوا
کی طاعتِ حق طوق و سلاسل پہنے
حقا کوئی عابد سا نمازی نہ ہوا

۱۹۲
حال حضرت سید الساجدینؑ و اہلبیت

عابد نے سوائے خاک بستر نہ رکھا
تب میں سر بالیں شفا سر نہ رکھا
زنداں میں نبض تکڑی نے دیکھی
جز داغ کسی نے ہات دل پہ نہ رکھا

۱۹
روز عاشور کی گرمی

لوہا صفت موم پگھل جاتا تھا
پانی کا مزاج واں بدل جاتا تھا
جس دھوپ میں ریتی پہ پڑے تھے حسینؑ
دانہ گر کر زمیں پہ جل جاتا تھا۔

۱۹۷
تصویر

ہے گرم زمیں پاؤں جلے جاتے ہیں
رخسار پہ آنسو بھی ڈھلے جاتے ہیں
اس دھوپ میں تپتے ہوئے بیری پا کہنے
تلواروں کے سائے میں چلے جاتے ہیں

۱۹۵
پابندِ غمِ عابدِ خوش ذات ہوئیں
مانند جرس فغاں میں دن رات ہوئیں
جو پوچھتا تھا راہ میں سجاد کا نام
کہتے تھے کہ ساربان سادات ہوئیں

۱۹۳
بارہ تھے اسیر ایک رسی میں تمام
اور جاتے تھے پیش پیش عابد ناکام
ہمرتبہ تسبیح نہ ہو کیوں؟ وہ رسن
جس کا کہ امام ہو دو عالم کا امام

۱۹۱
نیزے پہ سر شہ سے تھی حشمت پیدا
تھا جلوۂ خورشید قیامت پیدا
نیزے پہ وہ سر تھا سبر و نجم آگے
تھی بعد فنا شان امامت پیدا

۵؎ (متعلقہ صفحہ گذشتہ) ناظرین! بنظر غور و انصاف دیکھئے کیسی تصویر کس قدر مختصر لفظوں میں کھینچی ہے۔ اس نظم کو سہل ممتنع کہتے ہیں۔ کہ دیکھنے میں تو بہت آسان معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب ایسا کلام کہنا چاہو تو نہیں کہہ سکتے۔

۱۹۸
عابدؑ کہتے تھے اسیری ٹوٹ گئی
باغِ چمنِ فاطمہؑ سب لوٹ گئی
خواب و خورش و تاب و تواں صبر و قرار
سب ہم سے چھٹے جب سے پدر چھوٹ گئے

۱۹۹
عابدؑ پیوند گو زمیں کے نہ ہوئے
خنداں پر بعد شاہ دیں کے نہ ہوئے
کہتے تھے نہ جنت ہی ملی نہ مقتل
بابا کے بعد ہم کہیں کے نہ ہوئے

۲۰۰
تصویر
کوفے کو چلے تو چشم عابدؑ نم تھی
حلقے میں لئے ہوئے سپاہ غم تھی
زنجیر قدم میں اور قدم میں چھالے
گردن میں طوق اور گردن خم تھی

۲۰۱
درپیش قلق برہنہ پائی کا ہے
سر نیزے پہ شاہ کربلائی کا ہے
سب رنج ہیں عابدؑ کو مگر کاہش جاں
صدمہ زینبؑ کی بے ردائی کا ہے

۲۰۲
ہند بنت عبد اللہ عامر صحابی زوجہ یزید
جب سے کہ فلک پہ صبحِ صادق نکلی
کب ہند سے آفاق میں صادق نکلی
نکلا سر شاہ میں حرم سے پاک
یہ شام میں پنجتن کی عاشق نکلی

۲۰۳
زہراؑ کی ولا میں ہند صادق نکلی
یہ شام میں مثل صبحِ صادق نکلی
لکھا ہے کہ سر ننگے محل سے اپنے
بہر حرم مخبرِ صادق نکلی

۲۰۴
وعدے سے ولا میں ہند صادق نکلی
سمجھا معشوقہ تھی [illegible] صادق نکلی
زنداں میں جب شقی کوئی تنہا تھا اسیرِ علیل
[illegible] محل سے مثل صبحِ صادق نکلی

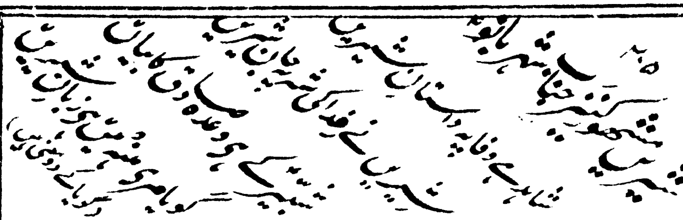

باب (۲)

تضمین

اب میں چند نمونہ تضمین کے دکہاتا ہوں۔ اپنے یا دوسرے کے کلام پر جو مصرع لگائے جاتے ہیں۔ اس کو تضمین کہتے ہیں۔ تضمین کا لطف یہہ ہے۔ کہ دونوں کلام یکساں نظر آئیں۔ اور کمال یہ ہے۔ کہ جو مصرع لگائے جائیں۔ ان سے اصل شعر کا حسن بڑھ جائے۔ دیکھئے اس میں بھی مرزا صاحب کا پایہ بلند نظر آتا ہے یا نہیں۔ دفتر ماتم (کلام میرزا صاحب) کی انیسویں جلد میں مخمس ہی مخمس ہیں میر ضمیر مرحوم۔ مرزا دلگیر مغفور۔ مرزا فصیح مبرور۔ نواب حسین علی خاں اثر مرحوم۔ سلطان عالیہ مرحومہ کے سلاموں اور ہفت بند ملا حسن کاشی پر مصرع لگا کر مرزا صاحب مرحوم نے ہر ایک کو مخمس کیا ہے۔ یہ ہفت بند مقبول فارسی میں ہے۔ اس پر فارسی کے مصرع ہیں۔ سلام سب کے اردو میں ہیں۔ ان پر مصرع بھی اردو میں ہیں۔ علاوہ ان کے اپنی اور اور شاعروں کے کلام پر جو متفرق مصرع لگائے ہیں ان میں سے کچھہ مختصر تضمین اور چند بند بعض سلاموں کے خمسوں کے لکھوں گا۔ یہہ بھی بطور نمونہ ہے۔ کتاب کے زیادہ طویل نہ ہونے کا خیال ہر مقام پر زیادہ نمونہ دکہانے سے روکتا ہے ؟

یا علیؑ آپ کو کرم کی ہے دھوم — بھیجا شربت برائے قاتل شوم
اس عنایت سے ہو گیا معلوم — دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

--- ❁ ---

بے ثباتی دُنیا

آنسو غمِ شہ میں جو بہا ہے — وہ گوہرِ اشک بے بہا ہے
دریا میں حباب کہہ رہا ہے — اس زیست کا اعتبار کیا ہے
اک دم میں یہ زندگی فنا ہے

عبرت

تاجِ زریں گر رکھا سر پر تو کیا سیم پائینگے — زیب و زینت کے جو طالب ہیں وہ پچھتائینگے
کیا کہوں یہ مال و زر کیا فائدہ دکھلائینگے — کاسۂ سر رہروؤں کی ٹھوکروں میں آئینگے
سب کمال اک روز آخر خاک میں مل جائینگے

طالبِ آرام و راحت کیوں بشر دن رات ہیں — قصرِ تن اک روز بیشک موردِ آفات میں
شاہد اس مضمون پر قرآن کی آیات ہیں — حسرت و ارمان و حرماں تابہ تربت ساتھ ہیں
ہات خالی آئے ہیں اور ہات خالی جائینگے

گو مکان رشکِ جنت میں بنا ہم بھی مکیں — پر یقیں ہے دل کو اک دن جائینگے زیرِ زمیں
ہیں اسی حیرت میں اور تشویش میں ہم دلحزیں — ان بڑے محلوں میں تو اپنی گذر ہوتی نہیں
کس طرح اس تنگ گھر میں پاؤں ہم پھیلائینگے

مومنو رو لو غمِ سبطِ شہِ لولاک میں! — زیست پر غافل نہ ہو ہے مرگ سب کی تاک میں
یہ تماشہ ہمنے دیکھا گردشِ افلاک میں — عطر بھی مٹی کا جو ملتے نہ تھے پوشاک میں
ہڈیاں اُنکی ملائیں آسماں نے خاک میں

وہ سوتے ہیں زمیں پر جو کبھی فرشِ تابی تھے — وہ ہیں پامالِ دنیا جو کہ رکھتے طبعِ عالی تھے
یہ تھا خوابِ پریشاں یا کہ مضمونِ خیالی تھا — مہیا گو کہ سب اسباب ملکی اور مالی تھے
سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہات خالی تھے
پہنچے دربار میں جو بن گئی تیغ بکف — عمل اٹھا مالک دیا ہوا جنبہ کا خفیف

بولے عباس کہ ہے پیاسے ہی مرنیں شرف — ہم وہ پیاسے ہیں کہ دیکھیں بھی نہ دریا کی طرف

سوئے آب دم خنجر ہے اشارہ اپنا

فلک ز آل پیمبر تراچہ کین افتاد — کہ جور دور تو بے صبر در کمین افتاد

بخاک تشنہ ایوان شرح و دین افتاد — زمہر خاتم پیغمبران نگین افتاد

بلند مرتبہ شاہے زصدر زین افتاد

اگر غلط نکنم عرش بر زمین افتاد

نبی است بحر علوم و علی است ادراعلین — ز اتحاد ندارند فرق فی ما بین

دو بحر گشتہ بہم باہزار زینت و زین — چہ حاصل آمد ازیں اجتماع عین بعین

در یگانہ دریائے مجمع البحرین

بخون طپیدہ کرب و بلا امام حسینؑ

ندا رسید کہ رضوان جناں بہار آید — دریچہائے گلستان خود بکشاید

نسیم در چمن خلد مشک تر ساید — چرا کہ در صدف قصر لعل می آید

در یگانہ دریائے مجمع البحرین

بخون طپیدہ کرب و بلا امام حسینؑ

سر کاٹ کر عدو نے پھینکا جو دشت کا — وہ فرق دم بدم یہ شہ کے گرا ان میں تن رہا

کہتے تھے شاہ سے وہ تن بسر جدا جدا — اعمر رسے شہادت و پابوس کا مزا

ہرکس کہ پا نہاد بکوئے تو سر نداشت

ہرکس کہ سر نہاد بپائے تو بر نداشت

(۱) خطا ہے نافہ کہنا نافہ گیسو ہو نہیں سکتا — اگر عنبر کہیں ایسا وہ خوشبو ہو نہیں سکتا

عمرہ کا مصرع کاکل پہ قابو ہو نہیں سکتا — سلامی وصف زلف شاہ خوشخو ہو نہیں سکتا

رہ نجدہ ہی دخل اک سر مو ہو نہیں سکتا

(۲) رموز غیب سے آگاہ تھا ہر آن جانی — خبر دیتا تھا اکثر غیب کی وہ عیسی ثانی

یہ دانائی کا نکتہ تھا پئے تنبیہ نادانی — کہا شبیر نے سر کاٹنے جب آیا منطق

مجھے معلوم ہے قاتل مرا تو ہو نہیں سکتا

(۳) کیا اژدر کو دو پیکر تو خالق نے کہا حیدر کیا مرحب کو جو بے سر پکارا مرحبا لشکر
ید اللّٰہی و یکتائی کا اُس دم کھل گیا جوہر اٹھایا جب در خیبر علیؑ نے بولے پیغمبر
مرا سا بازو اور یہ زور بازو ہو نہیں سکتا

(۴) جب نو شہادت مہر حق سے ہاتھ آیا تھا کہ برتر مہر سے ماہ بنی ہاشم کا پایا تھا
تحمل اس کے نظارہ کا مردم نے نہ پایا تھا بجا عباسؑ کے لاشے نے منہ اپنا چھپایا تھا
سوائے اہل بیں خورشید کا رو ہو نہیں سکتا

(۵) تمنا حر کی تھی آگے قدم سب سے بڑھاؤں میں ہر اک یاور کی حسرت تھی وفا پہلے دکھاؤں میں
گذارش کی جو بھائی نے کہ سر اول کٹاؤں میں کہا عباسؑ سے شہ نے تجھے کیونکر رضا دوں میں
کہ اپنے ہاتھ اپنا قطع بازو ہو نہیں سکتا

(۶) عمر سے شہ نے فرمایا شب عاشور بلوا کر اگر ترک وطن پر صلح ہو راضی ہوں میں مضطر
وہ بولا صلح کا ہے فیصلہ اقرار بیعت پر جب آیا ذکر بیعت بولے شہ فرزند پیغمبر
مطیع کافر و بدکار و بد خو ہو نہیں سکتا

(۷) چراغ رہ ہوا روشن کٹی جب شمع ساں گردن کہ قلب ماہیت کی نور مہر شاہ نے فورن
ہوا مثل کتاں پرتو سے رخ کا حر کی پیراہن دعائے شاہ سے روئے ریاح ایسا ہوا روشن
بجز اعجاز زنگی بچہ مہرو ہو نہیں سکتا

(۸) علم بردار ایسا چاہیے پیاسوں کے لشکر کا رہا دریا پہ خواہاں آبروئے روز محشر کا
زبان خنجر پہ اب تک ہے یہ ذکر اس دلاور کا سوائے اس غازی کے کہ شاداب تھا کوثر کا
رہے پیاسا کوئی سقا لب جو ہو نہیں سکتا

(۹) تجلی میں حسینؑ سے نسبت خورشید باطل ہے مہ نو بھی ناقص رخ کے آگے ناقابل ہے
نہ ہو تشبیہ کے قابل یہ رخ کے مقابل ہے سراپا شاہ کا کہنا سراپا کار مشکل ہے
پریشانی میں کیا اک وصف گیسو ہو نہیں سکتا

(۱۰) نجف کے دُر میں کیوں یہ بال کا پڑنا ہوا پیدا یہ بھی شہ کی شہادت اور نسبت کا اثر پیدا

کربلا نجف ہے اور در شاہ نجف مولا　　خط باریک خنجر شہ کی گردن پر مزین تھا
سواد در نجف کے خوشنما ہو نہیں سکتا

وہاں ذرا امیر ان تقدیر الٰہی پر نظر کرنا　　کہاں اصغر کہاں پیکاں کہاں حنگام کا عمر نا
وہاں گر دے تکا اور یہاں آستیں کا خون سے بھرنا　　قضا کو کرنا تھا ہم پلہ اصغر شاہ سے ورنہ
گلے اور ہات میں ناوک تراز و ہو نہیں سکتا

(۴) تو میر آگاہ ہے کہ جیسی تو نے عمر کھوئی　　متاع عمر اب تک کربلا کی شوق میں کھوئی
مگر اس راہ میں مرنے کی بھی ظاہر نہیں کوئی　　تعجب ہے مجھے دلگیر گر ساماں نہیں کوئی
غم شہ میں بیاباں مرگ بھی تو ہو نہیں سکتا

اب چند بند ان نظموں کے میں لکھتا ہوں۔ کہ جو سلطان عالیہ دختر نواب نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے سلاموں کو میرزا صاحب نے تضمین فرمایا ہے۔ یہ شہزادی میرزا مغفور کی شاگرد تھیں۔ جیسا کہ میں جلد اول میں لکھ آیا ہوں۔

(۱) کبھی پر نہ چرخ بد اختر رہے　　ہر اک وقت اقبال یاور رہے
سدا سر بلندی میسر رہے　　خمیدہ در شاہ پر سر رہے
سلامی جو سید دعا مقدر رہے

(۲) ہوئی نخل ایمن میں جب روشنی　　انا اللہ تھا قول رب غنی
یہ بات ان کے عجز سخن سے چھپی　　بتوں کو خدائی نہ کرتے بنی
ہمیشہ یہ پتھر کے پتھر رہے

غنی جس کو شیر الٰہی کرے　　عمل ماہ سے تا بماہی کرے
سلیماں سے وہ کجکلاہی کرے　　ابد تک جیئے بادشاہی کرے
در شاہ پر جو گدا ہو رہے۔

یہ دل حق نے بخشا علمدار کو　　جگر پر لیا اپنے ہر وار کو۔
شجاعت کا پھل سمجھے تلوار کو　　ندی مشک غازی نے کفار کو
تہی دست کٹنے پہ تیور رہے

ہر اک شے ہی فانی نہیں اس میں شک — یہ نیکوں کا ہے نام زیر فلک
گواہ اس پہ ہیں انس و جن و ملک — شہیدوں کا ماتم رہا حشر تک
نہ قاتل رہے اور نہ خنجر رہے

نہ تھا غم کہ ہوگی بہن بے ردا — نہ فکر تن و سر نہ خوف قضا
یہ عاشق خدا کے تھے نام خدا — نہ تیغ شہ کہتے تھے ہاں و لا
زباں پر اب اللہ اکبر رہی

جو اکبر تھے ہمشکل خیر الامم — یہ صورت میں حیدر تھے سر تا قدم
بیاں نیزہ و تیر کا ہے جسم — بہت سن میں اکبر و اصغر تھے کم
مگر مر کے رن میں برابر رہے

ہمیشہ سے ہے دنیا میں کس کو قرار — ہے اس دار کا نیستی پر مدار
جو عارف ہیں ان پر ہے صاف آشکار — سرائے جہاں ہی یہ ناپائدار
کہ یاں صرف چھ مہینے کل اصغر رہے

وہ محبوب حق یہ ولی خدا — وہ شاہ رسل یہ شہ اولیا
وہ شمس الضحیٰ تھے یہ بدر الدجیٰ — عجب لطف معراج کی شب رہا
علی و نبی ہمنشیں داور رہے!

یہاں تھے نبی واں تھا حق کا ولی — ہر اک رمز اللہ سے پوچھ لی
خدا ہم سخن یوں تھا گویا علی — کھلے دل پہ راز خفی و جلی
وہ پردے کے اندر یہ باہر رہے

علی پر مروت کا ہے اختتام — خدا کی طرح ان کی رحمت ہے عام
لیا خوب جلاد سے انتقام — دیا اپنے قاتل کو شربت کا جام
بد و نیک سے صاف حیدر رہے

دیکھیے یہ کلام کس قدر سلیس اور صاف ہے۔ جیسا صاف سلام ہے۔ ویسے ہی مصرع بے تکلف ہیں۔ مرزا صاحب جب صاف صاف کہنے پہ آتے ہیں تب ایسا صاف

کلام ہوتا ہے۔ کہ اس سے زیادہ سلاست ناممکن ہے۔ اور جب دقیق کلام فرماتے ہیں تو پھر باریک بینوں کے دل سے اُس کے مزہ کو پوچھئے نافہم تو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ یہ مخمس جس کے چند بند ذیل میں لکھتا ہوں۔ بہت بڑا ہے۔ اور یہ بھی سلطان عالیہ مرحومہ کے سلام پر تضمین ہے۔ اسی زمین میں میر مونس مرحوم نے بھی سلام فرمایا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

غیر کی مدح کریں شہ کے ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوئیں سلیماں ہو کر

جب اس سلام کا ذکر آگیا ہے۔ تو ایک بات اور بھی سن لیجئے۔ مقطع میں میر مونس مرحوم فرماتے ہیں ؎ رہبری کی جو مقدر نے تو ہم بھی مونس ؎ روضۂ شہ پہ جائینگے خراساں ہوکر۔ پہلی میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لفظ "بھی" کی کیا ضرورت تھی۔ جب سلطان عالیہ کا یہ سلام اور سلام میں یہ مقطع دیکھا۔ اُس وقت یہ بھید کھلا۔ مقطع ؎

اب ہمارے لئے لبیک ہوئی اے سلطاں
کربلا۔ ہند سے جاتے ہیں خراساں ہوکر

(مجھے تلامذہ میر مونس مرحوم معاف فرمائیں ع انصاف شیوہ ایست کہ بالائے طاعت است)

سلطان عالیہ کے مقطع میں کربلا۔ ہند۔ خراسان۔ یہ الفاظ ایسے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہاں سے کہاں کو کہاں ہوکر جاتے ہیں۔ پس ادائے مطالب کے لحاظ سے اس کا پایہ میر مونس مرحوم کے مقطع سے بڑھا ہوا ہے۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے۔ کہ میر مونس مرحوم نے سلام بعد کو فرمایا تھا۔ اسی خیال سے (لفظ بھی سے) اس کی طرف اشارہ فرما دیا۔ کہ علاوہ مداح اول (سلطان عالیہ) کے ہم بھی خراساں ہوکر روضۂ شاہ پر (یعنی کربلائے معلیٰ) جائینگے۔ اور ایسا اشارہ میرے خیال میں میر مونس مرحوم کے کمال اور کمال نیک نفسی پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قافیہ سلطان عالیہ کے سلام میں دنداں (انگشت بدنداں ہوکر) ایسا عمدہ بندھ گیا ہے۔ کہ پھر اس قافیہ دنداں کو میر مونس مرحوم نے نہیں باندھا۔ اور میرے خیال میں اس سلام میں اس شعر سے بہتر یہ قافیہ اور بھی کوئی شاعر مشکل سے باندھ سکیگا۔ دیکھئے وہ شعر یہ ہے ؎

لب و دنداں پہ شہ کے دیکھی جو چھڑی
بی بیاں رہ گئیں انگشت بدنداں ہوکر

خیر اب (آمدم بر سر مطلب) میں دو چار بند اس مخمس کے لکھتا ہوں۔ پورا مخمس دیکھنا ہو تو انیسویں[۱۹] جلد دفتر ماتم کی دیکھیے۔

(۱) یوں فرحناک تھے سب وارد میداں ہو کر   جس طرح خلد میں ادریس خراماں ہو کر
تھے نہ غمگین ہدف نیزہ و پیکاں ہو کر   مجرئی کہتے تھے انصار یہ خنداں ہو کر
عید قربان کی کرو شاہ پہ قرباں ہو کر

(۲) جو ہوا فدیہ فرزند رسول مختار   ذرہ سے مہر بنا قطرہ سے دُرِّ شہوار
سب پہ روشن تھا جو شبیر کے فدیوں کا وقار   زعفر جن نے کہا شہ سے جو تم پر ہوں نثار
حشر کو جاؤں میں جنت میں سلیماں ہو کر

(۳) ہائے کیا کیا نہ مصیبت حرم شہ پہ پڑی   مجلس عام میں استادہ رہیں چار گھڑی
حیرت اس بے ادبی سے ہوئی ارباب پہ بڑی   لب و دنداں پہ سر شاہ کے دیکھا جو چھڑی
بی بیاں رہ گئیں انگشت بدنداں ہو کر

(۴) رنج زہرا کا کیا آہ گوارا افسوس   پیاسا مہماں کو بے رحم نے مارا افسوس
سر کئی ضرب میں خنجر سے اتارا افسوس   شمر سے کہتے تھے یہ گبر و نصاریٰ افسوس
قتل سید کو کیا تو نے مسلماں ہو کر

(۵) عوض اشک ہر اک قطرہ پہ خوناب بہا   واسطے بخشش امت کے یہ صدمہ بھی سہا
مادری مہر سے قابو میں مگر دل نہ رہا   لائے جبریل جو محضر تو یہ زہرا نے کہا
قتل شبیر پہ میں مہر کروں ماں ہو کر

(۶) کیا نہ تھے منصف ناطق کے شرف سے آگاہ   وصف میں آیا ہے والفجر کا سورہ واللہ
گھر سے مہماں بلا کر ہوئے ناری بدخواہ   خود غلط قول پر اپنے نہ رہے ثابت آہ
پڑھ کے تن شہ کا کیا قائل قرآں ہو کر

(۷) رسم ہے بعد خزاں کھلتے ہیں گلزار میں پھول   ثمر و غنچہ و گل باغ کو ہوتے ہیں حصول
پر بہاروں میں بھی پھولا نہ پھلا باغ رسول   اب تلک گنج شہیداں میں یہ کہتی ہے بتول
پھر نہ آباد یہ گلشن ہوا ویراں ہو کر

(۸) نجف اشرفِ حیدرؑ کا کہوں کیا میں اثر　　خار، گل، سنگ گہر، گرد ہیں کحل بصر
منقلب ہوتی ہے اک آن میں تقدیر بشر　　جو گدا بیٹھ گیا شاہ نجف کے در پر
در دولت سے پھر اٹھا وہ سلیماںؑ ہوکر

(۹) ملے وہ سیر اب مدد حق ہی برآئے ارماں　　ہوگیا زائری آل عبا کا ساماں
صاف اس بیت سے ہی مژدۂ جاں بخش عیاں　　اب ہماری لئے تبلیک ہوئی ای سلطاں
کربلا ہند سے جاتے ہیں خراساں ہوکر

ایک اور مخمس کے چند بند لکھتا ہوں۔

(۱) پیدا چمن چمن ہے گل مدعا کی بو　　پھیلی ہے عطر قدرت رب ہدا کی بو
اب کس طرح دماغ ملائی صبا کی بوٗ　　لائی ہے بوستان رسول خدا کی بو
پھولی نہیں سمائی تسلائی ہوا کی بو

(۲) کیا تربت حسینؑ کو حق نے عطا کی بو　　بلبل کو ہے ہزار گل مدعا کی بو
پڑھ کر درود کہتی ہے خلد علا کی بو　　جاں بخش ہے مزار شہ کربلا کی بو
دیتی ہے خاک پاک سلامی شفا کی بو

(۳) قاسمؑ کی بو ہے اکبر گلگوں قبا کی بو　　عباسؑ کی شمیم شہ دوسرا کی بو
ہے گرد اس سے عنبر و مشک ختا کی بو　　لائی ہے یہ جو قافلہ کربلا کی بو
مجموعہ کا ہے عطر سلامی صبا کی بو

(۴) چلنے سے یک بیک جو رکا ذوالجناح شاہ　　بولے رفیق شاہ عجب یہ زمیں ہی آہ!
حیرت ہے سب نے جانب شبیر کی نگاہ　　شہ نے کہا یہی ہے غریبوں کی قتل گاہ
مٹی میں لیکے سونگھی جو خاک شفا کی بو

(۵) آیا جہاں ہیں خضر کو تب تھا پسند　　ملک و نشان ملک سکندر کو تھا پسند
مجھ سے جو کوئی پوچھے کہ تجھکو ہی کیا پسند　　یوں مشرق کربلا ہیں مہر اک منہ ہے ناپسند
جیسے دماغ اہل مرض میں دوا کی بو

(۶) خوشبو ہے زلف شہ کا ابد تک آئیگا حال　　مشک ختن کی بو کے ہے ہر برس زوال

بیتاب ہے حیا سے قرار اسکو ہی محال — کیوں زلف شاہ دین سے اسکو دیتے ہیں مثال
نافے سے نکلی جاتی ہے مشکِ ختا کی بو

(۸) ہوں عاشق حسینؑ خبر ہے جہان کو — نام امام کا ہے وظیفہ زبان کو
قوت ملی دماغ کو آرام جان کو — درکار لخلخہ نہیں مجھ ناتوان کو
مجھ کو سنگھاؤ مرقدِ شاہِ ہدا کی بو

(۹) وارد ہوئے جو رن میں علمدار باوفا — شمر سیاہ رو کو عمر نے یہ دی ندا
ہو جلد اپنی فتح جو یہ شہ سے ہوں جدا — بہکانے آیا شمر تو عباس نے کہا
آتی ہے بات بات میں مکر و دغا کی بو

(۱۰) ہے سرِ فقر ہے شہ بدر و حنین سے — دولت سے ہمکو کام نہ دنیا کی چین سے
ممکن نہیں فراق شہ مشرقین سے — کس رنگ سے بھلا میں جدا ہوں حسین سے
وہ مصطفےٰ کے گل میں گل مصطفیٰ کی بو

(۱۱) دنیا کو اس نے ترک کیا بہر شاہِ دیں — حسن وفائی حر پہ کہا حق نے آفریں
اہل وفا جہان میں ایسا ہوا نہیں — حر کو جو دفن کرنے لگے عابدِ حزیں
کافور کیطرح تھی کفن میں دفا کی بو

ایک مخمس اور بھی سنیئے!

(۱) منبر بنے ہیں سروِ گلستاں نئے نئے — پڑھتے ہیں نوحے مرغ خوش الحان نئے نئے
شبنم ہے یا کہ دیدۂ گریاں نئے نئے — باغوں میں شہ کے غم کے ہیں ساماں نئے نئے
گل چاک کر رہے ہیں گریباں نئے نئے

(۲) [illegible] کربلا کی جو معلوم تھی خبر — شوقِ عروس تھا نہ انہیں خواہش لبسر
کہتے تھے ہم سنوں سے یہ صحبت میں شبیر — نیزہ ہو لیں لاش ہو رن میں سناں پہ سر
اکبر کو تھے شباب میں ارماں نئے نئے

(۳) خورشید کو ملال شہ نامدار ہے — ثابت ہوا کرن سے قبا تار تار ہے
دل سے قمر کے داغ حسین آشکار ہے — زہرا کے چاند کا مہ تو سوگوار ہے

ہر ماہ کیوں نہ پھاڑے گریباں نئے نئے

قطعہ

(۴) شہ کی جلو میں تھے وہ شجاعانِ نامور — جن کے قدم پہ زال و نریماں جھکاتے سر
نعرے سے اُن کے آب ہو سہراب کا جگر — شامی پکارے فوجِ حسینی کو دیکھ کر
ہیں شہ کے ساتھ رستمِ دوراں نئے نئے

(۵) ہو خشک ان کے دبدبے سے شیر کا لہو — انساں ہیں ان کے نام سے تسخیر چار سو
کیا جان ہے کہ جن ہو دمِ جنگ روبرو — مرکب جو شعلہ رو ہیں تو راکب فرشتہ خو
پریاں نئی نئی ہیں سلیماں نئے نئے

(۶) چھائے گھٹا کی طرح سے نو لاکھ بدنہنگ — کڑکے مثالِ صاعقہ بج بج کے طبلِ جنگ
بدلے جہاں کی آب و ہوا کے عجب رنگ — شمشیر و خنجر و تبر و تیر و گرز و سنگ
برسے علیؑ کے باغ پہ باراں نئے نئے

(۷) خالق سے منہ پھرائیں سوئے قبلہ سجدہ گر — قرآن تمام حفظ کریں حکمِ حق بھلائیں
مہماں بنائیں بلا کے نہ پانی انہیں پلائیں — کلمہ پڑھیں نبیؐ کا نواسے کا خون بہائیں
فوجِ یزید میں ہیں مسلماں نئے نئے

(۸) یثرب کی سرزمیں کہاں کربلا کہاں — قربانِ غربتِ لحدِ شاہِ دو جہاں
پھرتے ہیں جب کہ گرد ضریحِ شہنشہاں — جلتے ہیں سوزِ غم سے فرشتوں کے دل وہاں
قبرِ حسینؑ پر ہیں چراغاں نئے نئے

قطعہ

(۹) دولہا کے سر پہ بیاہ کا سہرا جو بندھ گیا — بولی اجل کہ صبح کو سر ہوئے گا جدا
بیٹھی جو پہنے ہار گلے کا ہوئی قضا — کبریٰ جو دلہن بنی تو یہ تقدیر نے کہا
کل غم ہوا امید سوگ کے ساماں نئے نئے

(۱۰) گنگنا نہ کھلا تو یہ اسیری کا ہے پیام — کل ریسماں بندھے گی کلائی میں لاکلام
کل سب کہیں گے بیوہ دلہن اس گھڑی کا نام — دولہا کا خون خاکِ عزا گرد راہ تمام

بدلے گی رنگ ماتھے کی افشاں نئے نئے

(۱۱) وہ دھوپ وہ بخار کی گرمی وہ دردِ سر — وہ کربلا سے برہنہ پا شام کا سفر
اب تک یہ نوحہ کرتے ہیں الیاس نامور — دیکھے گا خواب میں نہ کبھی خضرؑ عمر بھر
عابدؑ نے طے کئے وہ بیاباں نئے نئے

(۱۲) اللہ اعتقاد کرے آپ کا قبول — خضرِ دعا ہو روضۂ اقدس کا رہنموں
یہ قول ہے دبیرؔ کا نام جناں نہ لوں — سلطانِ کربلا کے جو در پر مقیم ہوں
درجے نصیب ہوں مجھے سلطانؑ نئے نئے

معذرت

ناظرین مجھے معاف فرمائیں۔ میں نے سلطان عالیہ مرحومہ دختر نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے کئی سلام (جن پر جناب مرزا صاحب مغفور کے مصرع ہیں) اس موقعہ پر لکھ دیئے ہیں۔ اس سے میرا مقصود چند امور کا ثبوت ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) اُس زمانہ کی (جو عین شباب سلطنت اودھ کا وقت تھا۔) محلات شاہی کی زبان آپ لوگوں کو معلوم ہو (۲) اُس زمانہ کی محلات شاہی کی زنانی تعلیم کا اندازہ آپ فرما سکیں کہ ایک پردہ نشین شہزادی کی کس پایہ کی معلومات و لیاقت ہے۔ اس کے ذیل میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ مستورات مسلمانان ہند کا پردہ مانع تعلیم نہیں ہے۔ ورنہ چار دیواری میں بند قید شہزادی ایسی تعلیم یافتہ نہیں ہوسکتی تھی (۳) میرزا صاحب مبرور کا فیض تلمذ بھی اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان کے تلامذہ میں عورتیں تک ایسی ایسی کامل ہیں۔

قبل اس کے کہ میں مخمسوں کو تمام اور سلاموں کو لکھنا شروع کردوں۔ ایک سلام مرزا دبیرؔ مرحوم کا لکھنا چاہتا ہوں۔ جس پر ان کے برادر عینی مرزا غلام محمد نظیر مرحوم کے مصرع ہیں۔ یہ مخمس پورا درج کرتا ہوں۔ کیونکہ حیات دبیر میں بھی یہ نہ چھپے گا۔ تو شاید آئندہ تلف ہوجائے۔ دفتر ماتم میں چھپنے سے یہ بھی (مثل اور کلام کے) رہ گیا ہے کچھ کس قدر اچھے مصرع ہیں اور سلام تو لاجواب ہے۔

عرش خالق پر گیا گھوڑے سے زہرا کا لال
سنا ہو شاہ کر تھے کس درجہ شہنشاہ عرب

کم نہیں معراج کے رتبے سے یہ جاہ و جلال
لب تھے دریائے عطش میں آشنائے شکر رب

کس زباں سے میں کہوں کفار کی عہد کا حال
اب نہر علقمہ کی احتیاج ان کو تھی کب

اس کے لاشے کو کیا اہل ستم نے پامال
اشتیاق چشمہ کوثر میں شاہ تشنہ لب

جس کا سب مہر نبوت پر قدم دیکھا کئے
اشک کے قطرے سے بھی دریا کو کم دیکھا کئے

ہو نہ فرزند جواں پیری میں بابا سے جدا
تیر اصغر کے جو مارا حرملہ نے بیک

گو کہ تھے سبط پیمبر مالک صبر و رضا
کیا کہوں حیران تھی کیسی شہ جن و ملک

پر یہ فرماتی ہیں زینب دختر خیر النسا
ہات تو بچے کے سینے پر نگہ سوئے فلک

جب تلک جیتے رہے شبیر یہ افسوس تھا
مر گیا اصغر تو اک ہچکی میں لیکن دیر تک

قتل اکبر ہو گیا اور ہائے ہم دیکھا کئے
ہات رکھ کر شاہ دیں سینے میں دم دیکھا کئے

دوش پر جس کو چڑھایا احمد مختار نے
دکھ یہ دکھ ایوب بھی گو دم بدم دیکھا کئے

اس کا سر نیزے پہ رکھا شمر بداطوار نے
نوح بھی امت سے روز و شب ستم دیکھا کئے

آہ گردش کی یہ کیسی گنبد دوار نے
اس خوشی سے پر کہاں رنج و الم دیکھا کئے

لجر دی کی ہائے اس سے لشکر کفار نے
مجری ہستی رہی شہ اور غم دیکھا کئے

جھکے اوپر سب پہ جبریل خم دیکھا کئے
زخم تن میں سیر گلزار ارم دیکھا کئے

جب وطن میں آئی شہ کے بعد با حال تباہ
کل ہم اخبار امامان امم دیکھا کئے

نالہ و فریاد کا تھا مشغلہ شام و پگاہ
ابتدا سے انتہا تک یک قلم دیکھا کئے

بسکہ تھے پیش نظر زخم شہ انجم سپاہ
بس یہ مطلع پڑھ کے سوئے چرخ ہم دیکھا کئے

بارہا عابد نے راتوں کو فلک پر کی نگاہ
ای فلک مجری میں جنکے تجھکو خم دیکھا کئے

شاہ کے زخموں سے تارے کم یہ کم دیکھا کئے
حیف تو دیکھا کیا اور وہ ستم دیکھا کئے

فاطمہ کرتی ہیں شانہ گیسوئیں مو بہ مو　　آتے تھے اہلِ وطن عابد کی خدمت میں سدا

اب وہ گیسو جب سے نیزے کے باندھی ہے عدو　　روتے تھے سن سن کے اہلِ دین تو اعدائے کربلا

دوش پر جنکو چڑھاتے تھے رسولِ نیک خو　　پوچھتا تھا قیدِ عترت کا جو کوئی ماجرا

مثلِ خورشیدِ قیامت آج ہیں نیزے پہ تو　　کہتے تھے سجاد ہو کر نائبِ مشکل کشا

ہم جدا سب سے ترا جادۂ حشمہ دیکھا کئے　　ہم رسن میں آہ بازوئے حرم دیکھا کئے

قبلۂ کونین تھے گو خود وہ شاہِ خاص و عام　　لوٹ کر اہلِ ستم نے خیمۂ شاہِ امم

پر بہرِ طاعت سوئے قبلہ جھکائے تھے امام　　اونٹوں پر اسوار بیدل کو کیا با صد ستم

بسکہ ہنگامِ شہادت امتحاں کا تھا مقام　　راہ میں اپنا نہ کرتا تھا کوئی اظہارِ غم

گہ نظر محرابِ خنجر پر کبھی سوئے خیام　　شہ کے سر کو دیکھ کر نیزے پہ کہتے تھے حرم

ہر طرح سے شاہِ دیں سوئے حرم دیکھا کئے　　بارہا دوشِ نبی پر جسکو ہم دیکھا کئے

دولت بیدار و تیاک ہے جب رتبۂ قدیم
خواب و بیداری میں ہیں لطف نئی دیکھے ہم
ہو گئے بیدار جیسے خواب ہی بخت نغم
ہے خیال اردو فزر سے ہمسر و دریا ہوا ہی دیکھے ہم
خواب ہیں ہم سر ملک ارام دیکھا کئے

باب (۳)

سلام ۱

(۱) غمِ آلِ عبا ہے اور میں ہوں　　سلامی یہ غذا ہے اور میں ہوں

خیالِ کربلا ہے اور میں ہوں　　بہشت جانفزا ہے اور میں ہوں

عجب کیا گر فرشتہ ہو سگِ نفس　　در شبیرِ خدا ہے اور میں ہوں

جنوں ہوتی بیابانِ نجف کے　　یہہ در مدعا ہے اور میں ہوں

مثال دانہ پستا ہوں شب و روز — فلک کی آسیا ہے اور میں ہوں
نہ پہنچا کربلا میں تو دم حشر — یہ بخت نارسا ہے اور میں ہوں
جو ڈھونڈھا تل کرسی پر اٹھا عرش — علی کا نقش پا ہے اور میں ہوں
نبی کہتے تھے اے حیدر تمہارا — ثنا سا اک خدا ہے اور میں ہوں
یہی ہے ناخن قدرت کی آواز — علی مشکلکشا ہے اور میں ہوں
صف دشمن سے حر نکلا یہ کہکر — بس اب راہ وفا ہے اور میں ہوں

قطعہ

خبر دیتا ہے رن میں حسن اکبر — سدا نور خدا ہے اور میں ہوں
جمال پاک نازاں ہے کہ بیمثل — شبیہ مصطفیٰ ہے اور میں ہوں
لب شیریں مخاطب ہے خضر سے — لطیف آب بقا ہے اور میں ہوں
شب معراج کہتی ہے کہ یکتا — یہ گیسوئے دوتا ہے اور میں ہوں
ندا ہے دوش پر نادعلی کی — سپر اک لافتیٰ ہے اور میں ہوں
مگر ضد حیف سن کا ہے یہ اظہار — جوانی کی قضا ہے اور میں ہوں

وطن میں حال صغریٰ جس نے پوچھا — کہا آہ و بکا ہے اور میں ہوں!
نشان شاہ سے کہتا تھا اقبال — ترا پھیرو ہما ہے اور میں ہوں
دولہن کہتی تھی دل ہے خون جس کا — جہاں میں وہ حنا ہے اور میں ہوں
بہن چلائی تنہا ہو دم ذبح — کہا شہ نے قضا ہے اور میں ہوں
گلا بھی خشک ہے خنجر بھی بے آب — شہادت کا مزا ہے اور میں ہوں
غبار راہ مہدی ہے نظر میں — تلاش کیمیا ہے اور میں ہوں
دعا بھی مال و دولت کی نہ مانگو — ہمیشہ یہہ دعا ہے اور میں ہوں
تمنا دولت و حشمت کی بے جا
دبیر آخر فنا ہے اور میں ہوں

سلام (۲)

السلام اے قبر زیبائے حسینؑ — نورِ حق خاکِ شفا جائے حسینؑ
اپنے صاحب سے سفارش کر مری — کربلا میں یاد فرمائے حسینؑ
پھر نہ کعبہ کو نہ یثرب کو گئے — کربلا میں کس گھڑی آئے حسینؑ
زلفوں میں آہستہ کنگھی کرتی تھیں — کس قدر زہرا تھیں شیدائے حسینؑ

قطعہ تصویرِ واقعہ

بیٹا اٹھارہ برس کا جب موا — گھر میں دل پکڑے ہوئے آئے حسینؑ
بانو نے زینب سے آہستہ کہا — میرے اکبر کو نہ کیوں لائے حسینؑ
بولے شہ امت پہ صدقے کرنے کو — لائے اصغر کو بھی لیجائے حسینؑ
مرقدِ صغرا سے آتی ہے ندا — کیوں مدینہ والو گھر آئے حسینؑ
لاشۂ اکبر کو کہایا اے فلک — خوب پوری کی تمنائے حسینؑ
تشنگی میں روح تازہ ہوتی تھی — شکر خالق تھا مسیحائے حسینؑ
پیاس پر سب کی گواہی دینے کو — نہر پر اب تک ہے سقائے حسینؑ

قطعہ تصویرِ واقعہ

ایک دن صغرا نے نانی سے کہا — آج میرے خواب میں آئے حسینؑ
دونوں ہاتھوں پر تھی اک ننھی سی لاش — حیف گھر چھوٹے سفر کو چھوڑ آئے حسینؑ
عرض کی میں نے حضور آئیں گے کب — دیکھ کر منہ میرا شرمائے حسینؑ
رو کے بولے اتنی بھی فرصت نہیں — جو ترے بابا کو کفنائے حسینؑ
غم نہیں طوفانِ محشر کا دبیرؔ — اپنی کشتی ہے تولائے حسینؑ

سلام (۳)

مجرئی کیا حوصلہ تھا اصغرِ بے شیر کا — ہنس دیا جب حلق پر ناوک لگا بے پیر کا

وقت رخصت قاسم و کبریٰ کا یہ عالم رہا	سامنا تصویر سی ہو جس طرح تصویر کا
شمر نے پوچھا یہ کیوں لب آپکے جنبش میں تھا	شہ نے فرمایا مزہ لیتا ہوں میں شمشیر کا
سر جھکا کر زیر خنجر بولے شہ پڑھتے نماز	موت سر پر ہے گھڑی اب وقت ہے تکبیر کا

نمبر ۳ کا سلام مرزا صاحب مرحوم کا ابتدائی زمانہ شاعری کا سلام ہے۔ (ہر قسم کا کلام) ہر زمانہ کا کلام دکھانا میرا فرض ہے۔ اس لئے اس قسم کی سلاموں سے بھی اشعار انتخاب کئے۔ ذیل کا سلام ایک شکل طرح میں ہے۔ جو میر خلیق مرحوم کی زمانہ میں میرزا صاحب مرحوم نے فرمایا ہے۔ اس کا پتہ اس شعر سے ملتا ہے ؎ تعریف دبیر اپنی ہے مصراع خلیق اب۔ ٹھنڈی تھی زمیں گو کہ یہ بیتیں ہوئیں کیا گرم۔ یہ نہیں معلوم کہ اس زمیں میں میر خلیق مرحوم نے بھی سلام فرمایا تھا۔ یا محض مرزا دبیرؔ مرحوم کے سلام کو سن کر ایک مصرع تعریف میں فرما دیا۔ جس کو مرزا صاحب نے تضمین کر دیا۔

سلام (۴)

اے مجرئی اس بحر میں وہ شعر سنا گرم	جو مطلع خورشید سے مطلع ہو سوا گرم
اے مجرئی اشک آتے ہیں ہنگام بکا گرم	ٹھنڈی ہے تری آہ یہ تاثیر ہے کیا گرم
اے مجرئی بس ہوتی ہے بازار قضا گرم	سر دینے پہ تھے شمع سی شہ کی رفقا گرم
کہتے تھے علی ہے یہ شہادت گہ شبیر	اے دیدۂ تر رن میں نہ رکھنا کوئی جا گرم
اکبر نے زبان شہ دیں لیکے دہن میں	کی عرض زباں آپکی کیا خشک ہے کیا گرم
چادر نہ میسر ہوئی لاش شہدا کو	ہاں دھوپ کی گردوں نے اڑھائی تھی ردا گرم
عابد نے کہا پڑ گئے تلووں میں پھپھولے	یہ دھوپ سے ہے خاک بیاباں بلا گرم
یہ سوز غم تشنہ تھا صغریٰ کے جگر میں	جو حلق سے ہوتی تھی اترتے ہی دوا گرم
یہ دھوپ تھی فاطمہ کے لال نے رن میں	جو تن میں یہ زرہ ہو گئی بالائے قبا گرم
تعریف دبیر اپنی ہے مصراع خلیق اب	ٹھنڈی تھی زمیں گو کہ یہ بیتیں ہوئیں کیا گرم

سلام (۵)

خاک اُس کے منہ میں جو اسکو کہے گلشن کی خاک
نور ہے ای مجرئی شبیر کے مدفن کی خاک

تیغ قاتل کہتی ہی کاٹی نبی کی بوسہ گاہ
اس گنہ سے ہو گئی سب آبروٓ آہن کی خاک

لاشہ بے سر پہ شہ کے کرتی تھی زینب بین
پوچھتا کوئی نہیں اس خون بھری گردن کی خاک

جذبہ الفت سے قطرے عین دریا ہو گیے
پنجتن میں مل گئے آخر بہتر تن کی خاک

چاندنی اور دھوپ کی ہم پر حقیقت کھل گئی
رات دن اڑتی ہے شہ کے مرقد روشن کی خاک

قبر کی راحت ہے کیا اخلاص ابن بو تراب
دین کی دولت ہے کیا شبیر کے دامن کی خاک

شمر و حر کی زشتی و خوبی سے یہ ثابت ہوا
وہ جہنم کا دھواں یہ خلد کے گلشن کی خاک

مرہم زخم گنہ پوچھا جو عیسیٰ سے دبیرؔ
لکھ دیا نسخہ لگا شبیر کے مدفن کی خاک

سلام غیر منقوط (۶)

مسطور اگر کمال ہو سرور امام کا
مصرع ہمارا سرو ہو دار السلام کا

حاصل سر عمر کو مرصع کلاہ واہ
در دا اسیر علم سر اطہر امام کا

اس طرح محو حمد رہا سرور امم
اعدا کو حوصلہ ہوا مدح امام کا

در دا لہو امام امم کا حلال ہو
سہل اس طرح ہو مسئلہ امر حرام کا

قطعہ

ہر سو وہ آمد آمد سردار دوسرا
اور ہمہمہ وہ ادھم صرصر لگام کا

کہرام ملک ہوا ہو ہوم کو کہہ
سو کہا لہو اسد و گرگ و دام کا

ڈر کر ادھر کو گم ہوا عمر عدو کا ماہ
طالع ہوا ہلال ادھر کو حسام کا

محروم گور احمد مرسل کا لاڈلا
سردار دہر آہ دلدہو حرام کا

آرام گور کا ہوا گر دل کو مدعا
ہر سال و ماہ سوگ رکھا کر امام کا

ہر دم ملا حرم کو وہ درد و الم کہ آہ
روح رسول کو ہوا صدمہ مدام کا

میرزا دبیر مرحوم نے جس مجلس میں غیر منقوط مرثیہ پڑھا تھا۔ جس کا مطلع یہ ہے

سے مہر علم سرورا کرم ہوا طالع۔ اسی مجلس میں بطور پیش خوانی میرے نانا (میر محمد رضا صاحب ظہیر) مرحوم نے یہہ سلام پڑھا تھا۔ جس کی کیفیت خود ان مرحوم نے تنقید آب حیات میں لکھی ہے۔

سلام (۷)

۷ ہے عکس گیسو و رخ اکبر کہاں کہاں — سنبل کہاں کہاں ہے گل تر کہاں کہاں
کوفہ میں کربلا میں بقیعہ میں طوس میں — مدفون ہوئے بتول کے دلبر کہاں کہاں
گلزار میں جناں میں ختن میں تتار میں — پھیلی ہے نکہت گل حیدرؑ کہاں کہاں
گل میں شفق میں لعل میں خورشید میں — ہے رنگ خون کشتۂ خنجر کہاں کہاں
صفین میں جمل میں احد میں تبوک میں — تنہا لڑے ہیں فاتح خیبر کہاں کہاں
خورشید میں قمر میں ستاروں میں سربسر — ہے نور آفتاب پیمبر کہاں کہاں۔
تنور میں شجر میں خزانہ میں طشت میں — تھا ایک مصحف سر سرور کہاں کہاں
فرق عدو میں سینہ میں جوشن میں زین میں — در آئی ذوالفقار دو پیکر کہاں کہاں
بغداد میں عراق میں خیبر میں شام میں — تھے جمع قتل شہ کو ستمگر کہاں کہاں
یثرب میں نینوا میں یمن میں مدینہ میں — تھا قتل شہ کا شیون و محشر کہاں کہاں
دنیا میں آخرت میں سقر میں بہشت میں — ہے اختیار حیدر صفدرؑ کہاں کہاں
دربار میں خرابے میں جنگل میں شہر میں — دردا گئی حسینؑ کی خواہر کہاں کہاں
بستی میں جنگل میں ترائی میں کوہ میں — شہ کو لئے پھرا ہے مقدر کہاں کہاں
دریا میں تشنگہ میں نیستاں میں چاہ میں — حضرت نے ڈھونڈھا لاشۂ اکبر کہاں کہاں
مقتل میں خیمہ گاہ میں زنداں میں راہ میں — رودے پدر کو عابد مضطر کہاں کہاں
غربت میں گھر میں قبر میں محشر میں اے دبیر — آئے مدد کو ساقی کوثر کہاں کہاں

سلام (۸)

گئے سوئے میداں جو اکبر دوبارا — سلامی ہوا گھر میں محشر دوبارہ
عجب تفرقہ تھا تن و سر میں جس سے — ہوا دفن فرزند حیدرؑ دوبارہ

کہا اُس دم نے یہہ مرنیکی جلدی　　نہ ہچکی بھی لی تونے اکبر دوبارہ
کہا شہ نے کیا تیر ظالم نے مارا　　کہ تڑپا نہ ہاتوں پہ اصغر دوبارہ
اوجاڑا تہا ای چرخ کس طرح تونے　　بسا جو نہ سادات کا گہر دوبارہ
دبیر ایک خوبی طبیعت کی یہہ ہے　　کہ ثابت کیا جا بجا ہر دو بارہ

سلام ۹

گنہ کے مرض کی دوا چاہیئے !!!　　سلامی کو خاک شفا چاہیئے !
نہ مسند نہ ظل ہما چاہیئے !!　　سلامی درِ مرتضی چاہیئے !

قطعہ

گیا حر جو اُن میں تو بولا عمر !　　شجاعوں کی خاطر وفا چاہیئے !
پہر اے حاکم وقت سے بے سبب　　تجھے اس خطا کی سزا چاہیئے !
لے اب بھی پشیمان ہو باز آ　　اگر مال و جاں کی بقا چاہیئے
کہا حر نے منہ پہیر کر دور ہو　　ہمیں پاس آل عبا چاہیئے
حلالی نہیں لیتے مال حرام　　عطائے شہ ہل اتے چاہیئے
خدا بھی ملا پہ بخشش بھی سلے۔　　پہر اب اور بندے کو اور کیا چاہیئے
نبی کے نواسے کا قاتل ہے تو　　حیا تجھکو اے بے حیا چاہیئے
برائی کا حاکم کی کیا خوف ہے　　خدا مجھہ سے میرا بھلا چاہیئے

کہا شہ نے زینب یہہ ہیں چند سال　　نہ اکبر کو حد سے سوا چاہیئے

قطعہ

حر آیا تو فرمایا شبیر نے　　تو مہماں ہے آب و غذا چاہیئے
وہ بولا کہ فانی ہیں سب نعمتیں　　فقط آب تیغ قضا چاہیئے
تصدق کرے شکر غلام آپ پر　　خداوند نعمت رضا چاہیئے

کہا شہ سے عباسؑ نے یا امامؑ ترائی کی ٹھنڈی ہوا چاہیئے!

جوانی گئی پیری آئی دبیر

سوئے کربلا اب چلا چاہیئے!

سلام (۱۰)

جو کہ مصروف سلام شہدا رہتا ہے گو وہ رہتا نہیں پر نام سدا رہتا ہے

اے فلک بعد فنا کاٹے گئی دست حسینؑ اک نہ اک ظلم ترے گھر میں نیا رہتا ہے

شمر کہتا تھا یہی ماں سے علی اکبر کی جس کا اک ہات کلیجہ پہ دھرا رہتا ہے

شاہ دیں لاشہ اکبر پہ کھڑے کہتے تھے ہوش اس جا نہیں انساں کا بجا رہتا ہے

شاہ کہتے تھے کہ کیا ذائقہ تیر جفا کہ لب زخم میں تا دیر مزا رہتا ہے

شمر سے شہ نے کہا پاؤں نہ رکھ سینے پر یہیں گنجینۂ اسرار خدا رہتا ہے

کہا بانو نے میں زنداں میں ہوں اکبر زیر روح رہتی ہے جدا جسم جدا رہتا ہے

قطعہ

رو کے یہ ہند کی بیٹی نے سکینہ سے کہا سر ترا کس لیئے ہر وقت کھلا رہتا ہے

وہ لگی کہنے یتیمی کی نشانی ہے یہ کرتہ بے وارثے بچوں کا پھٹا رہتا ہے

باپ مارا گیا۔ بھائی موئے زندانیں بہنیں اس مصیبت میں بھلا ہوش بجا رہتا ہے

قطعہ

خواب میں آن کے عابدؑ سے یہ شہ نے پوچھا اے پسر قید میں کیا حال ترا رہتا ہے

کہا سجادؑ نے اشک آنکھوں میں لب پر فریاد پاؤں زنجیر میں رسی میں گلا رہتا ہے

ہے یہ شرمندگی پانی کے نہ پہنچانے کی نیزے پر بھی سر عباسؑ جھکا رہتا ہے

طوف کعبہ کا تجھے شوق ہے از بسکہ دبیر مضطرب دل صفت قبلہ نما رہتا ہے

سلہ میرے نزدیک یہ شعر بھی ان لاجواب شعروں میں سے ہے جنکو سہل ممتنع کہتے ہیں۔ ۱۰۔ مولف

سلام ۱۱

سلامی ذرہ نہ دوں آفتاب کی بدلے | نہ لوں میں عرش درِ بوتراب کے بدلے
ہے قطع فاطمہؑ پر جامۂ عزاداری | نہ کپڑے بعد رسالت مآب کے بدلے
عرق گُل رُخِ سرور کا روزِ عاشورہ | شہید ملتے تھے عطرِ گلاب کی بدلے
ہوئی جو ماتمِ اکبر میں شہ کی ریش سفید | لگایا خون پسر کا خضاب کے بدلے
جلائے لشکرِ ناری نے وہ خیامِ حسینؑ | تھے جن میں رشتۂ ایماں طناب کے بدلے
سیاہ پوش حرم اور سرخ پوش حسینؑ | فلک نے رنگ کئی انقلاب کے بدلے

قطعہ

کہا امام نے حجت میں ختم کرتا ہوں | لعینو تیر نہ مارو جواب کے بدلے
بھلا امام تمہارا یزید ہے میں نہیں | کتاب کون ہے ام الکتاب کی بدلے

دیا جو قاصدِ صغراؑ نے خط تو شہ نے کہا | پیامِ مرگ ہے بھائی جواب کے بدلے
چڑھے ہے جہاد پہ جو صبح غازیانِ حسن | تو رنگ عکسِ شفق تھا خضاب کی بدلے
مثالِ قبلہ نما کو جو دل ہے شاہ کی دوں | قرار قطب کو ہوا اضطراب کے بدلے۔
نہ کیوں حسینؑ کے روضہ میں ہو دعا مقبول | کہ نصب باب اجابت ہے تا بلب کی بدلے

دبیر مجھ کو جو آٹھوں بہشت دے رضواں
نہ لوں میں ایک درِ بوتراب کے بدلے

سلام (۱۲)

مجھ کو یادِ حق ہے یادِ علیؑ! | لوحِ دل پر رقم ہے نادِ علیؑ
خلد کیا ہے محبتِ حیدر | قعرِ دوزخ ہے کینۂ عنادِ علیؑ
دفترِ حشر میں صحیح نہیں! | فردِ ایماں بغیر صلۂ علیؑ
ہے جگہ خلد میں محبوں کی | دلِ مومن میں جنبشِ یادِ علیؑ
خلد و طوبیٰ و نہر کوثر ہے | کاغذ و خامہ و مدادِ علیؑ

چار عنصر ہیں قالب دیں کے — فضل و احسان و عدل و دادِ علیؑ
بابِ فردوس فتح کر دینگے — قبر میں ہم پڑھینگے نادِ علیؑ
شبِ معراج ساتھ ساتھ رہے — کیا نبی سے تھا اتحادِ علیؑ
تیغ سائل کو بخشدی دمِ جنگ — کیا خدا پر تھا اعتمادِ علیؑ
ہیں علیؑ خانہ زادِ ربِ حرم — زادِ ایماں ہے خانہ زادِ علیؑ
ہر مرض کی دوا ہے خاکِ شفا — ہر بلا کی سپر ہے نادِ علیؑ
کیوں نہ چار آئینہ ہو مومن کا — ہے رباعی کی قطع نادِ علیؑ
بولی قبرِ حسینؑ پر زینب — خاک میں مل گئی مرادِ علیؑ

سلام (۱۴۶)

پاؤں سجاد کا اے مجرئی زنجیر میں ہے — دم گلے میں ہے گلا طوقِ گلوگیر میں ہے
شاہ نے ساقیٔ کوثر سے کہا ذبح کے وقت — آبِ کوثر کا مزہ خنجرِ بے پیر میں ہے
کوچ کرتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ دنیا سے — کوسِ رحلت کی صدا نعرۂ تکبیر میں ہے
زیرِ خنجر بھی نہ تڑپا پسرِ شیرِ خدا؎ — یہ تکلف تو فقط فاطمہ کے شیر میں ہے
شاد ہو شاد کہ شبیر کے صدقے سے دبیر
باغِ فردوس بریں کا تری جاگیر میں ہے

سلام (۱۴۷)

مجرئی ہے سوگوارِ ماہِ حیدرؑ چاندنی — اشک شبنم میں ٹپکا کرتی ہے شب بھر چاندنی
مجرئی فرشِ نجف سے کب ہو ہمسر چاندنی — چاندنی چار و تو چھپتی ہے زمیں پر چاندنی
اے فلک اندھیری ہے عابد کا زنداں بے چراغ — اے زمیں کیا قہر ہے دنیا میں گھر گھر چاندنی
تا کمالِ چاردہ معصوم روشن سب پہ ہو — چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی

؎ اس شعر کی خوبی سخن فہم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مولوی ڈپٹی سید مہدی علی خاں مرحوم نے جو ہمارے زمانہ میں یکتائے علم ادب گذرے ہیں اپنی کتاب "شہاب ثاقب" کے صفحہ ۱۳ پر اس شعر کی نسبت لکھا ہے کہ یہ دلیل زبردست اعجاز کی ہے شعرائے متقدمین میں سے ہے۔ کہ ایسا شعر اسی معنی میں بلکہ قریب معنی میں بھی کبھی بالفاظ دیگر دوسروں سے نہیں ہو سکتا۔

شمر نے چاہا کہ حضرت سے جدا عباسؑ ہوں ۔ یہ نہ سمجھا چاند سے چھوٹیگی کیونکر چاندنی
مال و زر کا کیا بھروسہ چاہیئے فکر مآل ۔ فی المثل ہے چار دن کی پھر تونگر چاندنی
خاکساروں کا ہر اک شے سے دامن پاک ہے ۔ گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی
مہدیؑ دیں میں نہاں فیض ائمہ سے عیاں ۔ چاند جیسے ابر میں اور جلوہ گستر روشنی
بے سوادوں کو نہیں تمیز حسن و قبح نظم ۔ جانتا ہے کور سایہ کے برابر چاندنی
ای خوشا طالع کہ ہے نام حسن سے ہم عدد ۔ کیوں نہ ہو روشن دلوں میں نام آور چاندنی
اشتیاق سیر جنت دیتی تھی بے شیر کو ۔ قاصد نہر لبن تھی بہر اصغر چاندنی
احمد مختار میں نور خدا کے آسماں ۔ حیدرؑ و زہراؑ قمر شبیرؑ و شبرؑ چاندنی
شام سے سامان صبح قتل کرتی تھی شہید ۔ نور کا تڑکا تھی بہر فوج سرور چاندنی
ہو گیا تھا خون غم سے خشک رنگت تھی سفید ۔ فرش پر سجاد کا تھا جسم لاغر چاندنی
جب طلایہ کا کیا ماہ بنی ہاشم نے عزم ۔ روشنی لیکر بڑھی پیش دلاور چاندنی

اک مہ داغ عزا میں کتنے جلوے ہیں دبیر
قبر پر باہر چراغاں اور اندر چاندنی

لطیفہ

حکیم قدیر الدولہ قدیر مرزا متخلص بہ قدیر مرحوم نے بھی ایک سلام قریب زمانہ غدر ۱۲۷۳ھ اسی زمیں میں کہا تھا۔ میر نواب صاحب مونس مرحوم کا بھی سلام اسی زمیں تھا جو اسی زمانہ میں قریب غدر ۱۲۷۳ھ میں تصنیف و مشہور ہوا تھا۔ قدیر کا سلام مجلس میں سننے کے بعد ایک صاحب نے (جن سے قدیر مرحوم سے مزاح ہوتی تھی) ابعد اختتام مرثیہ فرمایا ؎

آپ کے گھر میں تھی کب ای بندہ پرور چاندنی ۔ میر مونس کی چرا لائی ہو جا کر چاندنی

وہ صاحب تو غالباً اثنائی مجلس میں فکر فرماتے رہے ہونگے۔ مگر قدیر مرحوم نے فی البدیہہ کہکر یہ شعر ان کو جواب میں سنا دیا ؎

خاک سوجھی آپ کو قبلہ رتوندی آتی ہے ۔ شیخ ناسخ کہہ گئے ہیں سب سے بہتر چاندنی

اور پھر کہا۔ کہ جناب شیخ ناسخ نے یہ غزل اُس زمانے میں کہی تھی جب تک میر مونس شائد پیدا بھی نہ ہوئے ہونگے۔ حاضرین نے اس حاضر جوابی کی بہت تعریف کی۔ واقعی سب سے اول اس طرح میں شیخ ناسخ مرحوم نے غزل فرمائی۔ یہ زمانہ غالباً نواب غازی الدین حیدر شاہ اودھ مرحوم کا تہا۔ میرزا دبیر مرحوم کا بھی اُس زمانہ میں شہرہ ہوچکا تھا۔ انہوں نے بھی اُسی زمانہ میں یہ سلام فرمایا۔ اُس کی بھی بہت شہرت ہوئی۔ میر مونس مرحوم اُس زمانہ میں غالباً بچہ ہونگے۔ کیونکہ جہانتک مجھہ کو علم ہے۔ میر مونس مرحوم میر نفیس مرحوم سے صرف ۲ سال بڑے تھے۔ اور میر انیس صاحب مرحوم نے میر مونس کو مثل فرزند کے پالا تہا۔ حقیر نے یہ حال اس لئے لکہا کہ بعض ناواقف اس لطیفہ کو بجائے قدیر مرحوم کے مرزا صاحب مرحوم سے منسوب کردیتے ہیں۔ ان کی ناواقفی ان کی عذر خواہی۔ حکیم قدیر الدولہ مرحوم کا حال اور اُن کے سلام کے (جو اسی زمین میں ہے۔ چند شعر ہم آئندہ باب تلامذہ مرزا صاحب مرحوم میں لکھیں گے۔ میر مونس مرحوم کا سلام ان کے کلیات میں دیکھیئے۔

مَعذرت

مجھے ناظرین معاف فرمائیں میں نے سلام بہت کم انتخاب کئے اور جو شخص مرزا صاحب مرحوم کا کلیات دیکھے گا۔ اس کو بعض موقعہ پر یہی خیال یا افسوس ضرور ہوگا۔ کہ ثابت نے اچھے اچھے شعر نہیں انتخاب کئے۔ مگر اس کی دو وجہیں ہیں (۱) کہ خوف طول مانع ہے۔ کہ ابھی مرثیوں وغیرہ کا انتخاب شروع ہی نہیں ہوا۔ سمندر میں سے آدمی کیا کیا انتخاب کرے (۲) میری پسند بھی شائد بعض طبیعتوں کو ناپسند ہو۔ اس موقعہ پر میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن بعض اشک دریا کو موتی پسند۔ مذاق اپنا اور اپنی اپنی نظر ہے۔ (۳) پست و چست ہر قسم کا کلام دکہانا میرا کام ہے۔ تاکہ اصل رنگ شاعر کی طبیعت کا معلوم ہو سکے۔ ورنہ چست و منتخب کلام تو خواہ مخواہ اچھا ہی ہوگا۔ خواہ شاعر کسی پایہ کا ہو۔

انتخاب مراثی

باب چہارم مضامین

حمد باری تعالیٰ

(۱) طغرا نویس کن فیکون ذوالجلال ہے — فرمانِ حق میں سلطنت بےزوال ہے
بندے سے ہو خدا کی ثنا یہ محال ہے — اس جا زبانِ طوطیِ سدرہ کی لال ہے
عالم کو اپنے زور کا عالم دکھا دیا
ظلمت کو نور خاک کو آدم بنا دیا

ترغیب عبادت خدا و توحید

خورشید کا غروب قمر کا طلوع ہے — آخر ہوئی جو شب تو سپیدہ شروع ہے
ہر ایک سوئے قبلۂ طاعت رجوع ہے — ظاہر ہے ماہِ نو سے کہ سرگرمِ رکوع ہے
لطف و غضب سے چہرے سفید و سیاہ ہیں
وحدت پر اس کی شام و سحر دو گواہ ہیں

اب اس بات کا بیان فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے آفتاب اور بادل اور ستارے وغیرہ جو پیدا فرمائے ہیں۔ ہر چیز اپنے کام پر سرگرم ہے۔ اور تمام دنیا کے کام رات دن جاری ہیں۔ اس سے قادرِ مطلق کی صنعت و خلقت ظاہر ہے۔ فطرۃ اللہ (نیچر) کی تعریف دیکھو کس خوبی سے فرمائی ہے۔

ابری ہی مشقِ خامۂ قدرت ہر اک سحاب — دھوتا ہے اس کو خادمِ باراں بآبِ ناب
ابری کی خشک کرنے پہ سرگرم آفتاب — ہر نقطہ مثلِ اخترِ تابندہ انتخاب
جاری جو نقش بندِ ازل نے قلم کیا
کیا خوب شش جہت کا مسدس رقم کیا

خدا کی رحمت اور عام بخشش و انعام کی جامع تعریف دیکھیے

اے جلّ شانہٗ وہ غفور الرحیم ہے — ہم سب ہیں دردمند وہ کل کا حکیم ہے
رحمٰن و مستعان و رؤف الرحیم ہے — اس کے سوا بھلا کوئی ایسا کریم ہے

ایمان بھی دے مراد بھی دی عزّو جاہ بھی   روزی بھی بخشی خلد بھی بخشے گناہ بھی

واضح ہو کہ اس بند کے پہلے مصرع میں ہم نے غفور الرحیم میں موافقت رہنے کیلئے الف لام رحیم پر نہیں لانا چاہیئے تھا۔ بلکہ غفور رحیم لکھدینا تھا۔ کہ تقطیع شعر بھی درست رہتی اور دونوں اسماء غفور و رحیم میں۔ موافقت بھی ہوتی۔ ایسے صاحبان علم کی خدمت میں گذارش ہے کہ اردو کی ٹکسال پر چڑھا ہوا لفظ غفور الرحیم ہی ہے۔ اس لئے اردو میں یوں ہی فصحا بولتے ہیں اور یونہی لکھنا چاہیئے۔ مصرع نمبر ۵ و ۶ میں ملاحظہ فرمائیے۔ کس خوبصورتی سے خدا کے اکرام کو بیان فرمایا ہے۔ کہ وہ بندہ کو رزق بھی پہنچاتا ہے۔ مراد بھی دیتا ہے۔ عزت و آبرو بھی عطا فرماتا ہے۔ ایمان کی بھی توفیق عنایت کرتا ہے۔ گناہ بھی بخشتا ہے۔ جنت میں بھی جگہ رہنے کو کرامت فرماتا ہے۔ ایسے بڑے مضمون کو ایسے مختصر نظم میں ادا فرمایا ہے۔ یہ بلاغت کی شان ہے ؛

اب مصنف علام۔ اشرف مخلوقات۔ انسان پر خدا کی بخشش کو بیان کر دینے کے بعد تمام جمادات و اجرام و نباتات پر خدا کی بخشش و فیض رسانی کو بیان فرماتے ہیں۔ ۵

ماہی کو آب ماہ کو بخشا ہے قرص ناں   تاروں کو نقل شمس کو نور آسماں
نرگس کو آنکھ غنچہ کو گل سرو کو زباں   پتھر کو لعل کوہ کو بخشی شکوہ و شاں
قطرے کو دُر عطا کیا ذرّے کو زر دیا
ہر خشک و تر کو فیض سے آسودہ کر دیا

ماہی[۱]۔ ماہ[۲]۔ تارے[۳]۔ آفتاب[۴]۔ نرگس[۵]۔ غنچہ[۶]۔ سرو[۷]۔ پتھر[۸]۔ پہاڑ[۹]۔ قطرہ[۱۰]۔ ذرّہ[۱۱]۔ ان ۱۱ چیزوں کو بیان فرما کر ان کیساتھ ساتھ جو جو چیز جس جس چیز کو عطا فرمائی ہے۔ اسکو ظاہر فرما دیا ہے۔ وہ چیزیں بھی گیارہ (۱۱) ہیں۔ اب ۵ مصرعوں کو دیکھیے اور ۲۲ چیزوں کو خیال فرمائیے۔ چھٹے مصرعہ میں باقی جو چیزیں تمام جہان کی رہ گئیں ان کو بیان فرما گئے۔ (ع۔ ہر خشک و تر کو فیض سے آسودہ کر دیا) تاکہ جامع اور مانع تعریف ہو جائے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ کوئی چیز ایسی نہیں۔ کہ جس کو اس کریم کارساز

نے کچھ نہ کچھ بخشا نہ ہو۔ یہ چند بند ان تمام خدا کے بندوں کی خدمت میں یہ حقیر
پیش کرتا ہے۔ جو خدا کے ماننے والے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ اُردو کے شاعروں کا تو کیا
ذکر ہے۔ عرب و عجم اور یورپ کے شاعروں نے بھی حمد باری تعالیٰ ایسی خوبی اور
خوبصورتی اور ایسی اختصار کے ساتھ نظم کی ہے۔ یا یہ خاص حصہ مرزا دبیر مرحوم کا ہے
اس کے ساتھ تاثیر نظم بھی دیکھیں کہ دل پر خدا کی عظمت و رحمت کا کیسا اثر ہوتا ہے۔
مجھے خوب یاد ہے کہ ایک محفل میلاد شریف میں ایک صاحب نے ان بندوں کو بطور سوزخوانی
پڑھا تھا۔ سامعین بیتاب ہو گئے تھے۔ وہ سماں آج تک نظر میں ہے۔

نعت سرورِ کائنات

واضح ہے کہ حمد کے بعد یہ نعت فرمائی ہے۔ حمد سے نکل کر کوچہ نعت میں جس خوبی
کے ساتھ آتے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ جب ایک بات کہتے کہتے شاعر دوسری
بات چھیڑ دیتا ہے۔ اس کو تشبیب اور گریز کہتے ہیں۔ قصائد میں اس کا لطف دیکھنے کے
قابل ہوتا ہے۔ اکثر ناقص شاعروں کی بے ربطی کھل جاتی ہے۔ اور سامع کی طبیعت
کو ایک کوچہ سے دوسرے کوچہ میں آنا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اور جو کامل شاعر ہیں وہ اس
دشوار راہ کو بہت آسانی سے طے کر جاتے ہیں۔ سامع کو بجائے ناگوار ہونے کے
اچھا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب مرحوم دیکھئے کس آسانی سے اس وادی حمد
کو طے فرما کر گلشن نعت میں پہنچتے ہیں۔

کیا کیا بیاں کروں میں عنایات کبریا ۔۔۔ بیملا پیمبروں کو پئے رہبری کیا
ہم کو محمد عربی سا نبی دیا ۔۔۔ بسم اللہ صحیفۂ فہرست انبیاء
آگے جو انبیاء ذوی الاقتدار تھے
محبوب کردگار کے وہ پیشکار تھے

(ہدایت حضور صلعم)

آفاق بہرہ ور ہوا حضرت کی ذات سے ۔۔۔ آگاہ ذات نے کیا حق کی صفات سے

تصدیق حکمِ حق کی ہوئی بات بات میں
رفتار نے لگا دیا راہِ نجات سے
سیکھے طریقے قربِ خدا کے حضور سے
گمراہ آئے راہ پہ نزدیک و دُور سے

قرب اور حضور۔ اور گمراہ و راہ اور نزدیک و دور میں رعائیت لفظی ہے۔ مگر بے تکلف بھرتی نہیں ہے۔ رعائیت لفظی کا لطف یہہ ہے۔ ورنہ پھر ضلع جگت ہو جاتا ہے

(معجزۂ شق القمر)

سینوں سے سب کی دُور ہوا درد بیدلی
باقی رہی نہ پیروں میں سستی و کاہلی
معراج ان کو ہات سے معراج کو ملی
واں چاند ٹکڑی ہو گیا انگلی جو یاں ہلی
انگلی سے وہ قمر کو کیا کس جلال سے
غل تھا کہ قفل چاند کا کھولا ہلال سے

حضور کے جسمِ اقدس میں سایہ نہ تھا۔ اس کی مضامین

سر تا قدم لطیف تھا پیکر مثالِ جاں
اس وجہ سے نہ سایۂ بدن کا ہوا عیاں
قالب میں سایہ ہوتا ہے پر روح میں کہاں
سایہ انہیں کا ہے یہ زمینوں پہ آسمان
معراج میں جو وارد چرخ نہم ہوئے
سایہ کی طرح راہ سے جبریل گم ہوئے

سایہ میں ڈھونڈتا تھا رسولِ غیور کا
سایہ کے بدلے مل گیا مضمون نور کا
قالب جو بن چکا ملک و جن و حور کا
تقسیم شمعوں میں ہوا سایہ حضور کا
سایہ سے ان کے شمعوں کے پر نور دل بنے
دل بن چکے تو دیدۂ حق بین کے تل بنے

انداز ایک سایہ کا ہر جا جدا ہوا
ظلمت میں خضر کیلئے آب بقا ہوا
جنت میں چشم حور کا وہ طوطیا ہوا
اوج ہوا میں شاہوں کیلئے ظل ہما ہوا
بالعکس یہہ مقولے ہیں اہلِ شعور میں
اندھیر ہے جو سایہ ہو خالق کے نور میں

مضامین سایہ پر شاعرانہ تفاخر

سایہ بدن کا پاس ادب سے جدا رہا   محبوب سے ہمیشہ وصال خدا رہا
یہ عاشق خدا بھی خدا پر فدا رہا   سایہ سے اپنے دور رسول ہدا رہا

دیکھو یہ باغ نظم جو زینت ہو سیر کی
پرچھائیں تک نہیں یہاں مضمون غیر کی

(الفقر فخری)

مصرف میں اک عبا کو شب و روز لاتے تھے   آدھی تو اوڑھتے تھے اور آدھی بچھاتے تھے
سائل کو اپنا قوت خوشی سے کھلاتے تھے   امت کے بھوکے رہنے کا خود رنج کھاتے تھے

ناداروں کا قلق سے افاقہ پسند تھا
اپنا اور اپنی آل کا فاقہ پسند تھا

حلم و رحم و توکل حضور صلعم

لوح جبیں پہ سنگ لگا بد دعا نہ کی   بیگانوں کے گلہ سے زبان آشنا نہ کی
اور عین عارضہ میں نظر جز خدا نہ کی   بخشی شفا مریضوں کو اپنی دوا نہ کی

شکر عافیت پہ تحمل بلا پہ تھا۔
ہر حال میں نبیؐ کو توکل خدا پہ تھا

اس بیت میں دو قافیہ ہیں۔ ایک تحمل اور توکل۔ دوسرا بلا و خدا۔ مگر ایسی بے تکلفی سے دونوں قافیہ نظم فرمائے ہیں۔ کہ جب تک غور سے نہ دیکھو تو قافیہ کی تنگیاں نہیں گذرتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دریا موجیں مارتا ہوا چلا آتا ہے۔

نعت

دوسری بحر کے مرثیے سے ؎

سرسبز ہو یارب سخن اس ہیچمداں کا   یہ بیت غزل قطعہ ہے باغ جناں کا
فوارہ چھٹے کوثر معنی و بیاں کا   کلمہ پڑھے ہے بلبل میری طوطی زباں کا
ذکر اس کے سخن کا ہے جو فخر فصحا ہے

خود آیۂ رحمت ہے سخن وحیِ خدا ہے

وہ کون رسول جزو کل خطبہ ایماں — سرتاج فصیحان عرب آیۂ عرفاں
شیرازۂ ہر جلد فلک قالب قرآں — استاد دلبستان ازل نائب یزداں
جانے وہ شرف ان کا جو قرآں کو جانے
قرآں سے اوّل انہیں بھیجا ہے خدا نے

علم اُن کا ہے جو فرش پہ وہ عرش بریں پر — اس علم سے احمدؐ کا قدم ہے سر دیں پر
روشن ہے جلال شہ دیں اہل یقیں پر — حق عرش پہ مدّاح ہے انساں زمیں پر
سب حال ہے آئینۂ دل خیر امم پر
دو نقطوں کے مانند دو عالم ہیں قدم پر

یہہ بند کسی قدر دقیق ہے۔ اس لئے عرض کرتا ہوں۔ کہ اس مصرع (اس علم سے احمد کا قدم ہے سر دیں پر) کا یہہ مفہوم میرے ذہن ناقص میں ہے۔ (۱) کہ احمد کا قدم یعنی آخر حرف دال ہے۔ اور دین کا سر یعنے پہلا حرف بھی دال ہے۔ پس احمد کا قدم دین کے سر پر ہے۔ یعنی حضور دین کے سر پر ہیں اور دین حضور کے سایۂ عاطفت میں نشو ونما پاتا ہے۔ بیت کا مفہوم یہہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں عالموں کا حال حضور کے دل روشن پر۔ آئینہ کی طرح روشن ہے۔ ع۔ دو نقطوں کی مانند دو عالم ہیں قدم پر۔ لفظ قدم میں دو نقطہ (قاف پر) ہیں۔ پس دونوں عالم حضور کے سامنے مثل دو نقطہ قدم کے ہیں۔

(معراج کا سبب)

مہماں جو کیا عرش معلی پہ تو کیا تھا — مشتاق نبی کے لب ولہجہ کا خدا تھا
شیریں سخن ایسا نہ رسولوں میں ہوا تھا — خالق نے سخن ان کیلئے خلق کیا تھا
الہام کا رتبہ سخن پاک سے جانا
قرآن کو قرآں دہن پاک سے جانا

ایک روز ایک مجمع میں کئی صاحب فرقہ اہل حدیث (غیر مقلدین) سے تشریف رکھتے تھے۔ اور بعض حنفی صاحبان علم بھی موجود تھے۔ قرآن و حدیث کا فرق بیان ہو رہا تھا۔ ایک

صاحب بولے ۔ قرآن وحی متلو ہے ۔ حدیث وحی غیر متلو ہے ۔ اس لئے کہ خدا فرماتا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ۔ میں نے کہا مرزا صاحب نے حدیث کی مدح میں ایک مرثیہ میں فرمایا ہے ۔ الہام کا رتبہ سخن پاک سے جانا ۔ قرآن کو قرآن دہن پاک سے جانا ۔ دونوں فریق یہ سنکر بیحد تعریف اور وجد کرنے لگے ۔ ایک صاحب بہت متعجب ہوکر فرمانے لگے ۔ مرثیوں میں ایسے ایسے مضامین بھی نظم ہوتے ہیں ۔ میں نے کہا مرثیوں میں دین و دنیا کی سب چیزیں قریب قریب موجود ہیں ۔ منبروں کو نظر آتے ہیں ۔ بعض حاضرین نے میرے قول کی تصدیق و تائید کی ۔

(نعت)

سرتاج سلیماں ہو نشان قدم انکا ۔۔۔ اک گوشہ سجادہ ہے بیت الحرم انکا
قرطاس فلک ۔ خامہ قدرت قلم انکا ۔۔۔ نوبت ہے اذاں کلمہ طیب علم انکا
مہر آخر ہر خط میں تتمہ کا نشاں ہے
ختم رسل احمد ہیں یہہ خاتم سے عیاں ہے

اول ما خلق اللہ نوری

نے روز نہ شب اور نہ خورشید و قمر تھے ۔۔۔ نے حور و ملائک تھے نہ جن تھے نہ بشر تھے
نے کوہ نہ دریا نہ بیاباں نہ شجر تھے ۔۔۔ لوح و قلم و عرش و فلک کے نہ اثر تھے
واللہ کہ نہ کچھہ بھی نہ تھا اور تھا بھی تو کیا تھا
بس ایک خدا دوسرا محبوب خدا تھا

منقبت جناب امیر

اہل عطا میں تاج سر اہل اتے یہہ ہیں ۔۔۔ اغیار لاف زن ہیں شہ لافتیٰ یہہ ہیں
خورشید انور فلک انما یہہ ہیں ۔۔۔ کافی ہے یہہ شرف کہ شہ قل کفیٰ یہہ ہیں
ممتاز گو خلیل رسولان دیں میں ہیں
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقیں میں ہیں

میں نے مرزا صاحب مرحوم کا ہر قسم کا کلام انتخاب کیا ہے اور یہی ضروری بات ہے

ممکن تھا۔ کہ میں ایسے دقیق کلام کو نہ انتخاب کرتا۔ مگر یہہ بات تو رخی کی شان سے دور ہو جاتی۔ یہ بند کسی قدر دقیق ہے۔ (ہر مصرع شرح کا محتاج ہے۔ عرض کرتا ہوں) ہل اتی کا سورہ جن اہل بیت محمد صلعم کی شان میں آیا ہے۔ وہ چار بزرگوار ہیں۔ علی فاطمہ۔ حسن حسین علیہم السلام ان سب کے سرتاج و سردار جناب امیرؑ ہیں۔ سورہ ہل اتی میں خدا نے ان چاروں بزرگواروں کی سخاوت بیان فرمائی ہے کہ یہہ خود بھوکے رہے اور تین روز تک برابر مسکین و یتیم و اسیر کو اپنا اپنا کھانا کھلا دیا۔[۲] (دوسرا مصرع) اغیار لاف زن ہیں شہ لافتیٰ یہ ہیں۔ لاف زن اور لافتیٰ میں بھی جو لفظی رعائت ہے وہ ظاہر ہے۔ لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذو الفقار کی مشہور حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی ظاہری معنی یہ ہیں۔ کہ جوان بہادر کوئی علی کے برابر نہیں۔ اور تلوار کوئی ذوالفقار کی ہمسر نہیں۔ اپنی تو اپنی غیر دشمن بھی شجاعت جناب امیرؑ کی تعریف کرتے ہیں اور یہ مشہور مصرع ہے۔ کہ ع الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ فضیلت وہی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔ ماحصل یہہ ہے کہ دشمن بھی قائل ہیں۔ کہ لافتیٰ کے مصداق آپ ہی ہیں (۳) خورشید النور فلک انما یہ ہیں۔ انما۔ یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیرا۔ و انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ و ہم راکعون۔ یہ دو آئتیں ہیں۔ جو اہل بیت اطہار علیہم السلام کی شان میں آئے ہیں۔ پہلی آئت کا مشہور ماحصل یہہ ہے۔ کہ خدا نے اہل بیت علیہم السلام کو ہر قسم کی نجاست و گناہ سے پاک فرمایا ہے۔ یہ دلیل عصمت ہے دوسری کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اللہ اور رسول (محمد صلعم) اور ان ایماندار دل کے سوا تم مسلمانوں کا اور کوئی ولی (خداوند) نہیں ہے۔ جو نماز کو قایم رکھتے ہیں اور زکات کو اس حالت میں دیتے ہیں۔ جب رکوع میں ہوتے ہیں اور یہ مشہور ہے کہ جناب امیرؑ نے حالت رکوع میں ایک قیمتی انگوٹھی سائل کو دی تھی۔ جب یہ آیہ نازل ہوا تھا۔ (یہی کافی ہے۔ یہ شرف کہ ہشت فلک کعبۂ یہ ہیں۔ یہ اشارہ اس آئت قرآن کی طرف ہے۔ جو جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پوری آئت

[۲] ہل اتی و انما میں جو رعایت لفظی ہے وہ ظاہر ہے۔

یہ ہے ویقول الذین کفروا لست مرسلا نازل ہوئی ہے۔ قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی
وبینکم ومن عندہ علم الکتاب۔ جو لوگ کافر ہو گئے وہ کہتے ہیں۔ کہ تم (اے محمدؐ) کسی کے
بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو اللہ کافی
ہے۔ اور (دوسرے) وہ جن کے پاس اس کتاب کا پورا علم ہے۔ آیۂ مذکورہ جناب امیرؑ
اور ائمہ اطہار کی شان میں ہے۔ جن کو علم قرآن جناب رسالت مآب نے تعلیم فرمایا جیسا
کہ تفسیر عیاشی و تفسیر قمی میں اس آیت کی تفسیر امام محمد باقرؑ سے منقول ہے اب اسی بند
کی بیت لیجئے۔ ممتاز گو خلیل رسولان دین میں ہیں۔ کاشف ہے لوکشف یہ زیادہ یقین میں
ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ انبیائے اولی العزم میں سے ہیں۔ اس لئے رسولوں میں
ممتاز ہیں۔ ان کے مقابلہ میں جناب امیرؑ کو دیکھئے اور پر لافتیٰ کی حدیث میں ایک
بہت باریک اشارہ مصنف علامؒ نے فرمایا ہے۔ جو بیت کے ساتھ پڑھنے سے سمجھ
میں آتا ہے۔ فتیٰ زبان عرب میں نوجوان۔ اور جوانمرد کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن مجید
میں اس لقب کے ساتھ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو یاد فرمایا ہے۔ جب انہوں نے
بتوں کو توڑا تھا۔ ان کے قوم کے آدمیوں کی زبانی خدا فرماتا ہے۔ قالوا سمعنا فتیً
یقال لہ ابراھیم۔ کہ سنا ہے ایک نوجوان نے ان بتوں کو توڑا ہے۔ جو ابراہیم
کہلاتا ہے۔ یہاں لافتیٰ میں خدا نے وہی لقب فتیٰ حضرت امیرؑ کو عطا فرمایا۔ کہ انہوں
نے دوش جناب رسالت مآب پر بلند ہو کر بتوں کو توڑا۔ ایک مناسبت حضرت ابراہیمؑ
و جناب امیرؑ میں لقب فتیٰ کی دوسری بت شکنی کی تیسری مناسبت یقین کی ہے
حضرت ابراہیمؑ نے جب خدا سے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیا۔ تو خدا نے فرمایا
اولم تؤمن کیا تم ایمان نہیں لائے۔ قال بلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ میں
ضرور ایمان لایا ہوں۔ ولکن لیطمئن قلبی۔ مگر یہ سوال (مردوں کے زندہ کرنے کا)
اس لئے کرتا ہوں۔ کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان و اطمینان
زیادہ بڑھ جائے۔ اب اس کے مقابلہ میں ایمان و اطمینان جناب امیرؑ کو دیکھئے۔ کہ آپ
فرماتے ہیں لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً۔ اگر تمام پردے اٹھ جائیں۔ جب

بھی تو میرا یقین زیادہ نہ ہو۔ اس اعلیٰ درجہ یقین پر ایمان جناب امیرؑ کا پہنچ گیا تھا۔ کہ جس سے ترقی ہونا ممکن نہ تھا اسی بنا پر مرزا مرحوم فرماتے ہیں۔ ع کاشف ہو تو کشف پہ زیادہ یقین میں ہیں اس موقع پر اتنا اور بھی کہہ دوں۔ کہ مذہب شیعہ میں اور اکثر صوفیوں کے نزدیک جناب امیرؑ کا (جو نفس رسول خدا ہیں) مرتبہ تمام انبیائی سابقین سے بجز خاتم النبیین صلعم) افضل ہے چنانچہ مولوی روم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

آں خیبر انداخت بر روئے علی ... افتخار ہر نبی و ہر ولی

(حدیث نور)

باطل ہر ایک مذہب دیرینہ کر دیا ... سینوں کو غم دلوں کو جدا کینہ کر دیا
لبریز حب حق سے ہر اک سینہ کر دیا ... آئین دین شرع کا آئینہ کر دیا

روشن ہے یہ حدیث رسول غیور سے
پیدا ہوئے ہم اور علیؑ ایک نور سے

حدیث مشہور انا و علی من نور واحد کا ترجمہ دیکھنا ہو۔ تو کتاب مستطاب طبقات الانوار ملاحظہ فرمائیے یا اسی حدیث کیطرف اشارہ ہے۔

(حق و باطل کی علیحدگی)

حق سے کیا علیحدہ باطل کو یک قلم ... کعبے سے بت۔ یقین سے شک عدل سے ستم
وحدت سے شرک نیر سے شر و ہر سے ضرر ... جیسا ان سے کفر سے دین بخل سے کرم

ثابت ہر ایک قطع سے توحید کو کیا
چن چن کے مشرکوں کو تہ تیغ رد کیا

اس بند مذکورہ میں جو چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان کو مصنف مرحوم کس بے تکلفی کے ساتھ نظم فرما گئے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کچھ سوچنا ہی نہیں پڑا۔ یہی کمالات ہیں جن کے سبب سے مرزا صاحب مرحوم کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔

مولا علیؑ۔ امام علیؑ۔ مقتدا علیؑ ... دست خدا علیؑ ہے زبان خدا علیؑ
ہم کیا ہیں انبیا کا ہے مشکل کشا علیؑ ... مشکل میں سب کے منہ سے نکلتا ہے یا علیؑ

ہر سمت بے عصا جو رواں چرخ پیر ہے
باعث یہہ ہے کہ نام علیؑ دستگیر ہے

جب صاف اور سلیس کہنے پر آتے ہیں۔ تو مرزا صاحب مرحوم ایسا کہتے ہیں۔ کہ نظم بالکل نثر معلوم ہوتی ہے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

(مقام ولادت امیر المومنینؑ)

کعبہ کو فخر اس شہ گردوں نشیں سے ہے — ممتاز وہ ولادت سلطان دیں سے ہے
بیشک شرف مکاں کا ذاتِ مکیں سے ہے — کرسی کا پایہ اوج پہ عرش بریں سے ہے
پر حقِ خانہ زادی حق کیا ادا کیا
مسجد میں روزہ دار نے سر کو فدا کیا

خانہ کعبہ میں جناب امیرؑ پیدا ہوئے مسجد کوفہ میں شربت شہادت نوش فرمایا۔ از بسکہ خدا کے خانہ زاد تھے۔ اس کا حق آپ نے یہ ادا کیا۔ کہ خانہ خدا میں سر خدا پہ فدا کیا

واقعہ بت شکنی و جانشینی حضور صلعم وقت ہجرت

کعبہ میں زیب دوش نبی یہہ امام ہے — ہمنام حق کا مہر نبوت مقام ہے
زیر نگیں جہاں ہے زمانہ غلام ہے — روشن اسی نگینہ سے خاتم کا نام ہے
پوشیدہ حکم حق سے پیمبر جو ہو گئے
تکیے خدا پہ کرکے یہہ بستر پہ سو گئے

(ولادت امیر المومنینؑ و نزول ذوالفقار)

تھا قابل ولادت حیدرؑ نہ کوئی گھر — کعبہ کیا خلیل نے تعمیر سر بسر
پایا خدا کے ہات کو راغب جو تیغ پر — آئی زمیں پہ عرش سے شمشیر شعلہ ور
قابل خدا کے ہات کے بس ذوالفقار ہے
نہ قبہ فلک سے چمک جس کی پار ہے

(مناقب جناب فاطمہ زہراؑ)

شان خدا ہے صلِّ علیٰ شانِ فاطمہ — حیدرؑ کی جانماز ہے دامانِ فاطمہ

ماہِ صیام روزہ ہے مہمانِ فاطمہؓ — کہتی ہے عید فطر میں قربانِ فاطمہؓ

بہرِ نماز قوت کی تقلیل کرتی ہیں

تسبیحِ حق میں آپ کو تہلیل کرتی ہیں

بیہوش ہیں فضائلِ زہراؓ سے عقل و ہوش — خود بے لباس اور خلائق کی پردہ پوش

عسرت سے بے حواس مگر یادِ حق کا ہوش — فاقہ سے چہرہ خشک پہ دریا دلی کا جوش

مستغنی المزاج ہیں عالم نواز ہیں

زیور سے مثلِ ذاتِ خدا بے نیاز ہیں

شرم و حیا وہ ہے کہ حیا شرمسار ہے — ششدر ہیں سب کہ پانچ جگہ اک مزار ہے

پردہ جو تھا حیات میں وہ آشکار ہے — شہرت سے ان کے معجزوں کو ننگ و عار ہے

دکھلاتا ذوالجلال اگر ان کی شان کو

حاجت پھر انبیاء کی نہ ہوتی جہان کو

(تعریف روضہ جنابِ سیدہؑ)

بلقیس پاسبان ہے یہ کس کی جناب ہے — مریم درود خوان ہے یہ کس کی جناب ہے

شانِ خدا عیاں ہے یہ کس کی جناب ہے — دہلیز آسماں ہے یہ کس کی جناب ہے

کرسی زمیں سے لیتی ہے گوشے پناہ کے

بیٹھا ہے عرش سایہ میں اس بارگاہ کے

حورانِ ہشت خلد ہیں اک اہتمام کو — دار السلام در پہ کھڑا ہے سلام کو

سجدہ یہیں حلال ہے بیت الحرام کو — سورج نثار صبح کو ہے چاند شام کو

دیکھا کریں کھڑے ہوئے اس آستان کو

یاں بیٹھنے کا حکم نہیں آسمان کو

(مختصر سراپائے جنابِ فاطمہ صدیقہؑ)

رخ یادگارِ قدرتِ پروردگار ہے — دل رازدارِ خلوتِ پروردگار ہے

سر جاں نثارِ رحمتِ پروردگار ہے — تن خاکسارِ طاعتِ پروردگار ہے

تسبیح سے عیاں شرفِ فاطمہ ہوا
ذکرِ خدا کا فاطمہؑ پر خاتمہ ہوا

چاروں مصرع مسجع ہیں۔ یہہ ایک خاص صنعت ہے۔ کہ ہر لفظ کے مقابلہ میں اُس کا ہموزن لفظ آئے۔ پھر بھی دیکھئے کس قدر بے تکلف نظم ہے۔

(دنیا کی منتخب چیزیں)

باغوں میں خلد نہروں میں کوثر ہے انتخاب ۔۔۔ قبلوں میں کعبہ مصحفوں میں آخری کتاب
تاروں میں آفتاب ہیں پھولوں میں گلاب ۔۔۔ سب عورتوں میں فاطمہؑ مردوں میں بوتراب

شاہ زنانِ وقت مسیحا کی ماں ہوئی
زہرا ہر ایک عصر کی شاہِ زناں ہوئی

اِس مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا۔ کہ حضرت مریم (مادرِ عیسیٰ) فقط اُن عورتوں کی سردار تھیں۔ جو اُن کے وقت میں تھیں۔ اور فاطمہ زہراؑ تمام عورتوں کی سردار ہیں جو پہلے تھیں۔ اور اب ہیں اور آئندہ پیدا ہونگی۔[۵]

(مناقب امام حسنؑ)

کعبہ کے لئے قبلہ نما روئے حسنؑ ہے ۔۔۔ محراب حقیقت خم ابروئے حسنؑ ہے
جو عطر ہے اک شمہ خوشبوئے حسنؑ ہے ۔۔۔ جو عطر ہے اک شمہ خوشبوئے حسنؑ ہے

وجہہ حسن ان کے رُخ روشن کی ثنا ہے
سایہ ہے ہُما نور سے خورشید بنا ہے

رضواں کو ملا باغ گل روئے حسنؑ سے ۔۔۔ جبریل ہوئے فخر ملک خوئے حسنؑ سے
فردوس معطر ہوئی خوشبوئے حسنؑ سے ۔۔۔ موسیٰ کو رہِ طور ملی کوئے حسنؑ سے

دی خاتم پر نور سلیماں کو دہن نے
چشمہ کیا تفویضِ خضرؑ چاہِ ذقن نے

ایماں جہاں ارزاں ہو وہ بازار حسنؑ ہے ۔۔۔ حق جنس گراں ہے سو خریدار حسنؑ ہے

---

[۵] اس کی اصل حدیثیں دیکھنا منظور ہوں۔ تو بحار الانوار ملاحظہ فرمائیے!۔

احسان و کرم شیوۂ سرکار حسنؑ ہے — دربار جو سنتے ہو وہ دربار حسنؑ ہے
ادنیٰ در دولت کی ہوا خواہ صبا ہے
جاروب جلوخانے کی مژگان ہما ہے

(القاب امام حسنؑ)

کنیت ہے شہ دیں کی ابوالقاسم اور القاب — توریت میں شبّر ہے اور انجیل میں طاب
ہر اسم ہے حرز ورق سینۂ احباب — تعویذ تسلّیِ دل مضطر و بے تاب
یہ زاہد و راشد ہیں یہی برّ و تقی ہے
یہ سبط ہے سیدّ ہے یہ حجّت ہے زکی ہے

سطر دوم سورۂ انعام حسنؑ ہے — جان و دل لیسین کا آرام حسنؑ ہے
بسم اللہ سیپارۂ ایام حسنؑ ہے — الحمد سر مصحف اسلام حسنؑ ہے
یہ مطلع ثانی ہے امامت کی ثنا کا
یہ مصرع آخر ہے رباعی خدا کا

ہے مثل علیؑ ذات حسن سب سے مقدم — مہمان خدا خوان بقا پر ہوئے جس دم
ہفت اختر و دہ عقل و سہ ارواح و دو عالم — یہ سب تھے طفیلی جناب شہ اکرم
حاکم کی جو تجویز ہوئی اہل زمیں پر
تو قرعۂ افلاک پڑے نام حسنؑ پر

ان کے کف بخشش سے خجل قلزم نیساں — وہ قطرہ ہے یہ بحر وہ شبنم ہے یہ طوفاں
دریا بھی تہ آب گہر کرتا ہے پنہاں — یاں ہے در رخشاں ہات پہ صرف رہ یزداں
دریا ہے سخی موج اسی کی پہ جبیں ہے
یاں چین جبیں جز خط تقدیر نہیں ہے

جس سنگ پہ یہ مہر کریں طور ضیا ہو — جس چوب کو لیں ہات میں موسیٰ کا عصا ہو
جس خاک کو تاثیر یہ دیں آب بقا ہو — جس مردے کو چاہیں وہ مسیح دوسرا ہو
چرخ ان کی نکوئی کے طریقے پہ اگر آئے

پہر ہفتہ میں پیر آئے نہ عقرب میں قمر آئے

کیا خلق حسن تہا حسن سبز قبا میں　　کیا خوب خصائل تھے شہ ارض و سما میں
سر سجدہ حق میں تو قدم راہ رضا میں　　دل یاد خدا میں تو زباں ذکر خدا میں
ان کیلئے قرآن تہا وہ قرآن کی خاطر
سینہ سپر حفظ تہا ایمان کی خاطر

(مختصر سراپا)

ہر تار نفس رشتۂ اجزائے شریعت　　بازو تہا ہر اک قوت بازوئے امامت
منظور نظر چشم کو مردم پہ عنایت　　اور دست گہر بار کا دستور سخاوت
رفتار نے روشن یہ کیا تہا رہ دیں کو
عینک تہا ہر اک نقش قدم اہل زمیں کو

لکہا ہے سر پاک سے تا سینۂ انور　　محبوب الہٰی سے مشابہ تھا وہ سرور
اور سرخ و سفید آپ کا تہا رنگ مطہر　　گردن کی صفا نقرۂ خورشید سی بہتر
رخسار سے نسبت نہیں کچہہ شمس و قمر کو
اک شب کو نثار اس پہ کروں ایک سحر کو

آنکہوں کی سپیدی کو سیاہی میں کہو کیا　　دیکہو سحر و شام تو سیری نہ ہوا اصلا
ہر دیدۂ انور تہا پسندیدۂ دنیا　　تہا صاف سفیدی و سیاہی سے یہ پیدا
دنیا میں جو کچہہ ہوتا ہے ہر شام و سحر میں
وہ حال شب و روز ہے سب ان کی نظر میں

(مدح دندان و دہن اور سرشت کا گوشہ -)

دندان جو گوہر تھے وہ دہن معدن گوہر　　تقریر تھی سلک در شہوار سے بہتر
پر زہر سے ٹکڑے جو کلیجہ ہوا یکسر　　اور لخت جگر منہ سے نکلنے لگے باہر
یاقوت سے ہر لخت جگر سرخ ہوا تہا
اس وقت دہن معدن یاقوت بنا تہا

ہے نام حسنؑ حسن وہ چہرۂ اسلام — مشتق حسنات ابدی سے ہوا یہہ نام
اُس خاصہ اللہ کا الطاف تہا یہہ عام — سب خاص و عوام آپ سے تھے مورد انعام

آنکھوں میں حیا زور خدا داد بدن میں
موجود تھے سارے حسنات اک حسنؑ میں

(مناقب امام حسینؑ)

ازبسکہ مرثیوں میں عموماً مناقب و مصائب حضرت امام حسینؑ اور ان کے جاں نثار انصار و اعزا کے نظم ہوتے ہیں۔ اور آئندہ اکثر مناقب امام مظلومؑ درج ہونگے۔ اس لئے اس موقعہ پر مختصر مناقب صرف دو تین مرثیوں سے لکھتا ہوں۔

ایماں جس کا پہل ہے وہ طوبیٰ حسینؑ ہے — کوثر ہے جس کا قطرہ وہ دریا حسینؑ ہے
پیارا سب جہاں سے نبی کا حسینؑ ہے — خالق کے بعد بندوں میں یکتا حسینؑ ہے

حقا یہہ ہمتاں شکیبائی میں کیا ہوا
جس کا کوئی شریک نہ تنہائی میں ہوا

قدرت کے حوصلہ کا تحمل حسینؑ ہے — سب جزو ہیں مقابلہ میں کل حسینؑ ہے
بو جس کی باغ خلد ہے وہ گل حسینؑ ہے — گل جس کا عشق حق ہے وہ بلبل حسینؑ ہے

خوش ہو کے خاک میں چمن اپنا ملا دیا۔
ایماں کو حسینؑ نے مر کر جلا دیا

عطر گل ریاض امامت حسینؑ ہے۔ — فصل بہار باغ شہادت حسینؑ ہے
مجموعہ حدیقۂ قدرت حسینؑ ہے — رضواں غلام مالک جنت حسینؑ ہے

نام نبیؐ بڑا خلف بوتراب سے
جیسے فزوں ہو بوئے گلاب آفتاب سے

ایضاً

نقاش و نقش و کاتب و خط بانی و بنا — بود و نبود و ذات و صفت ہستی و فنا
آدم ملک زمین فلک۔ گرد کیا — دنیا و دیں۔ حدوث و قدم بندہ خدا

مشاہد ہیں سب کہ صاحب اعجاز ہیں حسینؑ
جانِ آفرین کے عاشق جانباز ہیں حسینؑ

اس بند میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ چاروں مصرعوں میں چھ چھ چیزیں نظم فرمائی ہیں۔ چوبیس چیزیں چار مصرعوں میں نظم کی ہیں اور پھر بے تکلف نظم یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ لفظوں کے سوچنے میں ایک سکنڈ بھی نہ لگا ہوگا۔ آمد اس کو کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ۲۴ گواہ اس امر کی ہیں۔ کہ امام حسینؑ خدائے جاں آفرین کے جانباز عاشق ہیں۔ گواہوں میں جب تمام چیزوں کو گنوا چکے۔ تو مصرع چہارم کے آخر میں خدا کو بھی گواہ بتلا دیا۔ یہ خوبیاں ہیں۔ کہ جن کی باعث سے مرزا دبیر مرحوم لاجواب شاعر آل محمد مانے گئے اور مانے جاتے ہیں۔

ایضاً

باران و قطرہ۔ باغ و گل و معدن و گہر — صحرا و ذرہ۔ برج و نجوم۔ آتش و شرر
طور و کلیم و آبِ بقا۔ خضرِ نامور — ظلمات و لند و شہر و بیاباں و خشک و تر
قائل ہیں سب حسینؑ ہیں بے مثل زور میں
جو زندہ ہیں وہ مردہ جو گھر میں وہ گور میں

جیسے نبی تھے حلم میں ویسے حسینؑ ہیں — حیدر تھے ہر جہاد میں جیسے حسینؑ ہیں
ہم کچھ نہیں یہ جانتے کیسے حسینؑ ہیں — مالک ہیں سب خدائی کے ایسے حسینؑ ہیں
اس منزلِ نیاز کے سالک حسینؑ ہیں
جب تک خدا کا ملک ہے مالک حسینؑ ہیں

ایضاً

یار و کریم وہ ہے جو وعدہ وفا کرے — بے مثل وہ سخی ہے جو سر کو فدا کرے
صابر وہ ہے بلا میں جو شکر خدا کرے — غازی وہ ہے جو فاقہ میں تنہا وغا کرے
کس فرد میں ہے یہ فخر جاہ و جلال ہے
ہاں جمع اک حسینؑ میں یہ سب کمال ہیں

باب پنجم

اب میں وہ چند مرثیوں سے لکھتا ہوں جو بطور عبرت مرزا صاحب مرحوم نے نظم فرمائے ہیں ان کا انتخاب کلام مرزا صاحب مرحوم سے اس لئے مشکل ہے کہ مرزا صاحب مرحوم کی عادت یہ ہے کہ ہر بیان میں مرثیت چسپاں رہتی ہے۔ اور بطور عبرت اگر دو ایک بند بھی لکھتے ہیں۔ تو اس کے ساتھ ہی مرثیت کا پہلو موجود ہوتا ہے۔

(بیان عبرت روزگار و بے ثباتی دار ناپائدار)

دنیا کا رنج گنج ہے کشتی حباب کی
سر پر کھڑی ہوئی ہے گھڑی انقلاب کی
کیا صاحبو خبر نہیں مرگِ شباب کی
پیری میں آرزو ہے حصول ثواب کی
تقدیر کے لکھے سے بچاؤ محال ہے
طفل و جوان و پیر کا یاں ایک حال ہے

شاخوں سے ہات زیرِ زنخداں دہر میں پھول
عبرت سرا یہ باغ ہے پیش ذوی العقول
آخر خزاں ہے فصل بہاری سے کیا حصول
صیاد باغ باغ ہے عنادل کا دل ملول
ہر رنگ بے ثبات ہے نیرنگ کے سوا
غنچہ کو کیا ملا ہے دل تنگ کے سوا

سر سبز تھے چمن میں ہوا آہ اک نہال
سو سرو قد خزاں نے کئے جبکہ پائمال
نرگس کسی کی آنکھ تو سنبل کسی کا بال
ریحاں کسی حسین کی فہرست خطّ و خال
جب لاکھ گل رخوں کا رسالہ نہاں ہوا
تب لالہ داغدار زمیں سے عیاں ہوا

جاکر عدم میں پھر نہ کوئی آشنا ہوا
حال گذشتگاں نہ کھلا کچھ کہ کیا ہوا
لازم ہے اپنی فکر جواں پر ہوا ہوا
دریا میں جو ملا نہ وہ قطرہ جدا ہوا
کس شئے میں اس عزا کے سوا اب مزا رہا
جب اُٹھ گئے حسینؑ تو دنیا میں کیا رہا

ایضاً

حیف کیا جہاں سے سلیمان لیگئے — یوسف بھی زیر خاک سب ارمان لیگئے
شاہانِ دہر کونسا سامان لے گئے — سب کچھ وہ لے گئے کہ جو ایمان لیگئے

کن قافلوں کو خاک نہ اس راہ نے کیا
کن یوسفوں کو غرق نہ اس چاہ نے کیا

بیت اس بند کے مسجع ہے۔ کہ ایک لفظ کے مقابل دوسرے مصرع میں۔ جو لفظ ہے۔ وہ اس کا ہموزن ہے۔ جیسا کہ نقشہ ذیل سے یہ صنعت بخوبی سمجھ میں آجائیگی

کن قافلوں کو خاک نہ اس راہ نے کیا
کن یوسفوں کو غرق نہ اس چاہ نے کیا

انجام دنیا فنا ہے
ہر کوئی مرنے کو بنا ہے

اس کشتِ عدم میں تخم بقا نہیں — اس بوستاں کے پھولوں میں بوئے وفا نہیں
اس بزم کے چراغوں میں نور ولا نہیں — اس بحر کے صدف میں دُرِ مدعا نہیں

گھر کونسا بسا کہ جو ویراں نہ ہوگیا
گل کونسا ہنسا کہ پریشاں نہ ہوگیا

تصویر عبرت و مرقع غم

عبرت سے روز و شب کی دو رنگی پہ غور کر — اس دوش پر جنازہ ہے اس دوش پر پسر
دولہا جوان پسر کو بناتا ہے اک پدر — مرتا ہے یہ تو جوان کے کھلی پیٹتا ہے سر

دنیا کی جو ہوس ہے وہ فانی ہے خاک ہے
عقبیٰ کی فکر کر کہ وہ باقی ہے پاک ہے

ایضاً دو رنگی حدیقہ عالم

دروازے اس چمن کے ہیں دو اور سے اک جُدا — دربان ہے ایک در پہ حیات ایک پر قضا
مشتاق سیر باغ کو عبرت کی ہے صدا — اک در سے آ تماشہ کو اور ایک در سے جا

شاہ و گدا کا مسند و بستر ہے کوچ ہے
اک در سے داخلہ ہے اور اک در سے کوچ ہے

یاں روز اک طلسم بنا اور بگڑ گیا — یاں شب کی شب بسا جو مسافر اجڑ گیا
یاں گل نہال تازہ جما آج اوکھڑ گیا — نام خزاں کا سکۂ زر گل پہ پڑ گیا
یاں دن نہ سن حساب کا کچھ ہیر پھیر ہے
ناقے کسے کھڑے ہیں سواری کی دیر ہے

ہر فرد شوق نامۂ ہستی ہے یک قلم — پیک اجل پکارتا ہے نامہ بر ہیں ہم
سر نامۂ حبیب پہ نشاں ٹھیک ہیں رقم — پہنچے مقام گور سے یہ خط سوئے عدم
کل ایک ہفتہ باغ میں گل میہمان ہے
سبزۂ گل بہار کی رخصت کا پان ہے

اس مضمون کی نسبت میرا یہ خیال ہے۔ کہ آج تک کسی شاعر نے بجز مرزا صاحب مرحوم کے نہیں نظم کیا۔ عربوں ایرانوں کے ہاں تو یاں کا رواج ہی نہیں۔ مگر ہندی کبیشروں کے یہاں بھی جہاں تک مجھ کو علم ہے۔ یہ مضمون نہیں ملتا (ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

حاکم شام کو امام حسینؑ کی طرف سے خط شعر

تنبیہ و ہدایت اور خدا فراموشی اور محویت دنیا کی مذمت و شکایت اور موت کی یاددہانی

جمشید خداوندئی حق جام پہ بھولا۔ — تو صبح قیامت عمل شام پہ بھولا
دوزخ کے عذابوں کو اس آرام پہ بھولا — انجام کو دنیا کے سر انجام پہ بھولا
یکساں نہیں رکھتا ہے فلک دور کسی کا
یاں آج ترا دور ہے کل اور کسی کا

جا شہر خموشاں میں کہ عبرت کی جا ہے — تمیز تو کر کون غنی کون گدا ہے
گو قبر میں سب بند یہ حال انکا کھلا ہے — پڑھ فاعتبروا یا اولی الابصار لکھا ہے

جو مر گئے مٹی میں جو زندہ ہیں مرینگے
تجھ کو بھی یونہیں بعد ترے یاد کرینگے

پتھر نہ لگا دیں کے آئینے پہ ظالم — کل سنگ لحد ہوگا ترے سینے پہ ظالم
قاروں کی طرح بھول نہ گنجینے پہ ظالم — خنداں ہیں لب گور ترے جینے پہ ظالم

عبرت سے نظر کر نہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں
تجھ سے جو زبردست تھے وہ زیر زمیں ہیں

محویت دنیائے دنی سے پرہیز کرنیکی نصیحت اور رجوع بخدا ہونیکی ترغیب

توریت میں فرماتا ہے یہ خالق عادل — ہے اُس سے عجب یہ کہ جو ہے موت کا قائل
کس طرح وہ دنیا میں پھرے خورم و خوشدل — سوتا ہے وہ کیونکر جسے در پیش ہے منزل

تنہا جسے مرقد کی سکونت کا یقیں ہے
کیوں خلق کی الفت سے وہ بیزار نہیں ہے

ہر صبح زمیں سب سے یہ کہتی ہے کہ ہشیار — کیا آج مری پشت پہ ہے قوت رفتار
کل ہوگے شکم میں مری سب ہونسی ناچار — یاں ہنستے ہو ہر مرتبہ واں روؤگے ہر بار

مشغول طعام آج ہو تم بخل و کرم میں
کل ہوگے غذا کرم کی خود میرے شکم میں

تم آج تو سر پر ہو مری مشغول خطا ہو — کل زیر زمیں مورد تعزیر و سزا ہو
آدم کے پسر ملت شیطاں سے جدا ہو — آہوش میں جا طالب مرضی خدا ہو

کیا چھانتا ہے خاک عمارت کی مدد میں
کل ہونگے وہاں غیر تو سوئیگا لحد میں

(گویا قبر زبانِ حال سے کہہ رہی ہے)

میں خانۂ وحدت ہوں میں ہوں خانۂ ظلمت — میں خانۂ وحشت ہوں میں ہوں خانۂ غربت
میں چاہ جہنم ہوں میں ہوں کوثر جنت — جس طرح کہ اعمال اسی طرح کی اجرت

سمجھے ہو وہ گھر کو ہیچ کا جس گھر میں تعیش ہے
جس گھر میں سدا رہنا ہے واں کچھ بھی نہیں ہے

غرور کی مذمت اور حیا و انکسار کی تعریف و مدحت

نمرود کو خدائی کے دعویٰ سے کیا ملا
بندہ جدا ہوا جو خودی سے خدا ملا

خامہ ہے فرد تن مرا افراط ادب سے — جھک کر شرفا اور نجبا ملتے ہیں سب سے
نخوت کی معانی ہیں الگ لفظ نکی لب سے — جس طرح سے بد اصل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہیں کرتے حیا کو
مانند غبار اٹھتے ہیں تعظیم ہوا کو

(اپنے نفس سے خطاب و نصیحت)

آغاز ترا خاک تھا ہے خاک ہے انجام — دیکھ اپنی بدی خوب بد و نیک سے کیا کام
گر مہر نہیں دل پہ تو نخوت کا نہ لے نام — نازاں نہ ہو تحسیں پہ نہ کر شکوہ الزام

ارشاد کیا طور پہ موسیٰ سے خدا نے
اچھا وہ ہے جو سب سے برا آپ کو جانے

عالم پیری اور غفلت اور چلنے کی تیاری

بالوں کی سفیدی سے سر مو نہیں رنجور — دھوپ آگئی سایہ پہ تو سوتا ہے بدستور
ہشیار کہ نزدیک رہا ہے سفر دور — ہاں ڈھونڈ کفن مشک جوانی ہوا کافور

اے ملک عدم کے سفری زاد سفر لے
مرگ و لحد و برزخ و محشر کی خبر لے

(اہل کمال کی ناقدردانی اور دلوں میں بلا وجہ بغض پنہانی)

آؤ مرے پلٹے پہ تم دے کل کے مددگار　　　　بیقدر ہے سنجید گی گوہر شہوار
جیسے کہ ترازو کا ہنر محظ میں بے کار　　　　تے جنس عدالت نہ خریدار نہ بازار

انصاف کہاں سے ہو کہ دل صاف نہیں ہے
دل صاف کہاں ہے ہو کہ انصاف نہیں ہے

یکرنگی

لوگ دل کو آئینہ کی طرح کہا کرتے ہیں۔ ایک شاعر کا مشہور شعر ہے ؎

کفر ست در طریقت ما کینہ داشتن　　　　آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

مگر مرزا صاحب مرحوم نے آئینہ سے دل کو بہتر ثابت فرمایا ہے۔ اور آئینہ میں یہ عیب ثابت کیا ہے۔ کہ وہ یکرو نہیں۔ یعنے منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے اور کچھ اور ہے۔

آئینہ کی آئین پہ میں نے جو کیا غور　　　　منہ پر تو ہے کچھ اور پس پشت ہی کچھ اور
گو چرخ کی گردش سے نہ ہو صاف کبھی دور　　　　پر حاضر و غائب دل روشن کا ہے اک طور

جن آئینوں میں دونوں طرف ایک چمک ہے
وہ ایک مرا دل ہے اور اک مہر فلک ہے

اسی مضمون کے قریب قریب ایک اور مرثیہ میں بھی جو امام حسن علیہ السلام کے حال کا غالبًا عہد محمد علی شاہ مرحوم شاہ اودھ کا کہا ہوا ہے۔ ان مصاحبین امام حسنؑ کی خدمت میں فرماتے ہیں۔ جنہوں نے خفیہ حاکم شام سے سازش کرکے یہ عہد و پیمان کر لیا تھا۔ کہ ہم امام حسنؑ کو گرفتار کریں گے۔ وہ بیت یہ ہے۔

صحبت میں ہیں کچھ وقت زد و گشت پہ کچھ ہیں
آئینہ صفت منہ پہ ہیں کچھ پشت پہ کچھ ہیں

(مدح فروتنی و مذمت کبر)

شیطان کا کیا حال تکبّر سے ہوا ہے　　　　آدم جو فروتن ہوئے کیا قرب خدا ہے

ایضاً

ثابت شرو آفت سے شرافت نہیں ہوتی　　　　کامل کی یہ پہچان ہے نخوت نہیں ہوتی

شرِ آفت - اور شرآفت - دونوں لفظیں تو قریب قریب ہیں - مگر ایک دوسری کی ضد ہے - اعلیٰ درجہ کی نصیحت - اور اہل کمال کی پہچان یہ ہے - کہ نخوت نہیں ہوتی پھر اسی کے قریب قریب مضمون نکالا -

یہ جوشش غرور اہل ہنر میں نہیں ہوتا
پانی میں ہے کف آب گہر میں نہیں ہوتا

اُمید

اصل مضمون یہ ہے - کہ امید دنیا میں بڑی چیز ہے - مصنف علّام رہ نے ان بندوں میں یہ ثابت فرمایا ہے - کہ دنیا و دین کے سب کام امید سے وابستہ ہیں حقیر نے صباح الزماں کی مدح میں ایک موقع پر عرض کیا تھا

جہاں ذرّہ ہے اور خورشید قائم
مثل ہے کہ دنیا بامید قائم!

اب اصل نظم ملاحظہ فرمائیے!

یارب گلِ امید کسی کا نہ خزاں ہو
خورشیدِ تمنا نہ تہِ خاک نہاں ہو
مُہرِ خطِ مقصود نہ بے نام و نشاں ہو
آئینۂ مطلب کا شکن سے نہ زیاں ہو

اندھیر ہے گر صبح کو خورشید نہ ہوئے
تاریک کوئی خانۂ امید نہ ہوئے

ہر چند شکست آئینہ پر سنگ سے آئے
ممکن ہے کہ پھر آئینہ گر اُس کو بنائے
آئینہ میں کلفت ہو تو صیقل ہی چھڑائے
زنگ آئینۂ شوق میں آئے تو نہ جائے

ربط اس کو جو دے شیشہ گر ایسا کوئی کب ہے
ہو شیشۂ امید شکستہ تو غضب ہے

اب فرماتے ہیں - کہ خدا کسی امید کو یاس سے نہ بدلے -

یارب تر و تازہ رہے گلزارِ تمنا
پامال کسی کے نہ ہوں اشجارِ تمنا
ناکام نہ رہ جائیں خریدارِ تمنا
اُجڑے نہ کبھی یوسف بازارِ تمنا

ویران چمن عمر ہو تو کچھ نہیں غم ہے

پر تیجۂ امید خزاں ہو تو ستم ہے

امید ہے گویا سبب ہستیٔ دنیا — ہے عارفوں کو آرزوئے دولت عقبیٰ
اور غافلوں کو حشمت دنیا کی تمنا — ماں باپ کو اولاد کی خواہش نہیں کیا کیا

آغاز کسی شئے کا سر انجام نہ ہوئے
گر ہو نہ توقع تو کوئی کام نہ ہوئے

قریباً ہر چیز میں قدرتی طور پر امید و آرزو ہونی کا ثبوت ذیل میں ملاحظہ فرمائیے!

ہے چشم صدف منتظر قطرۂ نیساں — اور دل ہے عنادل کا ہوا خواہ گلستاں
کس شوق سے قمری ہے قد سرو پہ قرباں — پروانوں کو کیا شمع کی وصلت کا ہی ارماں

امید میں سب شام و سحر ہوتی ہے ہستی
بے آس کی کس طرح بسر ہوتی ہے ہستی

(حسرت دیدار حبیب)

افزود ہر امید سے ہے حسرت دیدار — دریائے تواریخ کا یہ ہے دُرِ شہوار
اک سال یمن میں ہوا طوفاں یہ نمودار — جو کشتیاں قبروں کی شکستہ ہوئیں اک بار

دیکھے گئے مردے کہ سراب رواں ہیں
اعضا تو ہیں بوسیدہ پر آنکھیں نگراں ہیں

جس نے کیا آنکھ کی نگرانی یہ نظارہ — بس عقل نے اس سہو کیا فی الفور کنارہ
وارد ہوا واں صاحب دل ایک قضارا — وہ محرم حقیقت میں شناکر کے پکارا

اے غافلو آنکھیں جو یہ سب کھولی ہوئی ہیں
(محبوب) مطلوب کے دیدار کی حسرت میں موئے ہیں

کیا خدا کی شان ہے جس قسم کا مضمون دل چاہتا ہے۔ مرزا صاحب مرحوم کی کلیات میں مل جاتا ہے۔ اور پھر مضمون بھی ایسا دلچسپ اور دلکش کہ دل سے مزہ اٹھاتا ہے۔ ہر چند ان مرحوم نے ایک مرثیہ کی تمہید میں یہ چند بند ارشاد فرمائے ہیں۔ مگر دیکھئے امید و یاس کی کیسی جیتی جاگتی بلکہ گویا بولتی ہوئی تصویریں نظر آتی ہیں؟

باب ششم (۶)

اب میں امام حسینؑ کا مدینہ منورہ سے روانہ ہونا۔ اور مکہ میں ٹھہرتے ہوئے کربلائے معلی پہنچنا۔ اور پھر کربلا میں مع احباب و اقربا شہید ہونا۔ اور اہل حرم کا کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کو جانا۔ اور شام سے کربلا اور کربلا سے مدینہ منورہ کو واپس آنا۔ مرزا صاحب کے مختلف مرثیوں سے لکھتا ہوں۔ اس سلسلہ سے کسی صاحب نے ابتک انتخاب اردو میں (میری علم میں) مرثیوں کا نہ فرمایا ہوگا۔ بلکہ ایسے مسلسل واقعات طولانی اور بھی کسی اردو کی کتاب منظوم میں نظر نہیں آتے۔ انگریزی میں ایسے مسلسل طولانی قصہ کو ایپک پویم کہتے ہیں بعض انگریزی خوان نوجوانوں کا۔ اردو کی شاعری پر ایک یہ بھی اعتراض ہے۔ کہ اس میں کوئی ایپک پویم نہیں ہے۔ شاید اس کتاب کے بعد وہ اعتراض ہمارے نوجوان واپس لیلیں۔ یا یہ کہ اعتراض کچھ کمزور ہو جائے۔ اور آئندہ کوئی صاحب انیس و دبیر و انیس اور مرثیہ گویان حال کے کلام سے منتخب فرما کر اس سے بہتر ایپک پویم پیش کریں۔ (کہ زمانہ روز بروز ترقی کرتا رہتا ہے) اور آئندہ یہ بدنما داغ اردو شاعری کے دامن سے بالکل مٹ جائے اس وقت ممکن ہے کہ کوئی خدا کا بندہ مجھے بھی بخیر و خوبی یہ کہکر یاد کرے کہ پہلے پہل جس نے اس طرف توجہ کی۔ وہ بے بضاعت ثابت تھا۔ اگرچہ اس کا انتخاب واقعات مسلسل ناقص ہے۔ مگر بانی وہ موجد تو ہے۔ اللّٰھم اغفرہ

وطن مدینہ منورہ سے روانگی امام حسینؑ کی

جب سراسیمہ وطن سے شہ ابرار چلے — سر فروشی کو شہادت کے خریدار چلے
کہتی تھی فاطمہ صغرےٰ کہ ہمیں مار چلے — دو مسیحا بھی مجھے چھوڑ کے بیمار چلے

ساتھ اماں کے نہ ہمراہ پدر جاتی ہوں
لوگو بتلاؤ تو میں کیوں نہیں مر جاتی ہوں

ہات پکڑے ہوئے اکبر کا میں بابا تیا	بھیا اصغر کو لئے ہو گئیں اماں بھی سوار
یہ نہ جانا تھے مرے دم سے لگی اک بیمار	روکے مجرا تو لیا اور نہ کہا برخوردار

ٹھیرو اے صبا جو ٹھہرو مجھے آلینے دو
بھیا اصغر کو کلیجہ سے لگا لینے دو

مجھ کو الفت ہے تمہاری تمہیں الفت ہی نہیں	ساتھ دوڑوں جو سواری کی سو طاقت ہی نہیں
اماں لیں گود میں ایسی مری قسمت ہی نہیں	پیار آجائے پدر کو سو یہ صورت ہی نہیں

لونڈیاں ساتھ چلیں آج عزیزوں کی طرح
میں جو بیٹھی تھی رہی گھر میں کنیزوں کی طرح

جس طرح شرفا زادیاں شکوہ شکائیت اپنے عزیزوں سے کرتی ہیں۔ بالکل وہی الفاظ وہی روزمرے نظم فرما دئیے ہیں۔ اوپر کے بند میں قافیہ و ردیف کیسی مشکل ہے۔ مگر کس خوبی سے چسپاں ہے۔ یہ زبان پر قدرت ہے۔ خدا کی شان خدا کی قدرت ہے

(روانگی امام حسینؑ مدینہ منورہ سے۔ سلیس و فصیح زبان)

جس نے چلنے کو کہا سب نے کہا بسم اللہ	مجھ سے جھوٹوں بھی نہ پوچھا میں گنہگار ہی آہ
گر خطا ہے یہ خطا ہی جو گنہ ہے یہ گناہ	ان دنوں شدت تپ سے مری حالت ہے تباہ

یہی نا دو دو پہر غش میں پڑی رہتی ہوں
اب تو ہشیار ہوں چلنے کیلئے کہتی ہوں

بیٹھے بیٹھے مرا اس وقت کا چلنا دیکھو	گرنا بیساختہ مشکل سے سنبھلنا دیکھو
تپ میں کیا دیکھا تھا اب دل کا اچھلنا دیکھو	ہات میں باندھتی ہوں ہاتوں کا ملنا دیکھو

زردی آنکھوں کی۔ تڑپ دل کی دھڑک سینے کی
سب یہ مر جانے کی باتیں ہیں نہیں جینے کی

یک بیک میری مقدر کا بگڑنا دیکھو!	پاؤں پڑتی ہوں مرا پاؤں رگڑنا دیکھو
سانس کا بات کو کہنے میں اکھڑنا دیکھو	حال یہ اس پہ عزیزوں سے بچھڑنا دیکھو

غیر بھی ایسے مریضوں کو نہ تنہا چھوڑیں
حیف ہے بیٹی کو اس وقت میں بابا چھوڑیں

فاطمہ صغریٰ اپنی بیماری کی شدت سے استدلال فرماتی ہیں۔ کہ ایسے مریض کو کوئی غیر بھی نہیں چھوڑ جاتا۔ پھر مجھکو میرے والد ماجد امام حسینؑ کیوں ساتھ نہیں لئے جاتے مجھکو ضرور ساتھ لینا چاہیئے۔ مصنف کا کمال دیکھئے۔ کہ اوپر کے بند میں تصویر بیماری کی کھینچ چکے تھے۔

(رخصت امام حسنؑ فاطمہ صغریٰ سے سلیس و فصیح زبان)

مگر پھر دوسرے بند میں قافیہ بدل کر اسی ردیف میں کیسی عمدہ عاجزی اور بیماری کی تصویر کھینچی ہے۔ اور کس منت سے کہتی ہیں۔ کہ امام حسینؑ اور اور عزیزوں کو رحم آجائے۔ اور ساتھ لے چلیں۔ اب طعنہ آمیز باتیں کرتی ہیں جیسی کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہتی ہیں۔

میری خاطر جو کریں کیا ہے حرج میری بہن　　دل کے بہلانیکو ہمراہ ہیں بچے کم سن
اُن کی خاطر ہے روا جلنا ہے جنکا ممکن　　میرا کیا آج اگر مر گئی کل دوسرا دن

انس کبرا و سکینہ کا ہے خوش ہونیکو
مجھسے الفت کریں چالیسویں تک رونیکو

یہہ تو اس کوچ سے اب ہو گیا صغریٰ کو یقین　　باپ کے ہات کی مٹی مری قسمت میں نہیں
سب کو بابا نے مری سامنے اسواریاں دیں　　مجھکو تابوت ہی چھوٹا سا منگا دیں شہ دیں

بعد مرنیکے لب گور جو جائے صغریٰ
باپ کے ہات کا تابوت تو پائے صغریٰ

اماں واقف ہیں مجھے بھائی ہے اصغر کی بو　　کرتا پہنا ہوا اس کا دیے جائیں مجھکو
وقت مرنیکے وصیت یہ کرونگی رو رو　　کرتا اصغر کا کفن میں میرے رکھیو۔ لوگو

قبر میں بھائی کے کرتے پہ مرا ہات رہے
یہ دوا دل کے تڑپنے کی مرے ساتھ رہے

ہائے اب میں ہوں یہہ تنہائی ہے اور سونا گھر　　نہ خبر مجھکو تمہاری نہ تمہیں میری خبر

دل کے بہلانیکو تم سب گئے ہیں ہہیا اصغر — خالی جھولے سے میں ٹکراؤنگی یاں اپنا سر
الفتیں دیکھ کے ایک ایک کی میں سیر ہوئی
ہائے اللہ مری موت کو کیوں دیر ہوئی

میں نے چاہا تھا نہ دکھلاؤں یہ حال اپنا زبوں — جاؤں در پر بھی نہ رخصت کیلئے میں محزوں
پھر میں سونچی کہ حقیر اور بھی کہنے میں ہوں — بات ہی جب نہ کوئی پوچھے تو کس سے روٹھوں
متوجہ جو کسی کو میں نہیں پاتی ہوں!
آپ ہی روٹھتی ہوں آپ ہی من جاتی ہوں

کہتے کہتے یہ گری خاک پہ صغریٰ ناگاہ — سمجھے سب مر گئی وہ بولے کہ اِنّا للہ
پردہ[۲] محمل کا اُٹھا بانو کو پکاریں پاشاہ — نامبارک ہے سفر مر گئی بیٹی میری آہ
کہا صغریٰ نے سفر میں نہ سفر جاؤنگی
چھوڑ کے بیٹی کی میت کو کدھر جاؤں گی

۲ پردہ محمل کا اٹھا۔ یہ محاورہ زمانہ تصنیف کی خبر دے رہا ہے۔ یہ مرثیہ غالباً ۱۲۴۵ھ کے قریب قریب زمانہ کا ہے۔ اب اس طرح نہیں بولتے۔ بلکہ یوں کہیں گے پردہ محمل کا اُٹھا کے یا اٹھا کر اسی طرح پانچویں مصرع میں ایک محاورہ پورا نظم فرمایا ہے۔ میں نہ سفر جاونگی اب یوں بولتے ہیں کہ میں نہ سفر کرونگی۔ یا سفر میں نہ جاؤنگی۔ اس زمانہ میں جس طرح مستورات بولتی تھیں وہی روزمرے نظم فرمائے ہیں۔ زمانہ مابعد کے مرثیوں میں مرزا صاحب نے ایسے محاوروں کو ترک فرما دیا ہے۔

(فاطمہ صغریٰ سے رخصت امام حسینؑ سلیس نظم)

اترے روتے ہوئے گھوڑے سے امام خوش خو — اور کہا کہدو ابھی کوچ کا نقارہ ہو
گود میں بیٹی کو لیکر کہا بی بی بولو! — دیکھ کر نبض دھرا ہات کو دل پر رو رو
غش سے صغریٰ کے جو سب بیبیوں کو سکتا تھا
رو کے صغریٰ بھی بس ایک ایک کا منہ تکتا تھا

ہوش میں آئی جو صغریٰ تو کیا شہ نے مقال — اس نقاہت پہ ہے ارمان سفر کا یہ خیال

بولی وہ میں بھی تو بابا یہی کرتی ہوں سوال　　چھوڑ دو تنہا اُسے تم گھر میں ہو جس کا یہ حال

بعد اگر آپ کے جانے کو غش آتا مجھہ کو

کون اس پیار سے گودی میں اٹھاتا مجھہ کو

اس موقعہ پر اتنا عرض کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ ہمارے مولوی شبلی صاحب صفحہ ۲۶۸ موازنہ میں ہمارے مرزا صاحب مرحوم پر اعتراضوں کی بوچھاڑ فرماتے ہوئے اس مرزا صاحب کی ٹیپ پر (اتنی بھی تو طاقت نہیں جو اٹھہ کے کھڑے ہوں۔ اے لوگو میں کیا آپ سے بیمار پڑی ہوں) ایک یہ بھی اعتراض فرماتے ہیں۔ کہ یہہ جملہ (مضمون) صغری کی خواہش پر ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ جب اٹھنے کی طاقت نہیں۔ تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہیں۔ اس کے بعد میر صاحب کا ایک بند لکھا ہے۔ جس میں اس کے خلاف یہہ مضمون بندہا ہے۔ کہ ؎ قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت۔ تپ کی بھی ہے شدّت میں کئی روز سے خفّت۔ جس کا مطلب یہہ ہو کہ حضرت صغرا اپنی بیماری کی تخفیف اور قریب الصحّت ہونیکو ثابت کرتی ہیں۔ جو اُنکی کامیابی کی دلیل ہو۔ حقیر عرض کرتا ہے۔ کہ اس میں شک نہیں۔ کہ اپنی طرز میں میر صاحب کا مضمون بھی اچھا ہے۔ مگر مرزا صاحب نے کمال یہہ کیا ہے۔ کہ جس بات پر امام حسینؑ نے استدلال فرمایا تھا۔ کہ اے فاطمہ صغری شدید بیماری کے سبب سے تم چلنے کے قابل نہیں ہو۔ اُسی (شدّت علالت) کی وجہ سے حضرت صغری اپنا لے چلنا ضروری و لازمی ثابت کرتی ہیں۔ یہ انتہائی درجہ کی بلاغت سمجھی جاتی ہے۔ کہ مخاطب جس بات پر استدلال کرے۔ اُسی بات کی بنا پر اس کے خلاف متکلّم اپنا دعوی ثابت کردے۔ اس میں ایک پاس ادب کا بھی پہلو ہے۔ کہ فاطمہ صغری اپنے والد ماجد کو (جو علاوہ باپ ہونیکے امام عادل بھی ہیں) جھٹلاتی نہیں۔ اور خود بھی جھوٹ نہیں بولتیں۔ اور پھر اپنے مطلب پر استدلال فرماتی ہیں۔ کہ میں جب ایسی بیمار ہوں۔ تو آپ کو مناسب نہیں۔ کہ مجھے چھوڑ جائیے۔ اب ناظرین ایمان سے فرمائیے! مرزا صاحب کا مضمون اعلی ہے یا نہیں۔ یا اللہ میں اپنے دل کے آنکھوں کی عینک مولوی شبلی صاحب

کی آنکھوں پر کیونکر لگادیں۔ کہ ان کو مرزا صاحب کا حسن کلام عیب نہ نظر آئے۔ اب اس کا دفع دخل فرماتے ہیں۔ کہ شاید امام حسینؑ فاطمہ صغرا سے رخصت ہوتے ہیں یہ فرمائیں کہ تمہاری اور میری مربیّ نانی اُمّ سلمہ (ام المومنین) تمہاری خبرگیری کو موجود ہیں۔

سلیس نظم

گوکہ میں غش میں تھی پر سنا یہ کانوں سے سنا
مجھ کو غش آیا تو چلا کے یہ اماں نے کہا

دور و صاحب کہ ہوئی بخش مری بیٹی صغرا
بعد ان کے بھی کوئی چاہیگا مجھ کو ایسا

نانی صاحب کو بھی گو میری بہت الفت ہے
ماں کی شفقت میں مگر اور ہی کچھ لذت ہے

درد سر سوزش دل رنج بخار ایکطرف
اور یہ ہجر شہ عرش وقار ایک طرف

سو علاج ایکطرف آپکا پیار ایکطرف
لاکھ چین ایک طرف شہ کا کنار ایکطرف

گر قضا ہے تو فراق شہ ابرار سے ہے
گر شفا ہے تو اسی شربت دیدار سے ہے

یہ استدلال فرما کے اب ایک نئی ضرورت اپنے چلنے کی (حضرت صغریٰ) بتلاتی ہیں۔ جس میں اپنی عاجزی کے سوا ایک باریک پہلو شکوے کا بھی ہے۔

چاند سے ٹکڑے چلے ہیں کئی ہمراہ حضور
چشم بد دور کہ ہے راہ کا خطرہ مشہور

وقت پر چاہیئے کچھ ان کے تصدق کو ضرور
صدقہ ہونے کے لئے چاہتی ہے صغریٰ رنجور

جس پہ تم چاہئیو اس پر مجھے قربان کرنا
لیکن اصغر پہ خدا کے نا تو احسان کرنا

شکوا یہ دربردہ ہے۔ کہ مجھے آپ اور بہن بھائیوں کے برابر نہیں سمجھتے۔ تو خیر قابل تصدق ہی سمجھیئے۔ اگر میں راہ میں مرجاؤنگی۔ تو سمجھئے گا۔ کہ میری اولاد پر سے صدقہ ہوئی۔ یا خود صدقہ کردینا۔

(فاطمہ صغریٰ سے رخصت جناب امام حسینؑ کی سلیس نظم)

یہ جو کہتے ہو کہ منزل میں کہاں ہوگی دوا
سو ابھی سے تمہیں اب تسلی دیتی ہوں رضا

آپ کی جان سے دور آئی اگر میری قضا / نہ حرج کیجئے گا میرے لئے منزل کا
طور بے طور جہاں دیکھیو اس دختر کے
چھوڑ جانا علی اصغر پہ تصدق کر کے

منہ جو حضرت کے یہ کوئی نہ کریگا چرچا / مردہ صغریٰ کا کئی دن رہا جنگل میں پڑا
اور کہیگا بھی تو ہے آپ آپکے کہنے کو بجا / اپنی بیٹی کا میں مختار تھا چاہا سو کیا
مردہ صغریٰ کا جو ویرانے میں چھوڑ آیا ہوں
مرنیوالی کی وصیت میں بجا لایا ہوں!

رو کے شہ بولے یہ کیا تو نے سنایا ہے ہائے / ای میری جان ترا مردہ اور اس قابل ہائے
مرتے دم چھوڑ کے ستی میں تمہیں بابا جائے / نہ تو نہلائے نہ کفنائے نہ تمکو دفنائے
گو ثواب اس میں سمجھے ای میری صغریٰ ہوگا
پر مرے واسطے دنیا میں کہو کیا ہوگا۔

ہے یہ وہ موت کہ ہات اٹھے ہر ایک کے کم / اس مرض سے وہی واقف ہے جو ہو یوں بیدم
رو کے صغریٰ نے کی عرض کہ یا شاہ امم / پھر سزاوار ہے کون اس کا کہا شاہ نے ہم
جلکے سر منزل آخر میں جو کٹوائینگے
بے کفن چھوڑ کے سب ہم کو چلی جائینگے!

(رخصت امام حسین فاطمہ صغریٰ سے سلیس نظم لطف زبان)

بس یہ سنتے ہی گویا ہوئی صغریٰ بیدم / تذکرہ کرنے لگے اور شہنشاہ امم
بانو صغریٰ سے لگی پوچھنے رخصت ہوتا ہم / بس نہ روؤ تمہیں اپنے علی اصغر کی قسم
کچھ مرا ساز ہوئی اور کچھ ہوگی مضطر صغریٰ
گر پڑی اونٹ کے نزدیک مچلکر صغریٰ

تصویر غصہ و واقعہ

پھینک کر ٹوپی کو ہاتوں سے ملا منہ پہ غبار / کھولے بازو سے پھر اس رنج میں تعویذ بجال
بالیاں کانوں سے خلخال لی پاؤں سے اتار / ہنسلیاں طوق گلے سے بھی اتاری اک بار

کہا بانو نے کہ صغرے کو سنبھالو کوئی
غش آیا مری بی بی کو منالو کوئی

کہا صغریٰ نے کہ بس بس نہ کڑھاؤ اماں — کون ہوں میں مجھے کاہیکو مناؤ اماں
اب یہ زیور بھی سکینہ کو پہناؤ اماں — میں نہیں بولتی جاتی ہو تو جاؤ اماں
جان پر کھیلی ہوں زنہار نہیں جینے کی
لو قسم کل سے دوا بھی میں نہیں پینے کی

مرنیوالی کیلئے کچھ نہیں زیور درکار — جس کو چاہو اسے بخشش کرو تم مختار
میں نہیں باندھونگی لیجاؤ یہ تعویذ بخار — آپ کے ہات کے پہنونگی نہ کرتی زنہار
آج سے فرش پہ صغریٰ کا نہ سونا ہوگا
سنگ تکیہ مرا اور خاک بچھونا ہوگا۔

(فاطمہ صغریٰ سے رخصت امام حسینؑ سلسلہ نظم)

کہا بانو نے میں صدقے گئی کچھ ماں کی خطا — مجھ پہ غصہ ہوئیں اور باپ سے کچھ بس نہ چلا
بولی صغرے کہ میں ناحق تو نہیں تم سے خفا — تم جو چلیں مجھے کیا کوئی شکوا کرتا
ہے شکایت تمہیں صغریٰ کے خفا ہونے کی
میری غربت پہ ہے اس وقت جگہ رونے کی

مڑ کے بانو نے کہا میں تری غربت پہ فدا — گر کہو اونٹ سے اب اترو نہیں ہے بس کیا
ہات باندھے ہوں نہیں تری پاؤں پڑوں اے صغرا — پھر ملوں یا نہ ملوں تم نہ ہو مادر سے خفا
راہ بھر جاؤنگی روتی تری خاطر صغریٰ
پہلی منزل ہی میں ہو جاؤنگی آخر صغریٰ

ماں کی منت سے حیا آگئی بولی رو رو — اماں لو جاؤ سدھارو تمہیں سونپا حق کو
بھیا اصغر سے ذرا کہدو بہن کو دیکھو — دودھ پیتے ہوں تو تکلیف نہ دو کچھ ان کو
چاہتے ہیں جو مجھے آپ ٹک کر دیکھیں!
دیکھوں اصغر کو میں اب اور مجھے اصغر دیکھیں

ماں کی آغوش میں وہاں پل رہا تھا دودھ اصغر — سن کے بیمار کی آواز وہ ہمکا ۔ رو کر
کی ہر اک سمت کو الفت بھری آنکھوں سے نظر — کہا صغرا نے کہ ادھر دیکھو کھڑی ہوں باہر
سہمے سہمے ہوئے کچھ تم نگراں ہوتے ہو
سرمہ آنکھوں کا بہا جاتا ہے کیوں روتی ہو

ناظرین ۔ اس بند مذکورہ کا مضمون چشم غور سے دیکھئے ۔ بیمار بہن کی آواز سنکر ۔ علی اصغر نے ہمک کر الفت بھری آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا ۔ کہ میری بہن کدھر بول رہی ہیں ۔ صغریٰ نے کہا ادھر دیکھو میں (عماری شتر سے) نیچے کھڑی ہوں ۔ سہمے سہمے ہوئے کچھ تم اس وقت دیکھ رہے ہو ۔ غضب کا تو یہ مصرعہ فرمایا ہے ۔ کہ ع

سرمہ آنکھوں کا بہا جاتا ہے کیوں روتی ہو

اب دیکھئے فاطمہ صغریٰ کیا الفاظ کہہ کر علی اصغر کو رخصت کرتی ہیں ۔

الوداع اے میرے ننھے سے مسافر نادان — الوداع اے میرے معصوم میں تجھ پر قربان
آج ہی منہ پہ ہے پردیسیوں کی ساری شان — مسکرانا ۔ نہ اشارہ نہ ہمکنا اس آن
میرے بھولے میرے پیارے میرے کمسن بھائی
گھٹنیوں بھی نہ چلے گھر میں تم اک دن بھائی

اس نظم کو غور سے دیکھئے ۔ ایک لفظ بھرتی کا نہیں ۔ ہر مصرع یہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ بے تکلف نثر ہے ۔ پھر قافیوں میں نون کا اعلان ایسا خوشنما ہے ۔ کہ جس سے شان دوبالا ہو گئی ہے ۔

(رخصت امام حسینؑ فاطمہ صغریٰ سے سلسلۂ نظم)

چشم بد دور ۔ جب ان آنکھوں کا آئیگا خیال — انکو رو رو کے شب و روز کرونگی میں لال
دل پہ لہرائینگے ہر دم یہ جھنڈولے بال — انہیں بالوں کی طرح ہوگا پریشاں مرا حال
چومنے پر ان انگوٹھوں کی ہو قرباں صغریٰ
اب رہیگی یہاں انگشت بدنداں صغریٰ
ایک اک دم میں تری لاکھ دم اے نور نگاہ — مصطفےٰ میرے نگہبان علیؑ پشت و پناہ

صدمے سی سال تیری بہن پر [illegible] ہیں اے شاہ بابا [illegible] میں پردیس بڑھا لے اللہ
تم بن ہوا [illegible] لئے گھر میں یہ اپنا بیان لیتی ہوں
فنا ہی میں تمہیں اللہ کو سونپ دیتی ہوں

پھر یہ زینب سے کہا تو نکو میں تڑپتی ہوں — جاؤ تم نانی کی بابا کو تو اونڈی ہوگی۔
نانا پھوپھی اپنے پدر کو میں تمہیں سونپونگی — وہ پکاریں جو منہ اچھا ہیگا تو ہاں دونگی

وعدہ [illegible] کا تمہیں تم سے لئے جاتی ہوں
پر فدا کر [illegible] کو دو بیٹے لئے جاتی ہوں

اس طرح ہوتی تھی ایک ایک سی رخصت بیمار — کہ بجا کوچ کا نقارہ ہوئے شاہ سوار
درِ دولت سے بڑھی آگے سواروں کی قطار — ناگہاں آئی صدا ایک طرف سے اک بار

سمجھو اب خاتمۂ پنجتن پاک ہوا۔
سُنی جس جس نے وہ آواز جگر چاک ہوا۔

باب
امام حسین ؑ کا مکہ معظمہ میں آنا اور پھر سفر عراق

سلیس اور بلیغ نظم

مطلع

جس دم وطن سے بیوطن آلِ عبا ہوئے — اور مبتلا میں شہِ کربلا ہوئے۔
گویا یہ سوئے روضۂ خیر الوریٰ ہوئے — لے قبر تجھ سے تیری مسافر جدا ہوئے۔

ہر منزل و مقام پہ غازی ملول تھے
جنگل کی لو تھی اور پیغمبر کے پھول تھے

لکھا ہے بیوطن جو امام امم ہوئے — چند سے حرم کو لیکے مقیم حرم ہوئے
کعبہ میں آکے اور حرم محترم ہوئے — گویا کہ اہل بیت خدا سب حرم ہوئے

ہر خانہ خدا میں بھی کوئی ستاتے تھے
پیک اجل خطوط اجل رو تر لاتے تھے

(۱) — حرم اول کے معنی بنسوان اہلبیت۔ حرم ثانی کے معنی مکہ معظمہ خانہ خدا کے ہیں

دیکھو یہ جو تھا تو یزید پلید کا ۔ بیعت طلب امام سے کی ۔ وا مصیبتا
کعبے سے حسین عربی کو ملا ہے چھڑا دیا ۔ تکمیل فرض حج نہ ہو سکے اداء

گرمی کی تصویر

آواز سنگ کعبہ نے دی شور و شین سے
اے اہل کعبہ پھر نہ ملو گے حسین سے

اکثر مورخوں نے لکھا ہے یہ معتبر ۔ جس سال ابن فاطمہ پہ پڑا قرعۂ سفر
تھی اوس برس وہ شدت گرما کہ الحذر ۔ مثل چنار آگ سے جلتا تھا ہر شجر
جیسے غبار ریگ سے شعلے بلند تھے ۔
بحر زمین گرم تھی ذرے سپند تھے

امام حسین مکہ معظمہ سے کوفہ جا رہے ہیں ۔ گرمی کے متعلق شاعر فرماتا ہے

مثل تنور گرم تھا پانی میں ہر حباب ۔ ہوتی تھیں بیچ موج پہ ہر نمایاں کباب
گلخن صدف تھی دانہ بریاں دُرِ خوش آب ۔ آتش سے اپنی لعل بدخشاں تھا آب آب
یہ ہے خصوصیت کہ اس کا بچنا محال تھا ۔
دانہ بچا بھی جلنے سے تو خال خال تھا

اور نصف مہ تباہ نبی کا سفینہ تھا ۔ آوارہ کوہ و دشت میں شاہ مدینہ تھا
گرمی سے بیتاب حکمت حق کا خزینہ تھا ۔ عابد کو تپ تھی زرد جمال سکینہ تھا
اصغر کا حال گرمی سے تغیر ہوتا تھا
اور خشک شیر بانوئے شبیر ہوتا تھا

گرمی سے راستہ میں جو کیفیت گذر رہی تھی اس کی تصویر واقعات میں دیکھو

دو دو قدم پہ ہوتے تھے اطفال بے حواس ۔ اک پانی پانی کہتا تھا اور ایک پیاس پیاس
یوں قافلہ تھا گرد علمدار حق شناس
جس طرح پیاسے حشر میں کوثر کے آس پاس
عباس شان ساقی کوثر دکھاتے تھے ۔ اکثر مشک سے ساری فوج کو پانی پلاتے تھے
پیچھے پیچھے رہ گئی کوئی جو ہمراہ جا بجا ۔ چلاتا تھا راہ چھوڑ کے وہ کل کا رہنما

۶ ۔ امراء شعراء کہتے ہیں کہ تمثیلیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ کوئی دانہ جلنے سے بچا ہی نہیں تو تہمت کم کہ یہ روزمرہ ہے
دوسرے یہ کہ دانہ خال خال اگر بچا بھی جلنے سے بچا ہوا تھا ۔

تھا قریہ قریہ حکم یہ ابن زیاد کا — لوٹوں گا گھر حسینؑ کو مہماں اگر کیا
ایمان کیا تھا بیع یزید لعین کے ہات

منزل آخر

غافلہ نہ بیچا تھا کوئی شاہ دیں کی بات

اب یوں کتب میں منزل آخر کا ہی بیاں — زہرا کا چاند اوا شب کے ہوا رواں
منزل دراز ۔ رات اندھیری ۔ راہ بے نشاں — جنگل مہیب ۔ خار مغیلاں یہاں وہاں
تن غازیوں کے کانٹوں سے افگار ہو گئے
آلودہ خار سے گل بے خار ہو گئے

سنبل صفت قبا ہوئی ہر گل کی تار تار — پلکوں کی طرح بھر گئے چشم زرہ میں خار
زینب حسینؑ کیلئے ہو ہو کے بیقرار — کہتی تھیں ڈھال رو کے تو منہ پر بہن نثار
کہتے تھے غضب میں باگ اٹھائے ہوئے چلو
اکبر کو بھی سپر میں چھپائے ہوئے چلو

فرماتے تھے حسینؑ نہ ہو اتنی بے قرار — کافی ہے اے بہن سپر حفظ کردگار
ہے آج تو فقط خلش خار رہ گذار — اک دن تو تیر ہوں گے ہمارے جگر کے پار
واں بن غریب کے لئے ہے اضطرار میں!
کانٹے چبھنگے پا جو پہنے گا بجار میں

امام حسینؑ یکا یک کربلا میں پہنچ گئے

اتنے میں صبح منزل آخر عیاں ہوئی — لیکن یہ صبح سبط نبیؐ کو کہاں ہوئی
جس جا سواری رک کے نہ آگے رواں ہوئی — حیران سپاہ حشر و کون و مکاں ہوئی
چھ گھوڑے بدلے دوش نبیؐ کے سوار نے
لیکن قدم بڑھایا نہ اک راہوار نے

وہ رخش جن سے موشش ہوا کی اُڑا کریں — گر اک اشارہ فاسر آل عبا کریں
لے راہ شمش جہت کو وہ شش پا کریں — پڑ جائیں بیڑیاں جو قضا کی تو کیا کریں

(تصویر واقعہ)

حیرت سے گھوڑے توسن تصویر بن گئے
نعلوں کے حلقے پاؤں کی زنجیر بن گئے
جنبش جو مرکبوں میں نہ پائی امام نے | اک مشت خاک جھک کے اٹھائی امام نے
خود سونگھی اور بہن کو سنگھائی امام نے | ہمشیر کی سنی یہ دوہائی امام نے
ہے ہے یہ خاک پھینکو مری جان جاتی ہے
بھیا تمہارے خون کی بو صاف آتی ہے
باشندوں کو وہاں کے یہ مولا نے دی صدا | نام اس زمیں کے جتنے ہیں لو تو جدا جدا
وہ بولے آپ کو ہو مبارک ہر اک بلا | یہ نینوا ہے ماریہ ہے اور کربلا
معبد ہے یہ کلیم کا مولد مسیح کا
شہ بولے اب یہ ہوئیگا مدفن ذبیح کا

قیام امام حسین کربلا میں

(دوم محرم ۶۱ ہجری کو کربلا میں پہنچے۔)

عباس کو پکارے نہ آگے قدم بڑھاؤ | منزل یہی ہے چھاؤنی پردیسیوں کی چھاؤ
ہمشکل مصطفےٰ کو ندا دی ٹھہر ہی نہ جاؤ | بیٹا قناتیں گھیر دو سراپچے بھی سب لگاؤ
غرّہ کو تو ہوا ہے ہمارا سفر تمام
دسویں کو ہوگا فاطمہ زہرا کا گھر تمام
نقارہ نوبتی نے بجایا مقام کا | یعنے یہاں سے کوچ ہے دارالسلام کا
خیمہ بپا ہوا جو شہ خاص و عام کا | بھیجا فلک نے دور سے تحفہ سلام کا
کھولا یہ پردہ خیمہ شہ نے جہان پر
(مدح خیمہ)
اک عرش ہے زمیں پہ اک آسمان پر
خیمہ تھا یا کہ تاج سر کربلا تھا وہ | نکہت میں خلد اوج میں عرش علا تھا وہ
وسعت میں مثل دامن عفو خدا تھا وہ | خاک شفا زمیں تھی دار الشفا تھا وہ
خیمہ نہ کہئیے آئے تھے شہ قتل ہونیکو

(لشکریوں کا سامان) پلہ زمیں نے منہ پہ لیا تھا وہ رونے کو

باندھیں لگا میں غازیوں کی نیزے گاڑکر | اور فرش زین پوش کئے گرد جھاڑکر
جنگل بسایا چرخ نے بستی اُجاڑکر | بولے علیؑ کفن کا گریبان پھاڑکر
جنگل میں اہل بیت رسالت کا گھر ہوا
آخر مرے حسین کا پہلا سفر ہوا

جنگل میں لشکر کے اترنے کا سماں

وہ وقت صبح اور وہ بیابان کی ہوا | وہ چھاؤنی حسین کے لشکر کی جابجا
وہ مرکبوں کے بولنے کی چار سو صدا | وہ خیمے وہ سراچے وہ بے چوبی خوشنما
اڑنا پھریرے کا وہ چمکنا نشان کا
وہ ابروؤں کا وہ مہ نو کمان کا

بستر پہ کوئی آیا کوئی سیر کو گیا | کوئی سپر کو زیر بغل رکھ کے سو گیا
مصروف اک تلاوت قرآں میں ہو گیا | اک فرات پر آ کے منہ ہاتھ دھو گیا
عباس سبز پوش کھڑے تھے فرات پر
جس طرح خضر چشمۂ آب حیات پر

کہتے تھے دل شگفتہ یہاں غنچہ وار ہے | آب رواں ادھر تو اُدھر سبزہ زار ہے
گر بیچ میں ہو قبر مری بے بہار ہے | دریا میں شور تھا یہی تیرا مزار ہے
صحرا میں لوح قبر شہ نیک ذات ہے
عباس آبرو مری اب تیرے ہات ہے

کس شان زمین نے پائے تھے یہ لعل گہر | یہ پھول یہ ستارے یہ خورشید یہ قمر
آئے سب اہل قریہ زیارت کو یکدگر | نکلیں گھروں سے بی بیاں بچوں کو سنبھالکر
بولی کوئی کہ نام خدا کیا سپاہ ہے
اک نے کہا کہ واہ عجب بادشاہ ہے

یہ خسرِ عرب ہے کہ ایراں کا شہریار — یہ عزیزِ مصر کہ کنعاں کا تاجدار
کیوں نکلا ایسے وقت وطن سے یہ بیدیار — ہر سو فساد و فتنہ ہے اور قحط کی پکار

سچ ہے یہ ننھے بچوں سے کس جا مکیں ہوا
آباد اس زمین پہ کوئی نہیں ہوا

مولا کے اک رفیق نے بڑھ کر یہ دی ندا — تم کلمہ کس کا پڑھتی ہو بولیں رسول کا
اُس نے کہا یہ ان کا نواسا ہے لاڈلا — اُمت کی دشمنی سے غریب الوطن ہوا

جاری تمہاری بستیوں میں یہ جو نہر ہے
(عورتوں کا خیموں میں اترنا) یہ نہر اس غریب کی مادر کا مہر ہے

آوازِ دورباش کا ناگاہ غل اٹھا — اور خیموں میں اترنے لگی آلِ مصطفیٰ
ڈیوڑھی سے ہر کجاوہ زینب جو میں ملا — خود اہتمام کرنے لگے شاہِ کربلا

رد کی قنات اکبر و قاسم نے آن کی
عباس گرد پھرنے لگے نیزہ تان کر

دربان عصا اٹھا کے بڑھے جانب یسار — داہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
آ آ کے در پہ لونڈیاں چلائیں بار بار — آئے اُدھر سے اب نگہ جائے ہوشیار

آوازِ غیر سن کے وہ اندیشہ کرتی ہیں
آہستہ بولو دخترِ زہرا اُترتی ہیں

(حضرت زینب علیہ السلام کا اترنا)

عفت کے جتنے مرتبے خیر النساء نے پائے — وہ ماں کے بعد دخترِ مشکل کشا نے پائے
ہاں ہاں مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے — ناقے پہ بیٹھ کر نہ اُدھر کوئی آنے پائے

حسنِ ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جس کا کہ قامت بلند ہو

القصہ اتری ناقے سے بنتِ شہِ عرب — اور ہاتھوں ہاتھ لے گئے آلِ رسول سب
اس قاعدے کو بھول گیا چرخ ہے غضب — عشرے تلک یہ پردہ تھا زینب کا یہ ادب

دسویں کو بال کھولے ہوئے ننگے سر پھریں
رن میں گریں رکن میں بندہیں دربدر پھریں

مسند پہ یاں بٹھا کے بہن کو شہ ہدیٰ   کرسی پہ آکے بیٹھے قریب حرم سرا
تھے دست بستہ گرد جوانان باوفا   لے لے کے نذریں آئے زمیندار کربلا
استادہ فرط خلق سے شبیر ہو گئے
نذروں پہ ہات رکھ کے بغلگیر ہو گئے

بٹھلا کے پہلوؤں میں انہیں یوں کہا یہاں   اے کربلائیو میں تمہارا ہوں میہماں
ظالم مجھے ستاتے ہیں جاتا ہوں میں جہاں   بیچو جو یہ زمیں تو چندے رہوں یہاں
اب خاک تم عزیز کرو اس غریب کی
سید کی بے وطن کی مصیبت نصیب کی

اس موقع پر بھی ایک مطلع مصنف مرحوم نے اپنے طرز ایجادی کے موافق فرمایا ہے تاکہ ذاکر چاہے تو مجلس میں اسی مقام سے مرثیہ شروع کر دے۔ وہ مطلع یہ ہے

مطلع

جب نہر پہ خیام حسینی بپا ہوئے   ذرّے ترائی کے گہرِ بے بہا ہوئے
رونق فروز خیموں میں آل عبا ہوئے   کرسی پہ جلوہ گر شہ ارض و سما ہوئے
صرف طواف عرش زمیندار ہو گئے
اکثر نثار سید ابرار ہو گئے۔

بٹھلا کے پہلوؤں میں انہیں یوں کہا یہاں   اے کربلائیو میں تمہارا ہوں میہماں
ظالم مجھے ستاتے ہیں جاتا ہوں میں جہاں   بیچو جو یہ زمیں تو چندے رہوں یہاں
اب خاک تم عزیز کرو اس غریب کی
سید کی بے وطن کی مصیبت نصیب کی

سو وار ضلالت کے ساتھ ہے جور و جفا نہیں   جبر از رہِ شرع میں بیع و شرا نہیں
پر اب ہوا یہاں کے ٹھکانا مرا نہیں   بیچو تو خیر ورنہ تمہیں کچھ گلا نہیں۔

رہے سے یاں تمہارے سب آرام پائینگے
خاکِ شفا تمہاری زمیں کو بنائیں گے

امام حسینؑ کا زمین کربلا مول لینا

سب نے کہا کہ عذر نہیں کیا ہے یا امام — عافیت غریب خانے ہیں واں کیجئے قیام
پر کربلا کی بیع میں ہے خوف لاکلام — آزار پاتے آئے ہیں یاں انبیا تمام
ابن ابوتراب سے پیاری یہ زمیں نہیں
پر یہ زمیں لائق سلطان دیں نہیں

پتھر پہ گر کے یاں سے خلیل خدا گیا — پاؤں پہ صدمہ سنگ کا آدم اٹھا گیا
کشتی پہ نوح کی یہیں طوفان آگیا — پر سنتے ہیں کہ آپ کا بابا بچا گیا
شہ بولے سرنوشت میں کب غرق ہوئیگا
اب یاں جہاز آل نبی غرق ہوئیگا

افضل زمین کعبہ سے ہے میری کربلا — میں جانتا ہوں اس کا شرف یا مرا خدا
بنیں تو دو مزار حسین غریب کا — پھر دیکھنا یہ خاک ہے یا نور کبریا
یوسف نہ ہوگا پر یہاں بازار ہوئیگا
زوار آئیں گے مرا دربار ہوئیگا

دیکھو مرے محبوں کو تم جبیں دیکھو — مہماں تین دن مری زائر کو کیجیو
گر کچھ قصور ان سے ہو بدلا نہ لیجیو — پیاسوں کو میری روئیو جب پانی پیجیو
پانی ابھی تو ملتا ہے زہرا کے جانی کو
پرسا تویں سے ترسیں گے سادات پانی کو

دینار دیکے ساٹھ ہزار ان سی پھر کہا — میں نے تمہیں یہ بخشی زمیں تم کرو ہبا
شبیر کے معاملے پر سب نے رد دیا — لکھنے لگے قبالہ زمیندار کربلا

غل پڑ گیا حسین وطن کو نہ جائیں گے
لو مول لی زمیں یہیں بستی بسائیں گے

مرقوم ہو رہا تھا قبالہ کہ ناگہاں — خیمے سے اک زن عربیہ ہوئی عیاں
سر تا قدم نقاب میں سارا بدن نہاں — پر اس پہ بھی حیا سے لرزتے تھے استخوان
بیتاب ہو کے الفت اکبر سے آئی تھی۔
راوی نے یہ لکھا ہے کہ زہرا کی جائی تھی

آہستہ اپنے بھائی سے کچھ کان میں کہا — اور جلد یوں پھری کہ نہ سایہ نظر پڑا۔
کرسی سے یاں تڑپ گئے گرد شاہ کربلا — عباس نے اٹھا کے کہا ہائے کیا ہوا
کیا کہہ گئی نواسی جناب رسولؐ کی
مولا کہو قسم تمہیں شبیرؑ مقتول کی

بولے حسین کہتی تھی مجھ سے وہ خوش کلام — بیعانے میں مرے اکبر کا ہوئی نام
یعنی کہ اس کی ملک میں ہو یہ زمیں تمام — عباس جائے کہدو کہ ناچار ہے امام۔
اٹھارہ سال کے یہ زمانے سے جائیں گے
اک قبر کی جگہ علی اکبر بھی پائیں گے

امام حسینؑ کا زمین حائر کربلا خریدنا

عباس آئے خیمہ میں کہنے کو یہ پیام — زینب نے دیکھتے ہی انہیں یہ کیا کلام
کیوں بھائی میری بات پہ راضی ہوئے امام — لکھا گیا قبالے میں اکبر کا میرے نام
دولہا بناؤں گی میں دولہن بیاہ لاؤنگی
اکبر کے نام کی یہاں بستی بساؤنگی

عباسؑ رو دیے حسرت زینب پہ زار زار — وہ صابرہ بھی رونے لگی ہو کے بیقرار
اور لیں بلائیں بھائی کی گھبرا کے کتنی بار — پوچھا میں صدقے جلد کہو کیا ہے رونے کا
میں جانتی تھی خوش خبری لیکے آئے ہو

تم تات دلپہ رکھے ہو گردن جھکائے ہو

شاید یہ میرا سخن بھائی کو ناگوار جیتے رہیں حسین کے جتنے ہیں رشتہ دار
عابد پہ بھی ہیں صدقے ہوں اصغر پہ بھی نثار اکبر کا پالنے سے زیادہ ہے چاؤ پیار
عابدؑ کے نام پر یہ سند کس کو شاق ہے
فضل خدا سے بھائیوں میں اتفاق ہے

عباس بولے اس کا تو داں ذکر بھی نہیں پر عرض ہے حضور کی مقبول شاہ دیں
شہ نے ہبہ کی زائروں کو اپنی یہ زمیں پھوپھی سفارشں اکبر نہ تم کہیں
بھائی میرے کریم ہیں شرما کے روئیں گے
اکبر اسی زمین کے پیوند ہوئیں گے

یہ سن کے روئے یوں حرم شاہ محترم گویا ابھی گھڑی سر اکبر ہوا قلم
خوف و رجا میں روز نہم تک رہی حرم عاشور کو امید ہوئی قطع یک قلم
رخت سفید لیکے سر دست آئی صبح
رنڈ سالہ نذر بانوئے شبیر لائی صبح

باب۔ ۸۔

صبح عاشور کا نورانی سین اور شاعرانہ مضامین

جب ماہ نے نوافل شب کو ادا کیا اور قبلہ غروب میں ذکر خدا کیا
باہم صف نجوم نے بھی اقتدا کیا مجمع نمایاں سحر نے جدا کیا
پڑھنے کو فرض طاعت رب غفور کے
خورشید نے وضو کیا چشمہ سے نور کے

گلگونہ شفق جو ملا حور صبح نے اسپند مشک شکبو کیا نور صبح نے

گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے　　ٹھنڈے ہے چراغ کر دیئے کافور صبح نے
لیلیٰ شب کے حسن کی دولت جو لٹ گئی !
افشاں جبین سے انجم درخشاں کی چھٹ گئی

سلطان صبح نے رخ آفاق فتح کیا　　واں رنگ فق کیا یہاں خون شفق کیا
اور دور نے قمر کو الٹ کر رمق کیا　　باطل کو باطل اس نے کیا حق کو حق کیا
خورشید صبح کاکل دستار ہو گیا
پھر تار تار جیب شب تار ہو گیا

قمر کا معکوس رمق ہے۔ رمق تھوڑی کو کہتے ہیں۔ مصرع سوم میں یہی مضمون ہے
آفتاب جہانتاب کا نکلنا
اور ماہتاب کا چھپنا ۔

یونسؑ وہاں ماہی شب میں نہاں ہوا　　کنعاں باہداد سے یوسفؑ عیاں ہوا
لیلیٔ شب کے حسن کا گلشن خزاں ہوا　　مجنون روز پردے میں گرم فغاں ہوا
تھی دھوپ یا کہ قیس کی رنگت وہ زرد تھی
کہنی نہ صبح روز کی وہ آہ سرد تھی

ملا محتشم علیہ الرحمۃ کا لاجواب شعر لاجواب مانا گیا ہے ؎ روزیکہ شد بہ نیزہ سر آں بزرگوار۔ خورشید سر برہنہ برآمد ز کوہسار۔ اس میں یہی انتہائی مضمون ہے۔ کہ آفتاب اس غم میں گویا سر برہنہ نکلا تھا۔ اب میر مرزا صاحب مرحوم کیا گل افشانی فرماتے ہیں ۔

تھی صبح یا فلک کا وہ جیب دریدہ تھا　　یا چہرۂ مسیح کا رنگ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکیدہ تھا　　یا فاطمہؑ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کہنی نہ مہر صبح کی سینے پہ داغ تھا
امید اہلبیت کا گھر کے چراغ تھا

سایہ جہاں تھا وہاں نور ہو گیا　　پھر مشک شب جہاں سے کافور ہو گیا

گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہو گیا — باطل رسالہ شب دیجور ہو گیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کی خامہ میں
مضموں تھا آفتاب کا ذرّوں کے نامہ میں

عروج مہر جہاں تاب سے جہاں میں نور ہونا اور رات کا یکایک دور ہونا

آیا عروج پر شہ گیتی ستانِ مہر — لی روز نے پناہ بہ پھریرِ نشانِ مہر
پرچم کشا ہوا علمِ زرفشانِ مہر — اور لشکرِ شعاع نے تانی سنانِ مہر
نیزہ کرن کا دیدۂ گردوں میں ڈال کر
مغرب میں پھینکے رات کی پتلی نکال کر

یعنے مغربی ملکوں میں اس وقت رات تھی جب وقت مشرقی ملکوں میں دن نکلا ہوا تھا

آفتاب کی سایہ افگنی اور دنیا میں روشنی کا پھیلنا

ذرّوں میں نور مہر در آیا قمر قمر — لوٹا سحر نے معدنِ شبنم گہر گہر
بڑھ کر نقیبِ نور پکارا سحر سحر — فرماں نجوم و بدر کو پہنچا بدر بدر
برقع جو اُٹھ گیا تھا رُخِ آفتاب کا
پردہ تھا آشنائے صبحِ ملمّع نقاب کا

بند مذکورہ میں دو دہرے دو دہرے قافیہ حسن حسن اور بے تکلفی سے مصنّف مرحوم نظم فرما گئے ہیں - الحق یہ انہیں کا حصہ ہے - پنچم کے بند میں یہ بات دیکھئے کہ مشرقیت اور یقین کا پہلو طلوعِ صبح و آفتاب میں کس نفاست سے پیدا فرمایا ہے - کیونکہ یہ صبح صبحِ قتلِ اہلبیت ہے

ثابت جو انتقال نجوم و قمر ہوا — ماتم میں چاک جیب قبائے سحر ہوا
پیدا الم سے سپیدۂ افلاک پر ہوا — مشرق سے آفتاب عیاں ننگے سر ہوا
تھرائے آفتاب تجلّی فگن کے ہات

انجم کے فاتحہ کو اٹھائے کرن کی ہات

نیچے کے بندوں میں یہ مضامین ہیں کہ صبح اٹھکر کوئی کسی کا منہ دیکھتا ہے۔ کوئی آئینہ دیکھتا ہے۔ پس شہدائے کربلا کیا کر رہے ہیں اور صبح و آفتاب کس خدمت کو ادا کرتے ہیں۔

جب آسماں سے لشکر انجم رواں ہوا　　پیدا ہوئی سحر کہ سپیدہ عیاں ہوا۔
رن میں بلند لشکر دیں کا نشاں ہوا　　قندیل نور قبۂ آسماں ہوا
دیکھا جو ان حسینوں کے حسن و شباب کو
لے آئی صبح آئینۂ آفتاب کو

لیکن مثال آئینہ حیراں تھا آفتاب　　آئینہ رو تھے خود وہ جوانان لاجواب
اک دیکھتا تھا ایک کا رخ جانکر ثواب　　ہوتا تھا واں بھی عکس نمایاں بآب و تاب
گو روبروئے چشم نہ حاضر تھا آئینہ
رخ ایک کا بس ایک کی خاطر تھا آئینہ

یہ صبح۔ صبح جنگ بھی ہے صبح قتل بھی۔ اس لئے ان سب باتوں کی رعایت دیکھئے

جب سرنگوں ہوا علم کہکشان شب　　خورشید کے نشاں نے مٹایا نشان شب
تیر شہاب سے ہوئی خالی کمان شب　　تانی نہ پھر شعاع قمر نے سنان شب
آئی جو صبح زیور جنگی سنوار کر
شب نے زرہ ستاروں کی رکھدی اتار کر

شمشیر مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب　　پھر تیغ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
تھا لبلبہ گرم خنجر بیضائے آفتاب　　باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری میں آب
محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا
باغ جہاں میں پھول کھلا آفتاب کا

شفق پھولنے کے مضمون کو دیکھئے۔ جو طلوع آفتاب کے قریب ہوتی ہے۔

تھی جوشِ خوں کے عارضہ میں مبتلا شفق — فصّادِ صبح آیا لیئے نشتر و طبق۔
کھولی شفق کی فصد تو رنگِ افق تھا فق — گلرنگ تھا صحیفۂ گردوں ورق ورق۔
خونِ شفق میں سرخ قضا نے قلم کیا
اور خط و خالِ روزِ شہادت رقم کیا

اس مضمون کو دوسرے طرز سے خلعتِ نظم پہنایا ہے۔ دیکھیئے!

دیکھا جو حسنِ خامۂ خورشید پر ضیا — شنگرف کو شفق نے سرِ دست حل کیا
فرماں قضا نے منشیِ تقدیر کو دیا — تحریر کر موافقِ ارشادِ کبریا۔
یہ آخری سپاہ حسینی کا اوج ہے
تا ظہر پھر حسین نہ لشکر نہ فوج ہے

لکھے تو ملازمانِ حسینی کا خط و خال — حر تھا قصوروار سو وہ بھی ہوا بحال
تنخواہ سب کی زخم اضافہ غم و ملال — عہدہ جہاد چھاونی سرکارِ ذوالجلال
دنیا میں سرخ پوش ملازم حضور کے
عقبیٰ میں حلّے خلد کے اور قصر نور کے

خط و خال فوج کے ملازموں کا سب سے پہلے لکھا جاتا ہے۔ جس کا بیان فرما کر یہ بیان فرمایا کہ موردِ عتابِ شاہی حر بن ریاحی تھے۔ ان کا بھی قصور معاف ہوا تنخواہ ان شہیدوں کی زخم تھے۔ اور زخموں کو لفظ تنخواہ کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے۔ وہ یہ کہ زخم تن پر بھی لگتے۔ اور گویا بدن زخموں کو چاہ رہا تھا۔ تنخواہ میں ملازم مقرر ہونے کے بعد کارگذاری پر اضافہ بھی ہوتا ہے۔ وہ اضافہ کیا ہوا۔ غم و ملال ہوا۔ اب یہ بتلاتے ہیں کہ عہدہ ان کا کیا تھا۔ جہاد۔ فوج کے واسطے چھاونی ضرور ہے اس لئے فرمایا کہ چھاونی سرکار ذوالجلال تھی۔ وردی بھی ہر ایک فوج کیلئے لازمی چیز ہے۔ وردیاں دو تھیں دنیا میں سرخ پوش ہیں کہ اپنی لہو میں نہائیں گے یہی شہیدوں کی شان ہوتی ہے۔ اور عقبیٰ میں حلّۂ بہشت کے اور رہنے کو نور کے قصر ملیں گے۔ دیکھیئے ایک بند میں کتنے بڑے مضمون کو کس بے ساختہ پن سے نظم فرمایا ہے۔ اب باقی خبریں

جو ملازموں کیلئے ضروری ہیں۔ وہ ملاحظہ فرمایئے۔ اور اس میں جو اشارے۔ کنایہ مرثیہ اور میر کے ہیں وہ دیکھئے کیسے آبدار نشتر ہیں۔ اور دل پر سنکر کیسا اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً اُس انسان کے دل پر جو حالات کربلا سے آگاہ ہو اور حق آگاہ ہو۔

تمغہ تمیز باطل و حق خوف ذوالجلال ۔ شکوہ حرام فاقہ میں شکر خدا حلال
کوثر صلہ میں تا بہ ابد پیاس تا زوال قبض الوصول حور جنان کا خط وصال
بچوں کا عرف بسمل راہ جہاد لکھا
ایک ایک نوجوان کا لقب نامراد لکھا

تمغہ بھی کارگذار فوجی ملازموں کو ضرور ملتا ہے۔ ان شہدا کو باطل اور حق میں فرق و امتیاز کرنے اور خدا سے ڈرنیکا تمغہ ملا تھا۔ اگر یہ دونوں باتیں ان آدمیوں میں نہ ہوتیں۔ تو یا تو فوج یزید میں چلی جاتی۔ یا امام حسینؑ کو چھوڑ کر اور دنیا دار بیوفاؤں کیطرح اپنے گھر چلے آتے۔ مگر ان کی یہ شان ہے۔ کہ شکوہ و شکایت کو حرام جانتے ہیں۔ فاقہ میں خدا کی شکر کو حلال سمجھتے ہیں۔ صلہ اس پیاس کا جو دوپہر تک اور رہے گی۔ یہ ملیگا۔ کہ اب ہمیشہ کیلئے آب کوثر سے یہ سیراب ہونگے۔ برآوردہ تنخواہ پاکر ملازم جو رسید زر لکھتا ہے۔ اس کو قبض الوصول کہتے ہیں۔ ان کے لئے جنت کی حور کا خط وصال قبض الوصول ہے۔ بچوں کا عرف بسمل راہ جہاد اور جوانوں کا نامراد ہے اب لشکر خدا کو چشم دل سے دیکھئے۔

وہ نور وہ سپیدہ وہ صبح اجل نما وہ نعرہ اذان و اقامت ہر ایک جا
ریتی میں انقیا تھے ترائی میں اشقیا فکر وضو میں شاہ جدا اور حرم جدا۔
پانی کے لانے میں جو تھا معذور آفتاب
حاضر تھا آفتابہ لئے دور آفتاب

لکھا ہے باوضو تھے امام ملک خصال جاگے تھے رات بھر پئے طاعات ذوالجلال
پڑھ کر مگر فریضہ صبح شب قتال تجدید کا وضو کے بدستور تھا خیال۔
دھو یا وضو سے ہاتوں کو اور شکر رب کیا

پہنا کفن جہاد کا زیور طلب کیا

یہ تو شاہ شہیداں کا حال تہا۔ اب اصحاب حق مآب جناب امام حسینؑ کا حال سنیئے

کیا روسفید فوج خدا ہے حضور صبح آئی ہے ان کے عقد عبادت میں حور صبح
رخ سے طلوع مہر جبیں سے ظہور صبح اک سمت ان کا نور ہے اک سمت نور صبح
سر سجدہ میں بدن ہیں قعود و قیام میں
کیا صبح کی بہار ہے فوج امام میں

تصویر امام مظلوم کے لشکر نونکی۔

آواز ارکسو جو ملائک سناتے ہیں غازی نماز پڑھ کے مصلی اٹھاتے ہیں
تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں سجدے کو آستانۂ مولا پہ آتے ہیں
در پر دھرے جبینوں کو سب منفعل ہیں
اک آسماں ہے اور سب شکل ہلال ہیں

مثل سحر یہ عابد شب زندہ دار ہیں مانند مہر متقی روزگار ہیں
شکل فلک رکوع میں لیل و نہار ہیں مثل زمیں سجود میں یہ خاکسار ہیں
سجدے سے ان کے خاک وظیفہ میں رہتی ہے
تسبیح ان کے ہات میں تکبیر کہتی ہے

دیکھو خشوع کو تو ہے لرزاں بدن تمام پوچھو رجوع قلب تو دل ہے سوئے امام
واقف نہیں یاں سے کہ کس شئی کا ہے یہ نام جس کو نماز کہتے ہیں وہ یہہ ہے والسلام
روشن ہے ان کا اوج عبادت جہان پر
سمجھا دیے ہیں زمیں پہ نماز آسمان پر

بالکل نئی طرز سے مگر مختصر سراپا لشکر امام مظلوم کا سنیئے۔

بخت جواں ہے پیر فلک نوجوان ہے حلم ان کا ہمزاج صداقت زبان ہے
ہمت انہیں کے ہات کا اک استخوان ہے نور خدا بدن ہے حسینؑ انکی جان ہے
فردوس ان کا خلق ہے نار ان کا خشم ہے

ایمان ان کا دل ہے حیا ان کی چشم ہے۔

کلمہ حسین کی وہ محبت کا پڑھتے تھے ۔ کیا ذہن تھا لکھا ہوا قسمت کا پڑھتے تھے

یکسال خطبہ انکی فضیلت کا پڑھتے تھے ۔ جب ہول صیغہ اذن سے اخوت کا پڑھتے تھے

وہ خاص جاں نثار شہ خاص و عام تھے

حوریں خواص خاص تھیں غلمان غلام تھے

لطف تمثیلات کو ملاحظہ فرمائیے ۔ بے مثل بند ہے۔

فارغ نماز و روزہ و حج و زکات سے ۔ عصیاں سے یوں علیحدہ تھے دن رات سے

مرنے سے شاد جیسے کہ دولہا برات سے ۔ دنیا سے یوں کنارے تھے جیسے فرات سے

کوثر کے یوں قریب تھے جیسے حسین کے

قربان یاوران شہ مشرقین کے

ہے دست بوس ایک کے شمشیر آبدار ۔ تحف کا سبحہ کسی کے گلے کا ہار

کوئی خیال حور شہادت سے ہمکنار ۔ کوثر پہ آنکھ ایک جری کی پیالہ دار

کہتے ہیں راہ حق میں شرف کی کمی نہیں

اس راہ میں جو خاک نہ ہو آدمی نہیں

پڑتا تھا عکس عارض و خط کا جو بار بار ۔ اٹھتا تھا سرخ و سبز بیابان سے غبار

ان کی بہار دیکھنے کو آئی تھی بہار ۔ زہرا کی روح ہوتی تھی ایک ایک پر نثار

معمور دشت تھا شہدا کی شمیم سے

بوئے شہادت آتی تھی موج نسیم سے

دیکھئے جوش جوانمردی کی تصویریں نمازی اور سپاہیوں کی تقریریں

کہتا تھا کوئی ذوق شہادت میں جھوم کر ۔ اپنے تو ہاتھ میں ہے کف دست کی سپر

میدان میں اس پہ رد کیں گے ہم خنجر و تبر ۔ ہاتھوں کے بعد ہو نگے سپر سینہ و جگر

مظلوم کے رفیق ہیں غربت سے کام ہے

جرأت سے کام کیا ہے شہادت سے کام ہے

بولا کوئی دلیر یہ گردن بلا - بلا - نو — تیر و کماں ترکش و تیغ و سپر ہے کیا
ہوش و حواس چاہئیں لڑنے میں ہو بجا — یہ قصد ہی جو ہو مدد شاہ لافتا
ہم تو سلاح جنگ نہ تن پر سنواریں گے
تیغیں انہیں کی چھینیں گے اور ان کو ماریں گے

خیمہ کے گرد خندق آتش جو تھی تمام — اس کے قریب جا کے یہ کرتا تھا اک کلام
اس آگ میں میں کود پڑوں گر کہیں امام — ہو جائے مجھ پہ آتش دوزخ ابھی حرام
پانی طلب بہشت سے شاہ زمن کریں
اور اپنے ہات سے مرا غسل و کفن کریں

کہتا تھا تیغ تول کے اک صاحب یقیں — یا آج فوج شام نہیں یا ہمیں نہیں
کہتا تھا دل بڑھا کے کوئی دوسرا وہیں — مردوں کی بس یہ بات ہے واللہ آفریں
نیت تو ہے بخیر اب انجام نیک ہو
پھر موت زندگی ہے اگر نام نیک ہو

بولا کوئی حسین کی خدمت وہ کیجئے — رتبے خدا سے بوذر و سلماں کے لیجئے
گھر بار جان و مال تصدق میں دیجئے — پیاسے ہی قتل ہو جیئے پانی نہ پیجئے
یہ فضل کبریا ہے جو حیدر کے پاس ہیں
ورنہ کہیں بہشت میں پیغمبر کے پاس ہیں

عمامہ رکھ کے ہات پہ کرتا تھا اک دعا — یارب تصدق آل پیمبر کی پیاس کا
وہ صبر دے کہ لب نہ کریں پیاس کا گلا — ہمت وہ بخش سر شہ دیں پہ کریں فدا
ہم ہوں رکاب شاہ ہو جنت کی سیر ہو
دنیا بخیر ہو چکی عقبیٰ بخیر ہو

بولا کوئی حق اپنی طرف ہے تو کیا ہے غم — یہ فوج ہے یہ تیغ ہے یہ رن ہے اور یہ ہم
گر مر گئے شہید ہوئے مالک ارم — زندہ رہے تو یاور شاہنشہ امم
لپٹے ہیں دامن شہ عالی نہاد سے

ہیں ہر طرح بھرے ہوئے دامن مراد ہیں

یہ تو عام رفیقوں کا ذکر خیر تھا۔ اب خاص آلِ بنی ہاشم کا کھلا ہوا باغ دیکھئے۔ جن میں امام حسینؑ کا خون ملا ہوا ہے ۔ یہ سب روایت مشہور کے موافق ۱۷ ہیں۔ ان میں دو صاحبوں کا شرف سب سے زیادہ سب نظر آتا ہے ۔ ایک جناب علی اکبر جو ہمشبیہ پیغمبرؐ ہیں۔ اور جن کی نسبت مشہور یہ ہے۔ کہ امام حسینؑ نے اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا اور جن کی ایک فضیلت خاص یہ ہے۔ کہ امام حسینؑ نے عقاب نام جناب رسول خدا صلعم کا گھوڑا۔ اور انگوٹھی اور عمامہ پیغمبر خدا صلعم ان کو بخشا ہے۔ بعد امام حسین کی ان کی ایک خاص زیارت امام جعفر صادقؑ نے پڑھی ہے ۔ پھر اور شہیدوں کی زیارت پڑھی ہے۔ دوسرے بزرگوار حضرت عباسؑ ابن امیر المومنینؑ ہیں۔ جو لشکر امام حسینؑ کی بمثل بہادر علمدار تھے۔ اور جن کی شان میں افضل الشہدا امام معصوم نے فرمایا ہے۔ انہیں دونوں کی مدح سے مصنف علام بنی ہاشم کی تعریف شروع فرماتے ہیں۔ ان کی مدح بھی ایک طرز خاص سے نظم فرمائی ہے۔ دیکھئے۔

لشکر میں ہے یہ اکبرؑ و عباسؑ کا وقار — وہ انجمن میں شمع تو یہ باغ میں بہار
آنکھوں میں وہ نگاہ تو یہ سینوں میں قرار — وہ بازوؤں میں زور یہ قبضہ میں ذوالفقار

ان دونوں کی یہ فوج خدا میں مثال ہے
دریا میں وہ گہر ہے یہ معدن میں لال ہے

انہیں تشبیہات و تمثیلات پر اکتفا نہیں فرماتے اور تشبیہات و تمثیلات دیکھئے۔ خدا جانے طبیعت تھی یا قلزم ذخار۔

وہ چشم ہیں پلک میں تو یہ دل ہیں سینہ میں — حیدر وہ کعبہ میں یہ پیمبر مدینے میں
یوسف وہ خطبہ میں یہ سکندر نگینے میں — آب بقا وہ چشمہ میں یہ زر خزینے میں

وہ آب موتیوں میں یہ اک گل ہزاروں میں
خوشبو وہ پھولوں میں یہ تجلی ستاروں میں

دوسری طرز سے دونوں صاحبوں کی تعریف سنئے!

والشمس سے مراد خدا ہے رسول رب — اُس شمس کی شعاع ہے اکبر کے زیب سب
عباس کا ہے ماہ بنی ہاشمی لقب — دو در ہیں ان کے مہر و عطا کی یہ روز و شب

ہر صبح و شام روئے خلائق پہ باز ہیں
ذرہ نواز وہ ہیں یہ اختر نواز ہیں

اسی شمس و قمر کی رعائت سے یہ دونوں صاحبوں کو چاند سورج فرما کر مدح کی ہے

ہر صبح مہر و ماہ کی تو کم ہے روشنی — پر دیکھو ان کے عارضوں کی جلوہ افگنی
خورشید وہ جری ہے تو ہے چاند یہ غنی۔ — اک سمت کو ہے دھوپ اور اک سمت چاندنی

پائی نہ ماہ نے یہ ضیا ماہتاب میں
دیکھی نہ آفتاب نے یہ دھوپ خواب میں

اب دیکھئے ان چچا بھتیجوں میں جو بات چیت ہوئی تھی۔ وہ اس وقت کی حالت کی خبر دے رہی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کیسی پریشان حالی تھی۔ اور یہ کہ خیام اقدس میں شہزادیوں کے کیسے خیالات تھے۔

عباس سے یہ کہتے ہیں اکبر کہ کیوں چچا — کیا ہوگا گرد خیمے کے ہو لشکر جفا
ماں کے پردے کا بھی اندیشہ ہے بڑا — باندھیں گے اپنا مورچہ ہم واں دم وغا

خیمہ سے فاصلہ نہ پدر سے جدائی ہو
یہ طرح ہو اگر تو بخوبی لڑائی ہو! ۔

ماں نے کہدیا ہے کہ بخشونگی میں نہ شیر — جیتے تیرے امام کو نیزہ لگا کہ تیر
حافظ رہوں گا باپ کا میں وقت دار و گیر — لیکن غضب ہے والدہ گر ہو گئیں اسیر

خیر اب تو دامن شہ خوش خو نہ چھوڑیں گے
جو ہو سو ہو حسینؑ کا پہلو نہ چھوڑینگے

عباس مدح کرتے ہیں گردن ہلا ہلا — زینبؑ کے پالنے کی یہ غیرت ہے میں فدا
وہ پوچھتے ہیں آپ کہیں ہے ارادہ کیا؟ — یہ بات منہ پہ پھیر کے کہتے ہیں دیکھنا

جینے سے ہات دھوتے ہیں مرد اپنی بات پر

اپنا تو آج مورچہ ہو گا فرات پر

دیکھئے یہ کنایہ کیسا بلیغ ہے۔ اس لئے کہ حضرت عباسؑ فرات کے کنارہ شہید ہوئے ہیں۔

باگیں پکڑ کے کہتے ہیں زینبؑ کی یادگار
اک حملہ میں سمند ہیں اپنی بھی پلے یار
ابن حسنؑ کے حسن بیاں سو ہے آشکار
ازرق کا زرق برق مٹا دوں تو ہو قرار
دعوے ہیں آج حیدریوں کو بڑی بڑی!
چاہیں تو غرب شرق کو لے لیں کھڑی کھڑی

(۲) دوسرے مصرع میں بالکل لڑکوں کی زبان ہے۔ ابن حسنؑ سے مراد حضرت قاسم ہیں۔ اوپر کے بند میں دریا کا ذکر تھا۔ اور دریا کی گھاٹ پر ازرق شامی تعینات تھا اس نے بہت شدت کی تھی۔ کہ حبیب ابن مظاہر رفیق امام حسینؑ اپنے قبیلہ کے آدمیوں (بنی اسد) کو لشکر امام حسینؑ میں لا رہے تھے تو اس (ازرق) نے اپنی ماتحت فوج سے ان غریبوں پر حملہ کرکے ان کو چھپا کر دیا۔ وہ فرار ہو گئے حبیب خالی آگئے۔ حضرت قاسم کو یہ خیال ہے۔ کہ اس ازرق کا زرق برق۔ تم تراق۔ مٹا دوں۔ جب دلکو تسکین ہو۔ آخر کار ازرق کے چاروں لڑکوں اور ازرق کو حضرت قاسم نے میدان میں بڑی جوانمردی و شجاعت سے قتل کیا ہے۔ اسی کا اشارہ ۴-۵-۶ مصرع میں ہے۔ کہ تین دن کے تو پیاسے ہیں۔ مگر ۱۱-۱۲-۱۳ برس کے لڑکوں کو یہ دعوے ہیں۔ کہ ایسے ایسے بڑے پہلوانوں کو آج قتل کریں۔ تو دل کو قرار ہو۔ جب ایسے ہمت و عزم کے بنی ہاشم ہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ تمام دنیا کو چاہیں تو لیلیں۔ اب پسران عقیل۔ پسران مسلم بن عقیل۔ باقی پسران جناب امیرؑ۔ دلبران امام حسنؑ جو رہ گئے۔ ان کے ارادوں کو بالاختصار ذکر فرماتے ہیں۔

کہتا ہے کوئی ظالموں کو رنج دیجیئے
دریا کو چھین لیجئے۔ پانی نہ دیجیئے
جس وقت نام پنجتن پاک لیجیئے۔
ماہی سے ماہ تک وہیں چو رنگ کیجیئے
قیصر سے ملک روم تو خاقان سے چین لو

ابن زیاد کیا ہے ۔ چلو کو نہ چھین لو

کیونکہ نہ شیر ہوں خلف شیر کبریا ۔ سید انہوں کا دودھ ہو ان پیاسوں نے پیا
دو دن سے ایک لقمہ تناول نہیں کیا ۔ لیکن وہی ہے چہروں کی سرخی وہی ضیا

سید ہر ایک حال میں خوش حال رہتے ہیں !
کہائیں نہ کہائیں شیروں کے منہ لال رہتے ہیں

ان کی صبر و تحمل کی یہ اعلیٰ درجہ کی تعریف ہے ۔ کہ تین دن کے بھوکے تین دن کے پیاسے ہیں ۔ مگر چہروں پر سرخی وہی نمودار ہے ۔ ٹیپ تو مقطوع الجواب ہے اور ثبوت ایسا صاف ہے کہ سبحان اللہ یعنے کہائیں نہ کہائیں شیروں کے منھ لال رہتے ہیں ۔ ان کا مختصر بہت مختصر سراپا بھی سن لیجئے ۔ یہ اختصار مرزا صاحب کا حصہ ہے ۔

(مختصر سراپائے بنی ہاشم)

چہروں سے کیا ضیا و صفا آشکار ہے ۔ شہر حلب انہیں کا اک آئینہ دار ہے
اک سبزہ تار زلف کا ملک تتار ہے ۔ یہ باغ رخ بہشت کی فصل بہار ہے

گلگوں قدوں کے چہروں میں کس آب و تاب کی
ہیں پھول کے درخت ہیں پھل آفتاب کی

رخ چشمۂ حیات احبا کے واسطے ۔ خط لب کا ذوالفقار ہے اعدا کے واسطے
فیض وہاں تنگ ہے دنیا کے واسطے ۔ یاں جائے دم زدن نہیں عیسیٰ کے واسطے

ان کے شرف پہ عزم تبسم کا کئے ہوئے
پھرتی ہے جدہات میں قرآں لئے ہوئے

اور زلف حلقہ حلقہ ہے آرام کی جگہ ۔ ظلمت میں جیسے خضر خوش انجام کی جگہ
اس لام کا ہے دائرہ اسلام کی جگہ ۔ یعنے علی کے دل میں ہے اس لام کی جگہ

یہ زلف و رخ وہ دو قدرت نگار ہیں
ایک فرد اسی رسالہ کی لیل و نہار ہیں

زلف کو شعرا لام سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ اور لام کی طرح زلف لمبی ہوتی ہے ۔ مصرع سوم

میں مصنف مرحوم فرماتے ہیں۔ اس لام (زلف) کا دائرہ۔ اسلام کی جگہ ہے۔ کیونکہ علی
کی دل میں اس (لام) زلف کی جگہ ہے۔ علی میں تین حرف ہیں۔ ع۔ ل۔ ی۔ بیچ کا
حرف لام ہوا۔ اس۔ لیئے اس کو دل کہا۔

سمجھے ہیں نامرادی دنیا کو یہہ مراد | غم ان کی دل پریشاد ہو دل ان کا غم میں شاد
ہر عضو میں ہے دل کیطرح سے خدا کی یاد | قرآن پڑھنا ختم ہوا ان پر دم جہاد

بازوے جنگ مثل ترازو تلے ہوے
خود رحل زیں پہ گود میں قرآن کھلے ہوئے۔

اس بند میں اعلیٰ درجہ کی کئی باتیں فرمائی ہیں (۱) جو نامرادی دنیا کی ہے۔ اسی کو یہہ
مراد سمجھتے ہیں۔ مرزا غالب مرحوم ایک رقعہ عود ہندی میں نامراد و بے مراد دونوں
کو صحیح لکھہ کر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک لفظ کے معنی تو یہ ہیں۔ کہ وہ شخص تارک دنیا ہو۔ ل
ہیں کہ دل مراد کوئی ارمان ہی نہ رکھتا ہو۔ یہ مضمون عجب مضمون ہے۔ کہ یہ رفقائے امام
حسینؑ نامرادی کو اپنی مراد سمجھی ہیں (۲) یہ تو معمولی بات تھی کہ صابر کا دل غم میں شاد
ہوتا ہے۔ مگر یہ عجیب بلیغ تعریف ہے۔ کہ غم ان کے دل میں آکر شاد ہو جاتا ہے۔ اب دل
کی تعریف فرما چکے۔ تو اور اعضا کی مدح میں فرماتے ہیں۔ کہ ہر عضو میں ہے دل کیطرح
ہے خدا کی یاد لڑائی پر بازو۔ ترازو کی طرح تلے ہوئے ہیں۔ خود رحل زین پر جیسے ہیں
گود میں قرآن کھلے ہوئے ہیں۔ رحل زین بھی کتنا پیارا استعارہ ہے۔ اس سے ایک
مراد یہ بھی ہے کہ قرآن کیواسطے لڑ رہے ہیں۔ اور ان کے سردار امام حسینؑ ہمسر قرآن ہیں

دریادلوں کے گھوڑے ہیں یا کشتی رواں | کشتی کا نقش پا نہیں پانی کے درمیاں
ان تازیوں کے سم کا زمیں پر نہیں نشاں | انجیل میں ہے انکی فضیلت کا یہ بیاں

قطرہ عرق کا خشک نہ ہوا راہواروں کا
جو داخلہ بہشت میں ہوگا سواروں کا

یہ مضمون ایک مشہور حدیث سے متعلق و مستنبط ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کعب الاحبار
عیسائیوں کے عالم عہد حضور صلعم میں شرف اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ ایک روز

لوگوں سے یہ بیان فرما رہے تھے۔ کہ انجیل میں ایک ایسے صاحب عزت و شرف کا ذکر خیر ہے۔ جو اہل اسلام میں سے ہوگا۔ اُس کے اور اُس کے مصاحبوں کے گھوڑوں کا پسینہ خشک نہ ہوگا۔ کہ وہ سب داخل جنت ہونگے۔ اتفاقاً امام حسنؑ ادھر سے ہو کر نکلے۔ لوگوں نے پوچھا۔ دیکھو وہ بزرگوار یہ صاحبزادہ تو نہیں ہیں۔ کعب نے چہرہ دیکھکر کہا نہیں۔ پھر امام حسینؑ گذرے تو کعب نے مسلمانوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ کہ وہ بزرگوار یہ صاحبزادہ ہیں جن کی تعریف ابھی میں نے انجیل سے بیان کی۔ دیکھئے تشبیہ کتنی پیاری ہے۔ کہ گھوڑے کو کشتی سے تشبیہ دیکر یہ فرمایا۔ کہ جس طرح کشتی دریا میں چلتی ہے۔ اور پانی پر نشان نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان گھوڑوں کی سبک روی رفتار کی وجہ سے زمین پر سُم کا نشان نہیں ہوتا۔ کشتی اور پانی کے بیان کے بعد عرق و پسینہ کا مضمون کیسا مسلسل ہے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔ اب گھوڑوں کی تعریف میں دیکھئے کتنی چیزیں بند ذیل میں جمع فرمائی ہیں۔ نظم تو درکنار اردو کی نثر میں بھی تو اتنی چیزیں فراہم کرنا مشکل ہے ؎

طاؤس ان کا جلوہ ہے کبک انکا ہے خرام   شیر ان کا پنجہ اور ہرن چشم خشک فام
حور ان کی پتلیاں ہیں پری ہے پلک کا نام   بجلی بدن ہے ان کا شرر ہیں رگیں تمام
سیماب ہے پسینہ نسیم ان کی جان ہے
رعد ان کا ایک نعرہ ہے شعلہ زبان ہے

یہہ بارہ چیزیں آئمہ اثنا عشرؑ کے مقدس اعداد کیموافق کس بیساختہ پن سے نظم فرمائی ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے۔ کہ ہر مصرع میں برابر دو دو چیزیں ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی میں تین کسی میں دو کسی میں چار ہوں۔ اب ایک عام فہم بند سنئے۔ اور کسی شہسوار (چابک سوار) سے اس کی خوبی پوچھئے۔ اگر آپ کو ریل میں سوار ہوتے ہوتے گھوڑے پر سوار ہونیکا کم اتفاق ہوا ہو۔ اور آپ چابک سواری کی فن سے نابلد ہوں۔

جولاں کرو جو راہ میں نیزہ کو گاڑ کے   اڑ جائیں چاروں پتلیاں اکبار جھاڑ کے
پوئی میں خاک اڑتی ہیں جیب پہاڑ کے   کاوے میں آسمان نہیں چکر ہو گئے

جسدم کمال نرم روی کا دکھاتے ہیں
جھولے میں نعل کے یہ ہوا کو سُلاتے ہیں

دوسرا رُخ

لشکرِ شام میں صبح عاشور کو جو جو سامان ہو رہے ہیں وہ سُنیئے بلکہ دیکھیے

تھے خرمن فلک پہ ابھی دانۂ نجوم — بونے لگا جو تخمِ ستم ابنِ سعدِ شوم
غلّے کے بانٹنے کو ندا دی علی العموم — مانندِ مور[1] دانہ زدوں نے کیا ہجوم

جس کا کہ باپ قاسمِ رزق زمانہ تھا
ہفتم سے کربلا میں وہ بے آب و دانہ تھا

رومال ظالموں نے زمیں پر بچھا دیئے — حصے عمر نے سب کی برابر لگا دیئے
اور افسرانِ فوج کو حصے سوا دیئے — اور سر بہر صرۂ زر بھی دکھا دیئے

لب کھولے حیلہ ور کے عداوت کی جوش نے
گندم نمائی آہ کی ۔ یوں جو فروش نے

گندم نما جو فروش اُس کو کہتے ہیں جس کا ظاہر اچھا اور باطن خراب ہو یعنی گیہوں دکھا کر جو بیچتا ہے یہی حال پسر سعد نحس کا ہے ۔ کہ یہ ایک مشہور صحابی سعد بن ابی وقاص کا بیٹا ہے ۔ اور قتلِ فرزندِ رسول کو سردار لشکر ہو کر آیا ہوا ہے ۔ وہ حسب ذیل تقریر میں لشکریوں کو قتلِ امام حسینؑ کی ترغیب دیتا ہے ۔

ہاں اے نمک حلالو نہ ہمت کو ہاریو — بھوکے کو بھوکا پیاسے کو پیاسا ہی ماریو
ابنِ معاویہ کی خلافت سنواریو — سید کے صبر کو سینے پہ چڑھ کر اتاریو

---

[1] چوتھے مصرعہ میں فوجِ دشمنِ شام کو دانہ زد کہا ۔ اور پھر چیونٹی سے تشبیہ دی ۔ کہ چیونٹی دانہ زد ہوتی ہے ۔ چیونٹی جس انہماک سے دانہ کو لے جاتی ہے ۔ وہ ہر شخص ہر روز دیکھتا رہتا ہے اس سے بہتر دانہ زدگی تشبیہ نہیں ہو سکتی ۔ یہی بلاغت ہے ۔ کہ جس کا سکہ تمام دانگ عالم میں ہے ۔ اور یہی بات حاسدوں کو نہیں سوجھتی ہے ۔

اب تو یہ غلہ کل زر و جاگیر و مال ہے
شبیر کو جو ذبح کرو سب حلال ہے

پھر غلہ دیکھ سب سے مخاطب ہوا عمر
کھا لو کہ اب غذا نہ ملیگی کئی پہر
اس جنگ میں ہراس و تردد ہے سر بسر
ایمان کا نقص جان کا خوف آبرو کا ڈر
امت سے سامنا ہے امام جلیل کا
کاٹا ہے جس کے باپ نے پر جبرئیل کا

ایک ایک ان میں حمزۂ صاحب قران ہے آج
بندہ حسین کا ہے جو پہلوان ہے آج
ایک ایک علی کی طرح شجاع جہاں ہے آج
شہرہ نہیں انکی ضرب کا سکہ رواں ہے آج
ہاں صبح ہے قریب نہ کھانا نہیں دیر ہے
ان بھوکے پیاسے شیروں سے لڑنا دلیر ہے

بڑھکر عمر سے کہنے لگے بانی ستم
یہی تو یہ غذا ہے کہ بھوکے دلیر حرم
نوفل پکارا سیر ہیں آپ غذا سے ہم
کھائی ہے آج قتل علمدار کی قسم
چلایا شمر ہم تو ابھی وقت کھائیں گے
جب تین دن کے پیاسے کا سر کاٹ لائینگے

بولا عمر کہ بیٹھو یہ باتیں روا نہیں
دعویٰ بے سند سے تمہیں کچھ حیا نہیں
منہ کا نوالا شبیر کا سر کاٹنا نہیں
رستم بھی بھوکا پیاسا کبھی لڑنے آیا ہے
اترے نہ ہوتے تم جو لب نہر چین سے
پھر دیکھتا میں لڑتے ہو کیونکر حسین سے

یہ جو کہا عمر نے وہ چپکے چلے گئے
بے عقل نقد دین عوض جنس دے گئے
شدید کے قصد ذبح پہ سب تل گئے
اور یاں عمر کے اسپ عراقی کسے گئے
جیسے ہی عمر نے سلاح کا انداز کی
خادم لے آئے جرح سبھی تیغیں اوتار کی

سردار لشکر شام و کوفہ عمر ابن سعد نا فرجام کا سلاح جنگ سے آراستہ ہونا

سینے لگا سلاح وغا بھر وہ پُر دغا — بے خود ہوا جو خود سرِ نحس پر دھرا
بے ماہ و آفتاب کے گویا گہن لگا — یا دارِ قد پہ کفر کا بختِ سیہ چڑھا

اسلام میں جو ڈالے تھے رخنے یزید نے
اُن رخنوں کو کیا زرہِ تن پلید نے

پاؤں میں پہنے موزۂ گمراہیِ جہاں — کج فہمیِ معاویہ کی اُس نے لی کماں
اور تیغِ مہنّد ہندِ جگر خوار کی زباں — فردِ سیہ تھی نامہ اعمالِ شامیاں[1]

چار آئینہ وہ زنگ بہرا اُس پلید کا
دل سنگِ شمر و شمث و ابن زیاد و یزید کا۔

ان بندوں میں مصنّف مرحوم نے ایک خاص جوہر قابلیت دکھایا ہے۔ زرہ کی مذمّت میں فرمایا۔ کہ جو رخنہ اسلام میں یزید نے ڈالے تھے۔ ان کو اپنے بدن کی زرہ ابن سعد نے کر لیا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے ایسے مرتد یزید کے مددگار نہ ہوتے تو وہ ایسے رخنہ اسلام میں نہ ڈالنے پاتا ۔ پاؤں میں وہ موزے پہنے جو زمانہ بھر کی گمراہی کے نشان تھے ۔یہاں اتنا عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ پاؤں بروزن فعلن اس زمانہ کے شعرا کم باندھتے ہیں۔ بلکہ پاؤں بہ وزن فعل کہتے ہیں ۔ فی زماننا بعض شعرا ایسے موقع پر "پیروں کو نظم" فرماتے ہیں۔ حالانکہ پرانے زمانہ میں (جس زمانہ کا یہ مرثیہ کہا ہوا ہے) پیر کا لفظ عموماً غیر فصیح سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس مقام پر ایک نکتہ باریک عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے ۔کہ پاؤں قدم اور پاء کے معنے پر اردو میں واحد بھی آتا ہے۔ اور جمع بھی مگر پرانے زمانہ کے بعض شعرا کا یہ خیال تھا۔ کہ پاؤں جب واحد آئے۔ تو فعل کے وزن پر آوے۔ (اشباع نہ ہو) اور جب جمع آئے ۔تو اشباع ہونا ضرور ہے۔ کہ اس میں

---

[1] ہرچند یہ بند مجھ سے پہلے مولوی شبلی صاحب موازنہ کے صفحہ ۲۵۳ پر نقل فرما چکے ہیں ۔ مگر اس کی بندش مجھے پسند تھی ۔ اس لئے میں نے بھی لکھ دیا۔ خصوصاً ٹیپ میں چار آئینہ کا مضمون لاجواب ہے ۔۱۲۔ ثابت۔

واؤ ثانی جمع کا کام دیگا۔ تاکہ واحد و جمع میں فرق و امتیاز معلوم ہو۔ اور پاؤں باشباع
بمعنی فعلین یہاں جمع کیواسطے آیا ہے۔ کہ دونوں پاؤں میں موزے پہنتے ہیں۔ اور اردو
میں مثل عربی کے تثنیہ نہیں ہے۔ بلکہ دو سے جمع شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے پاؤں
(باشباع) اس موقعہ پر فصیح و ضروری ہے۔ اب اس مصرع کو دیکھئے۔ کہ ع اور تیغ
ہند۔ ہند جگر خوار کی زبان۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی تلوار مشہور تھی۔ چنانچہ
اکثر زمانہ جاہلیت اور پہلی صدی ہجری کے اشعار عرب میں مہنّد۔ تلوار ہندی کے معنے
پر مستعمل ہوا ہے۔ اور یہاں ہند کے لفظ سے ایک خاص مضمون باریک پیدا کیا ہے۔
ہند اول تو ہندوستان کے معنی پر اور ہند ثانی یزید کی دادی سے مراد ہے جس نے
جنگ اُحد میں وحشی غلام کو یہ ترغیب دی تھی کہ تو محمّد مصطفیٰ صلعم یا علی مرتضیٰؑ
یا امیر حمزہؓ کو قتل کر۔ چنانچہ اسی لڑائی میں اسی غلام کے ہات سے حضرت امیر حمزہ
(سید الشہداء) شہید ہوئے۔ ہند جگر خوار یہ (ہند) اس لئے مشہور ہے۔ کہ اس
نے حضرت امیر حمزہؓ کا جگر منہ میں رکھ لیا تھا۔ کہ کھا جائے مگر پھر حلق سے نیچے
نہ اتار سکی۔ تلوار کو اس خاندانی دشمن کی زبان سے اس لئے تشبیہ دی ہے۔ کہ یہ مشہور
مثل ہے کہ تلوار کا زخم جاتا رہتا ہے۔ زبان کا زخم نہیں جاتا۔

ایک عرب کا پرانا شعر بھی قریب قریب اسی معنی پر ہے | جراحات السنان لہا التیام
جس میں شاعر عرب نے زبان کو نیزہ سے استعارہ | ولا یلتام ما جرح اللسان

کیا ہے۔ کہ نوک نیزہ کے زخم تو بھر جاتے ہیں۔ مگر زبان کے زخموں کا التیام نہیں ہوتا
یہاں زبان سے تلوار کا استعارہ حقیر کے خیال میں زیادہ بلیغ ہے۔ کہ نیزہ کی ایک
زبان ہوتی ہے۔ تلوار دو زبان مشہور ہے۔ پس دشمن و حاسد کی زبان کو تلوار سے زیادہ بتایا
ہے۔ کہ اس کو بھی دو زبان سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تلوار ایسی تیز تھی۔ اور اس
تلوار کے زخم صاحبان غیرت (اہلبیت عصمت) کے حق میں ایسے شدید و خطرناک
تھے۔ جیسے کہ ہند جگر خوار کے زبان۔ کہ جس کی زبانی کینے سے سید الشہدا امیر حمزہؓ
شہید ہوگئے۔ ایک اور باریک رعایت ملاحظہ فرمائیے۔ کہ وہاں سید الشہدا میں اسلام

امیر حمزہؓ۔ امام حسینؑ کے چچا ہے اور یہاں خود امام حسینؑ سید الشہدا ہیں: اسلام میں

میں سیدالشہدا صرف انہیں دونوں چچا بھتیجوں کا لقب مشہور ہے۔ خود سپر کو شہیدوں
کے نامہ اعمال سے استعارہ کیا ہے۔ یہ ثابت سیاہ کار ہیں۔ ان کا نامہ اعمال بھی سیاہ ہو
سپر بھی سیاہ ہوتی ہے۔ چار آئینہ کو شمر و شبث و ابن زیاد و یزید کا دل بتایا ہے۔ آئینہ
کو دل سے شعرا تشبیہ دیتے آئے ہیں۔ یہاں سنگ قسمت وجہ مقصود ہے۔ اس لئے چار
آئینہ کو یہ کہکر کہ زنگ بھرا ہوا تھا ان چاروں دشمنان امام حسینؑ کے دلوں
سے تشبیہ دی ہے۔ سب سے بڑھ کر جو لوگ اس زمانہ میں قتل امام حسینؑ کے درپے تھے۔ وہ
(علاوہ ابن سعد کے جس کا ذکر فرما رہے ہیں۔) یہی چاروں شخص تھے۔ اب جو مشہور
مشہور دو چار قاتل اور رہ گئے۔ ان کو ذیل کے بند میں بطور استعارہ ذکر فرماتے ہیں۔
وہ سنان ابن انس نخعی ہے۔ جو فخر کیا کرتا تھا۔ کہ اس شخص نے امام حسینؑ کو ایسا
نیزہ مارا۔ کہ جس سے وہ جناب شہید ہو گئے۔ اور حرملہ بن کاہل اسدی جس کے تیر
سے دودھ پیتا ہوا (گویا چھ مہینہ کا) بچہ امام حسینؑ کے ناوک تیر سے شہید ہو گیا۔

نیزہ سنان ابن انس کا تھا دست جور — نیزہ اور حسینؑ کا سر ہے مقام غور
ترکش تو تھا دریدہ دہن حرملہ کا طور — گویا سوائے تیر نہ اس کی زبان تھی اور
اول خدنگ اس کا چلا شاہ خلق پر
آخر کو تیر حرملہ اصغر کے حلق پر

بیت میں اس مشہور واقعہ کیطرف اشارہ ہے۔ کہ پہلے پہل خود سالار لشکر ابن سعد
نے امام حسینؑ کیطرف یہ کہکر تیر لگایا تھا۔ کہ سب لشکر گواہ رہے۔ کہ میں پہلے امام حسینؑ
پر تیر لگاتا ہوں۔ پھر دس ہزار تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسایا۔ اب اور سامان
دیکھئے۔

پھر زہر کے بجھے ہوئے خنجر طلب کئے — اپنے ملازموں پہ وہ تقسیم سب کئے
سامان جہانی شاہ عرب کئے — ظالم سے تیغ عسلی کی جھگڑ کے سب لئے
مانگا شقی نے تو سن زین لجام کو
کھا پی کے فوج بھی ہوئی جانب سلام کو

۱۰ اب فوج یزیدی کا سماں اور سین دیکھیے -

کثرت پہ فوج کی ہوا نازاں وہ خود پرست　　بولا کہ اپنی فتح ہے شبیرؑ کی شکست
پہلے کیا فرات کا ظالم نے بند و بست　　بٹھلائی دس ہزار زرہ پوش تیز دست
دیوار آہنی لب دریا بلند کی
دریا نے بانگ ہائے حسینا بلند کی

گھاٹوں کو روک کر یہ پکارا کہ ہاں سنو　　بے آبرو کرو نگا نہ ہانیکا حکم ہو -
پائیں نہ ایک قطرہ شہنشاہ نیک خو　　میت کے غسل کو نہ وضو کو نہ پینے کو
جاں بر نہ تشنگی سے امامِ حجاز ہو
خشکی میں غرق نوح حرم کا جہاز ہو

اور ستّرہ ہزار سواراں نیزہ دار　　قوم اسد کے گھیرنے کو بھیجے ایک بار
یعنی بنی اسد۔ اسد اللہ پہ ہیں نثار!　　ایسا نہ ہو کہ آئیں ہوئے شاد بو دیار
ان سے جدا حسینؑ رہیں وہ حسینؑ سے
ہم سیدوں کو ذبح کریں دمیں چین سے

چہدہ کیے ہزار جوانان نا خلف　　اس عہدہ پر کیا انہیں منصوب طرف
ساغر بکف رہیں وہ تنک ظرف صف بصف　　جب العطش کہیں دُرِ پاک تشنہ نجف
پانی انہیں دکھا کے یہ بے آبرو بہائیں!
اس پر بھی پانی مانگیں تو اُن کا لہو بہائیں

شب خون ابھی نہ روز نے مارا تھا رات پر　　جو اہل شام بیٹھ گئے پال فرات پر
بلوا کیا عدو نے شہ نیک ذات پر　　ظلمت محیط ہو گئی آب حیات پر
شب کیا گئی نصیب کا کچھ پھیر ہو گیا
مطلع　　ہوتے ہی صبح خیمہ میں اندھیر ہو گیا

اے فوج اشک داوری کا مقام ہے　　فوج حسینؑ پر یورش فوج شام ہے
اے تیغ آہ معرکۂ انتقام ہے　　تیغ جفا ہے اور گلوئے امام ہے

اے طبل نہم فلک یہ دم شور و شین ہے
ہلتا ہے عرش نوبت قتل حسینؑ ہے

کیا حادثے حرم کو ہیں در پیش الحذر
سرحد یزید کی ہے نہ یثرب نہ اپنا گھر
ہمسائے آس پاس نہ بستی ادھر اُدھر
یہ حال اور فاطمہ کے نعل کا سفر
خود صبر کہہ رہا ہے مجھے صبر اب نہیں
منہ سے نکل پڑے جو کلیجہ عجب نہیں

سکینہؑ ۴ برس کی بیٹی سے امام حسینؑ کا علیحدہ ہونا۔

چلاتے ہیں حسینؑ کہ لاؤ سکینہ کو
رو دیتی ہے وہ کہ اب نہ بلاؤ سکینہ کو
جاؤ بس اب گلے نہ لگاؤ سکینہ کو
کیا قصد ہے ہمیں سے سناؤ سکینہ کو
میں تم سے بولتی نہیں مرنے کو جاتی ہو
کہنے کو الوداع ہیں واں بلاتے ہو

بچوں کی پیاری پیاری مگر دل گداز باتیں اور پھر نہایت مختصر۔

آتا ہے مجھ کو ہول کہیں جائیے نہیں
جس کو بلائیے اُسے بہکائیے نہیں
صغرا نہیں ہوں میں مجھے بہلائیے نہیں
نے سمجھے ہوں نہ سمجھونگی سمجھائیے نہیں
جا دیکھئے جو کہتی ہوں کر جاؤنگی ابھی
شہ بولے کیا پکاری کہ مر جاؤنگی ابھی

بچوں کو بلانا۔ اور بہکانا۔ یہہ ایسے محاورے ہیں جن کا لطف اہل زبان کے دل سے پوچھئے۔ بچوں کی باتیں مصنف مرحوم لکھ رہے ہیں۔ اس لئے الفاظ وہی لائے ہیں جن کا تعلق بچوں ہی سے ہے۔ اسی طرح جا دیکھئے۔ اور جو کہتا وہ کر جانا۔ یہ خاص لطف زبان ہے۔ جس کا نہ تو ترجمہ ہو سکتا ہے۔ نہ اس شخص کے ذہن میں اس کی خوبی آ سکتی ہے۔ جو مذاق زبان نہیں رکھتا۔ انتہائی بلاغت یہ ہے۔ کہ جیسی بچوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے جملے زبان سے بولتے ہیں ویسے ہی اس بند میں مصنف مرحوم نے نظم فرمائے ہیں ؛

میں خود پلی ہوں پاکہ پلایا حضور نے ۔۔۔ کھانا ہمیشہ ساتھ کھلایا حضور نے
پانی جو ماں سے مانگا پلایا حضور نے ۔۔۔ اب خاک میں یہ پیار ملایا حضور نے

ماں پاس ۔ اس سفر میں بھی سونے نہیں دیا
اب کیوں رلاتے ہو کبھی رونے نہیں دیا

ملایا ۔ کھلایا ۔ پلایا ۔ ملایا ۔ یہ مقید قافیہ ہیں ۔ مگر کس بے تکلفی سے بچوں کی زبان میں ان کو صرف فرمایا ہے ۔ تیسرے مصرعہ کی حالت پر وجد آتا ہے ۔ اور اس سے امام حسینؑ کے حسن اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے ۔ کہ سکینہؑ کہ رہی ہیں ۔ پانی جب کبھی ماں سے میں نے مانگا ۔ آپ نے پلا دیا ۔ ۵ مصرع میں ماں پاس اس سفر میں بھی سونے نہیں دیا ۔ فرمایا ہے ۔ ماں کے پاس نہیں کہا ۔ اہل زباں کے بچے ماں پاس ہے کہتے ہیں ماں کے پاس نہیں کہتے ۔ ماں پاس اور ماں کے پاس ۔ ان دونوں لفظوں میں جو باریک فرق ہے ۔ اس کو صرف اہل دہلی و اہل لکھنؤ ہی سمجھ سکتے ہیں ۔

(بچوں کی باتیں)

میں نے کہا تھا مجھ کو بہت پیار کیجئے ۔۔۔ بے اپنے سینے کے کہیں سونے نہ دیجئے
یا تو ہمیشہ پیار سے گودی میں لیجئے ۔۔۔ یا اب خبر نہیں کہ مرے یا کوئی جیئے

کیسی یہ صبح آئی کہ تقدیر سو گئی
آج آپ اور ہو گئے میں اور ہو گئی

اس بند میں انتہائی زباں کا زور اور بندش کا کمال دکھایا ہے ۔ اور دوسرے مصرعہ میں سینے اور سونے میں جو مناسبت اور تجنیس لفظ ہے ۔ وہ ایک قسم کی صنعت ہے لیجئے ۔ دیکھئے ۔ کا چوتھا قافیہ کوئی جیئے عجیب لطیف قافیہ ہے ۔ ایسے قافیہ کو شعرا معمول اور معمولہ کہتے ہیں ۔ اور ایسا قافیہ بہت پیارا معلوم ہوتا ہے اس لئے متاخرین کے نزدیک ایسا قافیہ شاعر کی لیاقت و کمال پر دال ہے ۔ جیسا کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎ یکے در بیاباں سگے تشنہ یافت ۔ برون از رمق در حیاتش نہ نیافت ۔ تیسرے مصرع ؎ یا تو ہمیشہ پیار سے گودی میں لیجئے ۔

میں گودی کا لفظ لائے ہیں۔ واضح ہو کہ گودا اور گودی دونوں لفظ عام اردو میں داخل و مستعمل ہیں۔ اور اردو زبان ابھی تک علمی زبان نہیں ہوئی ہے۔ اس میں ضرورت توسیع کی (بڑھانے کی) ہے۔ نہ یہ کہ اور کچھ الفاظ گھٹا دیئے جائیں پس جو کامل شعرا غزل گو متروکات کے لے کو آج کل بڑھا رہے ہیں۔ اُن کو اختیار ہے۔ الّا ہم ایسی متروکات کو لزوم مالا یلزم سمجھتے ہیں۔ اور ایسے کامل شاعر بھی جب کوئی واقعہ لکھنے بیٹھتے ہیں۔ تو پھر متروکات کے استعمال پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ متاخرین میں جو برابر اس کے پابند تھے۔ وہ منشی سید اسمٰعیل حسین صاحب منیرؔ مغفور تھے۔ منشی صاحب کو شیخ ناسخ مغفور اور میر رشک مرحوم کی تلمذ کا بھی فیض حاصل تھا۔ اور مرزا دبیر مغفور کے تو وہ ایسے شاگرد رشید تھے۔ کہ اُن کے تخلص (منیر) کا اتحاد وزن و قافیہ اس پر اشارہ کر رہا ہے۔ مرزا صاحب مغفور نے اُن سے فرما دیا تھا۔ کہ غزل میں جو لفظ آپ چاہیں نہ استعمال کریں۔ مگر مرثیوں میں اپنی متروکات کو بالائے طاق رکھیئے ورنہ کلام بے نمک رہ جائیگا۔ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ اور ایک مثنوی جو اُن کے کلیات میں لاجواب ہے[1] اس میں صاف صاف لکھ دیا ہے۔ کہ جو پابندیاں میرے اور کلام غزل وغیرہ میں ہیں۔ وہ اس مثنوی میں نہیں ہیں۔ ہاں کوئی لفظ خود بخود فصحا و شرفا بولنا چھوڑ دیں۔ تو اُس وقت شاعر کو بھی وہ لفظ چھوڑ دینا واجب ہے۔ بہر حال جو شخص واقعات لکھنا چاہے۔ میں اُس کو صلاح دیتا ہوں کہ وہ زیادہ باریک پابندیوں کو چھوڑ دے۔ اور جو الفاظ بولے جاتے ہیں۔ وہ سب کو سب بولے اور نظم کرے جیسے پہ اور پر دونوں بولے جاتے ہیں اس لیئے دونوں نظم کرے۔ اسی طرح گود گودی یہ بھی دونوں بولے جاتے ہیں۔ بلکہ بچوں کی زبان پر تو زیادہ تر گودی ہی ہے۔ بچہ جب کچھ بولنے لگتا ہے۔ تو وہ اپنے بزرگ سے کہتا ہے۔ مجھے گودی میں لے لو۔ یہاں حضرت سکینہ کی زبانی یہ مصرع (یا تو ہمیشہ پیار سے گودی میں لیجیئے) اور اس میں گودی کا لفظ عجب لطف دے رہا ہے۔ ع آج آپ اور ہو گئے میں اور ہو گئی

[1] اس مثنوی کا نام معراج المضامین ہے جس کو ملک نے بے نظیر مثنوی مان لیا ہے

اس میں بھی جو لطف محاورہ ہے۔ وہ حدِ تعریف سے باہر ہے۔ جب بچے اپنے بزرگوں سے پیار نہ کرنیکی شکایت کرتے ہیں۔ تو یونہی کہتے ہیں۔ اور یہ انتہائی شکائیت ہے کہ ع۔ آج آپ اور ہو گئے ہیں اور ہو گئی۔ اب اس کے جواب میں دیکھئے امام حسینؑ نے کیا کیا۔ اور کیا فرمایا۔

مولا یہ سن کے کانپ گئے سر جھکا لیا
اور دوڑ کر سکینہ کو چھاتی لگا لیا
بوسہ جبیں کا ہونٹوں کا رخسار کا لیا
کچھ کہکے اُس کے کان میں فوراً منا لیا
ڈوری ہی آتش کے ضبط کیا شور وشین کا
لے آئی ننھے ناتوں میں ٹپکا حسینؑ کا

دیکھئے واقعہ کی کیسی عمدہ اور دلکش اور مختصر تصویر کھینچی۔ یہ سنکر کانپ گئے اور سر جھکا لیا۔ اور پھر دوڑ کر چھاتی لگا لیا۔ واضح ہو کہ چھاتی لگانا اور چھاتی سے لگانا۔ اور گلہ لگانا اور گلہ سے لگانا یہ سب محاورے درست ہیں۔ کہ سب طرح اہل زباں بولتے ہیں۔ اب اس اختصار اور کمال کو دیکھئے۔ کہ ع۔ بوسہ جبیں کا ہونٹوں کا رخسار کا لیا۔ کچھ کہ کے اُس کے کان میں فوراً منا لیا۔ جو کچھ کہا ہے۔ اُس کو اس موقع پر ظاہر نہیں فرماتے۔ آئندہ ظاہر کرینگے۔ تاکہ سامعین مشتاق رہیں۔ کہ کیا لفظ کہدیا۔ کہ جو ایک کلمہ یا لفظ کو سنکر تمام شکائیتیں اس شاہزادی کی دل سے نکل گئیں۔ اور جس کا ایسی جلد اس شاہزادی کے دل پر اثر ہوا۔ مگر اُس سے پہلے بعض نئی روشنی والوں کی خدمت میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ نہ تو وہ خاصان خدا اہل بیت پیغمبر صلعم کی مردوں کو ہمسر شما کیطرح سمجھیں۔ نہ اُن کے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح خیال فرمائیں۔ اُن کی خاص شان ہے۔ اور جو امر مصنف مرحوم لکھتے ہیں وہ انہیں کی شایان ہے۔

بالو پکاریں تو مری بی بی بن گئیں
دل میں شکائیتیں جو بھری تھیں نکل گئیں
ہم لوگوں کے دکھانے کو پہلی مچل گئیں
حضرت کے پیار کرتے ہی سب سے بدل گئیں
اتنا کبھی نہیں اب تو ملاتی ہیں

جا جا کے خود حضور کی پوشاک لاتی ہیں

شاہزادیوں کو یہ خیال تھا۔ کہ شاید سکینہ کی محبت اور مچلنے سے امام حسینؑ رک جائیں اور شاید امام حسینؑ کے میدان میں نہ جانے سے کچھ صلح ہو جائے۔ جیسی صلح کہ اس سے پہلے امام حسنؑ اور یزید کے باپ سے ہو چکی تھی۔ مگر اب جو دیکھا۔ تو سکینہ دم بھر میں من گئیں۔ اس لئے مادر سکینہ فرماتی ہیں۔ کہ اللہ۔ ایسی من گئیں۔ کہ ہم سے تو اب آنکھ بھی نہیں ملاتیں۔ اور بجائے روکنے کے خود جا جا کے حضورؑ کی پوشاک لاتی ہیں۔ امام حسینؑ نے آخر کیا کہدیا۔ جس کا یہ اثر ہو گیا۔

پاس آکے پوچھنے لگے شہزادی سے حرم ۔۔۔ کیا باپ نے کہا کہ نہ لی لی نے مارا دم
رو کر وہ بولی ہو گئے بے اختیار ہم ۔۔۔ اپنے حقوق کی ہمیں بابا نے دی قسم

رو کر کہا جو داغ یتیمی اٹھاؤ گی
امت کی بیٹیوں کو تمہیں بخشواؤ گی

امام حسینؑ جانتے تھے اور اپنے نانا سے سن چکے تھے۔ کہ اُن کی شہادت باعث ہدایت امت ہو گی۔ اگر امام مظلوم شہید نہ ہوتے۔ تو یزید کی شراب خواری اور سگ پروری اور جوا۔ اور زنا اور غنا آج دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں میں بھی عام ہوتا۔ کیونکہ الناس علی دین ملوکہم۔ آدمی بادشاہوں کے کاموں کو دیکھ کر کام کرتے ہیں اس لئے یزید کی بیعت امام حسینؑ نے نہیں کی۔ اپنی جان دیکے امت نیک رہی اور بخشی جائے۔ وہی اپنے صاحب زادی کو نصیحت فرماتے ہیں۔ کہ تم اگر یتیمی اپنی منظور کرو گی۔ تو گویا امت محمدی کی لڑکیوں کی باعث بخشش ہو گی۔ اب دیکھئے اوروں سے بھی امام حسینؑ کی بات چیت سنیئے

جس دم سنا یہ بانوئے شاہ انام نے ۔۔۔ کی عرض آکے سید عالم کے سامنے
بیٹی کو تو دیا یہ دلاسا امام نے ۔۔۔ مجھ سے نہ کچھ کہا شہ عالی مقام نے

پچھلے پہر سے سخت ہراساں کنیز ہے
دیکھا وہ خواب جس سے پریشاں کنیز ہے

تھی رات چار پانچ گھڑی اے شہ زماں — کیا دیکھتے ہیں سوتے میں دریا ہے اک رواں
سیماب کی چمک ہے مگر پانی سے عیاں — موجوں میں اس کی تیرتی پھرتی ہیں مچھلیاں
ہے موتیوں سے آنکھ صدف کی لڑی ہوئی!
اس کے کنارے برہوں میں پیاسی کھڑی ہوئی

شعرا جانتے ہیں۔ کہ پانچواں مصرع لگانا کس قدر مشکل تھا۔ مگر اس منزل کو کس آسانی سے مصنف مرحوم نے طے فرمایا ہے۔ اور کیسا نایاب مصرع لگایا۔ یہ نظم ہے جس کو موتیوں میں تولنے کے قابل بلکہ اس سے بھی گراں کہو۔ ما دے۔ تو کچھ مبالغہ نہیں۔ سبحان اللہ۔ ع۔ ہے موتیوں سے آنکھ صدف کی لڑی ہوئی۔ اور اس کے کنارے برہوں میں پیاسی کھڑی ہوئی ہے

ناگہ نظر پڑا مجھے طوفان کا سماں — آیا زبان نکالے سگ ابلقی وہاں
پانی میں بے ادب نے جو منہ ڈالا ناگہاں — دریا تمام سوکھ گیا تڑپیں مچھلیاں
لاکھوں درندے جانور آ آ کے چھا گئے
باقی جو مچھلیاں تھیں وہ چن چن کے کھا گئے

اس خواب نے حسین کی حالت تباہ کی — اور پیاس سے پھرے ہوئے گھر پر نگاہ کی
تعبیر خواب پوچھی تو مولا نے آہ کی — رو کر کہا کہ خیر جو مرضی الٰہ کی
خیمے میں اب حسین کا ماتم بپا کرو
رنڈسالہ پہنو سوگ میں بیٹھو بکا کرو

(تعبیر خواب بیان فرماتے ہیں)

میں ہوں خدا کے نور کا دریا خدا گواہ — موج اس کی میری وعظ ہے ماہی ہے تا بماہ
اور شمر سنگ دل وہ سگ ابلقی ہے آہ — کاٹے گا تیغ سے جو پیمبر کی بوسہ گاہ
بانو نے پوچھا مچھلیوں سے کیا مراد ہے
بولے وہ کنبہ فاطمہ کا نامراد ہے

وہ قاسم حسیم وہ عباس خوش خصال — اکبر ترا جوان جسے اٹھارہواں ہے سال

پھر ہات اٹھاکے جھولے کی جانب کیا مقال — تڑپیں گے یہ بھی ماہئی بے آب کی مثال
اس وقت ہوگا زلزلہ عرشِ قدیر کو
ان کے گلے سے جب میں نکالوں گا تیر کو

اب ایک نازک واقعہ کی تصویر مصنف مرحوم دکھلاتے ہیں۔ وہ کیا۔ امام حسینؑ اپنے بڑے فرزند بیمار سے رخصت ہوتے ہیں۔ جو بعد امام حسینؑ امام و رئیس خاندان آل محمدؐ ہونگے دیکھئے۔ ایک حال میں دوسرے حال کا پیوند کس خوبی سے لگاتے ہیں۔

ناگاہ آہ آہ کی شہ نے سنی صدا — دلکو پکڑکے بولے خبر لاؤ کیا ہوا
فضہ پکاری روتے ہیں بیمار کربلا — جو بیسواں پہر ہے نہ پانی ہے نے دوا
طاقت نہیں۔ حضور تک آنیکی پاتے ہیں
فرمایا۔ جاؤ۔ کہدو ہمیں چلتے آتے ہیں

آخر پہن کے خلعتِ قربانیٔ خدا — آئے قریب بستر بیمار بے دوا
شانہ پہ ہات رکھکے پڑھی آیتِ شفا — منہ اپنا اُن کے منہ پہ دھرا روکے عبا
اک شئے سفید رنگ دہن سے عیاں ہوئی
اور روشنی زمیں سے تا آسماں ہوئی

میں اوپر ایک دو جگہ اشارہ کرچکا ہوں۔ اور اب پھر کہتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب کی شاعری کو علم نے بھی فائدہ پہنچایا۔ اور انہوں نے اپنے مرثیوں کی ذریعہ سے ہزاروں ایسی حدیثیں اور روایتیں نظم فرما کر عام میں مشتہر فرمادیں۔ کہ جو قبل ازیں عربی و فارسی زبانوں کے صندوقوں میں مقفل تھیں۔ اس بند کے پہلے مصرع میں (یعنی ع آخر پہن کے خلعت قربانیٔ خدا۔ میں) ایک لطیف و باریک اشارہ اس بات کا ہے۔ کہ اب امام حسینؑ نے شہادت کا عزم بالجزم فرما لیا۔ تو ضرور ہوا۔ کہ اپنے رواج خاندانی۔ اور حکم جناب رسول خداؐ کی موافق اپنی وصی کو اسرار امامت بھی سپرد فرمائیں۔ اور وہ وصی امام زین العابدینؑ ہیں۔ اُن کو اپنا وصی کیا۔ اور ایک شے جس کو جوہر امامت یا نور امانت خدا کہنا چاہیئے۔ امام حسینؑ سے امام زین العابدینؑ کیطرف منتقل ہوگئی۔ جیسا کہ بطریق

اہلبیت صحیح حدیثوں میں مرقوم ہے۔ اب اس شئے کی تشریح فرماتے ہیں۔

ارباب معرفت کی زبانی ہے یہ خبر　　اسرار کبریا وہ مجسم تھا سر بسر
نکلا تھا درج لب سے امامت کا وہ گہر　　فرمایا اے امین خدا و ندیم بحر و بر
منہ کھولو اپنا تو یہ کرامت علیؑ کی ہے
نعمت خدا کی ہے یہ امانت نبیؐ کی ہے۔

واضح ہو کہ شروع مصرع دوم میں اسرار کا لفظ گو جمع سر کی ہے۔ جس کی معنی بھید کے ہیں۔ مگر اردو کی ٹکسال میں یہ لفظ واحد و جمع دونوں کیواسطے مستعمل ہے۔ اس مقام پر واحد کے معنے پر استعمال ہوا ہے۔

بیمار نے وہ نعمت اسرار کبریا　　کی نوش اور شکر الٰہی ادا کیا
بولے حسینؑ اے پدر ہشت اولیا　　گنجینۂ علوم خدا نے تمہیں دیا
سوکھے دہن کو شکر سے لبریز کیجیو
ہر عارضہ میں شکوے سے پرہیز کیجیو

اپنا تو کوچ عنقریب ہے اس مقام سے　　اب تم نباہو۔ امت خیر الانام سے
ہر چند ہو جفا پہ جفا اہل شام سے　　تم کام رکھو خالق ذوالاحترام سے
تابع ہر اک امام ہے رب عباد کا
اک جا محل ہے صبر کا اک جا جہاد کا

حق کی رضا تھی قید میں حیدرؑ کیواسطے　　دشمن سے حکم صلح تھا شبرؑ کیواسطے
خنجر مرے لئے ہے میں خنجر کیواسطے　　وہ بولے اور اس تن لاغر کیواسطے
فرمایا۔ تازیانے ہیں زنجیر و طوق ہے!
عابد نے عرض کی مجھے بچپن سے شوق ہے

مولا یہ سنکے پہلوئے دلبر سے اٹھ گئے　　روتے ہوئے مریض کی بستر سے اٹھ گئے
زینب پکاریں پنجتن اس گھر سے اٹھ گئے　　سارے بزرگ آج مری سر سے اٹھ گئے
کوئی رہا نہ کنبہ میں نانا رسولؐ کے۔

سب مر گئے نبیؐ کے علیؑ کے بتولؑ کے

باب (۹)

امام حسینؑ کا خیمہ سے برآمد ہونا

پردہ اٹھا محل سے برآمد ہوئے امام　　　نوبت بجی سلامی کی پیٹے حرم تمام
بیرونقی نے گھیر لئے نور کے خیام　　　مسند پہ بیکسی نے کیا تکیہ و مقام

زنجیر در کا غل جو گیا آسمان پر
پردہ بھی سر پٹکنے لگا آستان پر

دیکھئے کس بلاغت کے مضامین ہیں۔ سلامی کی نوبت اہل حرم کے پیٹنے کو قرار دیا اور جب امام حسینؑ محلسرا سے نکلے۔ تو رونق جاتی رہی۔ بیرونقی نے نور کے خیموں کو گھیر لیا۔ مسند پر بیکسی نے اپنا تکیہ اور مقام کر لیا۔ زنجیر در کا غل آسمان پر پہنچا۔ اور پردہ چوکھٹ پر سر پٹکنے لگا۔ پردہ کا قاعدہ ہے۔ جب زمین پر گرتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین پر سر پٹکتا ہے۔

لشکر اسلام کا سلام

ہوا طلوع صبح کے جلوے کو روزگار　　　خود صبح دیکھنے لگی شبیر کی بہار
رکھ کر جبیں پہ پنجۂ خورشید زرنگار　　　فضہ کی طرح صبح نے مجرے کئے ہزار

خط شعاع صبح کے دست نیاز تھے
شہ کی بلائیں لینے کو ہر دم دراز تھے

بڈھی عورتوں کا معمول ہے کہ ہاتوں کو بڑھا کر بلائیں لیتی ہیں۔ مصنف علام فرماتے ہیں کہ مثل فضہ (کنیز فاطمہؑ) کے صبح نے پنجہ مہر کو ماتھے پر رکھ کر مجرے کئے۔ اب اس تخیل کو ثابت فرماتے ہیں۔ کہ خطوط شعاعی گویا صبح کے لمبے ہات تھے۔ کہ بلائیں لینے کو بڑھے تھے۔

مجرائی بارگاہ میں آئے ادھر ادھر　　　نذرانہ ایک ہاتھ میں تیغ ایک ہاتھ میں سر

یہ ماہرو بجاں بجتے اور ہر طرف مستر کہنے لگی زمین فلک سے پکار کر
لاگو ہر نجوم تصدق کو ورج سے
زہراؑ - کا آفتاب نکلتا ہے برج سے

مثل براق نازکناں آیا ذوالجناح خیر العمل - قیام توسرعت علی الفلاح
یوں نعرہ زن تہا جیسے مؤذن علی الصباح انجم کو سجدہ نعل کو محراب میں مباح
دل چرخ پنبہ پوش کا اس سے دہڑکتا تہا
شعلہ تو وہ نہ تھا پہ ہوا سے بہڑکتا تھا

یہ بند دقیق ہے - ذوالجناح (جس کا نام مورخوں نے مرتجز لکہا ہے) جناب رسول خدا صلعم کی سواری کا گھوڑا ہے - جن کیو اسلئے مسلمانوں کی عقیدہ کیہ افق خدانے آسمان سے براق بھیجا تہا - جب حضور صلعم معراج کو تشریف لیگئے تھے - جناب رسول خدا کی وہ معراج تھی - امام حسینؑ کی یہ معراج ہے - کہ شہادت پانیکو جاتے ہیں - اس لئے اس گھوڑے کو مصنفؒ مرحوم نے براق سے تشبیہ دی - اور فرمایا - اس طرح نعرہ زن تھا - جیسے بہت سویرے موذن اذان دیتا ہے - اذاں میں حی علی الفلاح - اور حی علی خیر العمل یہ الفاظ کہے جاتے ہیں - اس لئے فرمایا - (بہتر عمل) قیام اسپ تہا اور علی الفلاح (نیک کام) اس کی سرعت (تیزی) تھی ستاروں کو سجدہ کرنا نعل کی محراب میں مباح (جایز) تہا - محراب اور نعل سم اسپ کی صورت میں جو تشبیہ ہے اور ستاروں اور کیلوں میں جو مشابہت ہے - وہ ظاہر ہے - آسمان کو پنبہ پوش کہکے استعارہ فرمایا - پنبہ روئی کو کہتے ہیں - بظاہر آسمان ایسا نظر آتا ہے جیسے کوئی روئی کی پوشاک پہنے ہوئے ہو - روئی میں آگ بہت جلد لگتی ہے - اس سبب سے فرمایا - کہ چرخ پنبہ پوش کا دل گھوڑے سے دہڑکتا تہا - گھوڑا باوصفیکہ شعلہ نہ تہا - مگر جس طرح شعلہ ہوا سے بہڑک اٹھتا ہے - اسی طرح گھوڑا ہوا سے بھڑکتا تھا - یعنے تیزی کے سبب سے گھوڑے کو ہوا کا آگے چلنا ناگوار معلوم ہوتا تہا -

لپٹے ہوئے رکاب وعناں سے تھے شاد شاد — پیرانِ باکمال و جوانانِ نامراد
یہ دیکھکر سوار ہوئے شاہ خوش نہاد — لیکن رکاب تھامنا زینب کا آیا یاد
سر کھول کر بہن یہ پکاری حسینؑ کی!
یارب دکھا نا پھر کبھی سواری حسینؑ کی

مصنف مرحوم۔ مرثیہ گو شاعر ہیں۔ اس لئے کنایہ اشارہ مرثیت کی جابجا ضرور حال میں نظم فرماتے ہیں۔ اس موقعہ پر دہ کنایہ ذکر فرمایا۔ کہ جب بعد قتل تمام اصحاب و اعزہ امام حسینؑ تنہا سوار ہوئے تھے۔ اور بنا بر بعض روایات کے جناب زینب نے رکاب امام حسینؑ کی تھامی تھی؎

پھر تو ہزاروں ہاتھ اٹھے زیں اکبار — غل پڑ گیا وہ نائبِ حیدرؑ ہوا سوار
ہاں یارو مورچوں سے خبردار ہوشیار — سنگ فغاں سے فوج نے خنجر لئے اتار
عباسؑ شہ کے سر پہ علم کھولنے لگے
بڑھ کر نقیب پیش نگہ بولنے لگے۔

تسلیم کی سواروں نے گھوڑے ملا ملا — اور ان میں پیدلوں کا بھی اکر پرا ملا۔
مجرا جو کر چکے تو برابر صلا ملا — سب طالب خدا تھے سو ان کو خدا ملا
لشکر نے جب سلام کیا کل کی شاہ کو
بھیجا درود حق نے حسینی سپاہ کو

رن کو رواں سواری سلطان دیں ہوئی — لبیک کہہ کے پشت پہ فتح مبیں ہوئی
دوڑے جو بادپا تو ہوا شرمگیں ہوئی — پیچیدہ بوریہ کی طرح سے زمیں ہوئی
تقسیم سرمہ گرد سواری نے کر دیا
شیشہ فلک کا کحل جواہر سے بھر دیا

گھوڑوں کے دوڑنے سے زمین کا بوریہ کیطرح پیچیدہ ہونا نہایت عمدہ مضمون ہے۔ اور ٹیپ تو لاجواب فرمائی ہے۔ فردوسی و نظامی کی ایک مشہور بیت سے جس میں صرف چند لفظوں کا فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ توارد سا ہو گیا۔ دہ

بیت یہ ہے ؎

ز سم ستوراں دراں پہن دشت — زمیں شش شد و آسماں ہشت گشت

یعنی گھوڑوں کے دوڑنے سے ایسی گرد اڑی۔ کہ ایک طبقہ خاک کا اڑکر آسماں پر پہنچ گیا۔ اور زمین چھ طبق رہ گئے۔ آسمان کے آٹھ ہو گئے۔ مرزا صاحب مرحوم کی مدوحیں شہدائے کربلا عام لوگوں سے اعلیٰ ہیں۔ اس لئے ان کے گھوڑوں کی دوڑنے سے جو خاک اڑتی ہے۔ وہ بھی اعلیٰ ہونی چاہیئے۔ پس مرزا مرحوم فرماتے ہیں کہ خاک جو اڑی تو وہ (گرد) سرمہ ہو گئی۔ سرمہ بھی کیسا سرمہ۔ جواہرات کا سرمہ جس نے یہ نتیجہ پہنچایا۔ کہ آسمان کا شیشہ بھر دیا۔ آسماں کو شیشہ سے اور گرد سواری کو کحل جواہر سے تشبیہ دیکر کیسا بلند مضمون پیدا کیا ہے۔ یاد رکھیئے۔ کہ یہ خیال مرزا صاحب کا عام مرثیوں میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان شہدا کی مدح بھی ہو تو وہ عام لوگوں کی مدح سے اعلیٰ اور بالا ہو۔ کہ خاصانِ خدا عام سے ہمیشہ اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اور یہ خیال عین فطرت کے مطابق ہے۔ اب نور اور رعب آمد کو نہائیت شاندار الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ؎

جلوہ فلک فلک تھا تجلی زمیں زمیں — معراج قدم تھا تو سجدہ جبیں جبیں
جنات دور دور ملائک قریں قریں — خورشید ذرہ ذرہ تھا سایہ کہیں کہیں
باطل کو حق نے بسمل تیغ غضب کیا
ایماں نے بڑھ کے کفر سے جزیہ طلب کیا

کیا فصیح و بلیغ یہ بند فرمایا ہے۔ دوہرے دوہرے قافیہ اور پھر کس خوبی اور آسانی سے باندھے ہیں۔ چوتھے مصرع کے تفصیر کے ذہن نشین ہیں کہ ذرہ ذرہ میدان کربلا کا پرتو نور امامت سے آفتاب بن گیا تھا۔ غضب خدا کی تلوار سے۔ حق نے باطل کو بسمل کر دیا۔ باطل کے اور مغلوب ہونے پر کفر سے ایمان نے آگے بڑھ کر جزیہ (اسلامی ٹیکس) مانگا۔ اب مصنف مرحوم وہ شان دکھلاتے ہیں جس شان سے امام حسینؑ میدان کو چلتے ہیں۔

سب ماہرو تھے شاہ پہ ہالہ کئے ہوئے
مرنے پہ دل دیئے ہوئے باگیں لئے ہوئے

اور جام عشق ساقیٔ کوثر پیے ہوئے
لب ہائے شکوہ روز ازل سے سئے ہوئے

آ آ کے معرکے میں برابر کھڑے ہوئے
نو لاکھ کے حضور بہتر کھڑے ہوئے

دوسرا مصرع کس پایہ کا فرمایا ہے۔ اور کیسی مختصر تصویر ہے کہ مرنے پر دل دئے ہوئے باگیں لئے ہوئے۔ اور ساقی کوثر کے عشق کا جام پئے ہوئے۔ دیکھئے یہ نہیں فرمایا کہ اس خیال میں ہیں کہ اب شراب کوثر پئیں گے۔ بلکہ جام عشق حقیقی سے مست بتلایا اہل معرفت کے دل سے پوچھئے۔ شکوہ و شکایت صابروں کیلئے منع ہے۔ کہ شان صبر کی منافی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ روز ازل سے ہی شکوہ کے لب سئے ہوئے تھے۔ گویا شکوہ و شکایت کرنا ان سے ممکن ہی نہیں۔ برابر معرکہ میں تو لاکھ کے بالمقابل بہتر آدمی کھڑے ہوئے۔ اگر غور کیجئے تو یہی تعریف اس پایہ بلندی پر پہنچی ہوئی ہے۔ جس سے زیادہ مدح ناممکن ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کی شان نظر آتی ہے کہ نو لاکھ باطل پرستوں سے مقابلہ کو بہتر اہل ہمت اہل حق کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا دل خدا نے دیئے۔ ورنہ ایک کی دارد دو مثل مشہور ہے۔ دس پانچ آدمیوں سے ایک آدمی گھبراجاتا ہے۔ اور مقابلہ نہیں کرتا۔ یہاں لاکھوں سے مقابلہ کرنیکو تیار ہیں۔ اب صف بندی اس قلیل لشکر کی امام حسینؑ نے جو فرمائی ہے وہ دیکھئے

یوں شاہ نے کی درست صف میمنہ بخت
جس طرح وہ شش راست پہنچی نوبہشت

باندھا جو میسرہ تو ہوا دست کفر است
اور قلب فوج یاد خدا سے کیا درست

کیا کہئے کیا یہ لشکر قدرت شکوہ تھا
گلشن تھا۔ آسمان تھا دریا تھا کوہ تھا

صف میمنہ وہی صف اس طرح درست کی۔ جیسی نیکی لکھنے والا فرشتہ جنت تھا جو انسان کی داہنے کندھے پر تعینات ہے۔ کہ ادہر آدمی نے نیکی کی ادہر اس نے لکھ لی۔ میسرہ یعنے بائیں طرف کی صف درست کی۔ تو دست کفر سست ہوگیا

قلب فوج (یعنی وہ فوج جو بیچ میں رہتی ہے) بمنزلہ دل کی ہوتی ہے۔ اس رعایت سے قلب فوج کہتے ہیں اس کو) یاد خدا سے درست کیا۔ یاد خدا کا مقام قلب (دل) ہے اور یہاں فوج کی قلب کے مدح کرنا مقصود ہے۔ لہذا یہ فرمایا۔ کہ قلب فوج کو یاد خدا سے درست کیا۔ بیت میں لشکر کو قدرت شکوہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ شکوہ قدرت خدا لشکر تھا۔ پھر چار چیزوں سے تشبیہ دی۔ یعنی باغ۔ آسمان۔ دریا۔ پہاڑ۔ چار چیزوں کی تشبیہ کی وجہ آئندہ بند سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ امام حسینؑ نے اپنے لشکر کی تقسیم کی تھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

آقا تھے روح۔ چار عناصر یہ جاں نثار
ایک ایک ہشت کشور جنت کا تاجدار
یوں شہ سے وصل چار صفوں کا تھا آشکار
جس طرح ایک لفظ حسینؑ اور حرف چار
جیسے خدا کے چار ملک ذوالجلال کو
ویسے یہ چار عمود شہ خوش خصال کے

چار صفوں کا اتحاد و وصل امام حسینؑ سے اس طرح تھا۔ جیسے روح ایک ہوتی ہے اور عنصر (خاک۔ آب۔ ہوا۔ آگ) طب قدیم کی بنا پر چار ہوتے ہیں۔ دوسری تشبیہ یہ فرمائی۔ کہ جیسے لفظ حسینؑ تو ایک ہی مگر حرف اس میں ح۔ س۔ ی۔ ن چار ہیں۔ تیسری تشبیہ یہ فرمائی۔ کہ جیسے چار فرشتے زیادہ مقرب خدا۔ جبرئیل۔ میکائیل۔ عزرائیل اسرافیل ہیں۔ ویسے ہی یہ چار رہوار عمود تھے۔ اب اس لشکر خدا کی مختصر تعریف سنو ؎

وہ تن پہ زیب اسلحہ وہ صف کشی کا زور
وہ حیدری جوان وہ پیغمبری نشان
وہ سامنے فرات وہ سوکھی ہوئی زبان
وہ حق کے میہماں قضا انکی میہماں
شہ کا محب حبیب رسول زمن کی تھا!
بلبل تھے اس چمن کی تو پھول اس چمن کے تھے

محب کے معنی دوستی و محبت رکھنے والا۔ اسم فاعل۔ حبیب کے معنی محبوب ہیں۔ یہ سب لشکری امام حسینؑ کے محب و عاشق تھے۔ اور جناب رسول خدا صلعم کے محبوب تھے اس لیے کہ جو امام حسینؑ سے محبت رکھتا ہے اس سے جناب رسول خدا محبت رکھتے ہیں

رکھتے ہیں۔ جیساکہ بہت سی حدیثوں سے اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے۔ بلبل باغ چمن حسینؑ کے تھے۔ کہ بلبل عاشق ہوتی ہے اور پھول امام حسینؑ رسول خدا کے تھے۔ کہ پھول معشوق ہوتا ہے۔ ایک نکتہ باریک اس موقعہ پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہتیار گو اردو لفظ بمعنی سلاح ہے۔ مگر اس کے ایک خاص معنی فحش ہیں۔ اس لئے اس میں ذم کا پہلو ہے غالباً اسی خیال سے جناب مرزا صاحب مرحوم اور اس زمانہ کے اور بعض محتاط شعرا ہتیار کا لفظ نہیں نظم فرماتے تھے۔ بلکہ سلاح۔ اسلحہ۔ باندھتے تھے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے تمام کلام میں کہ جس کا شمار مشکل ہے۔ میرے کلام میں بجز ایک دو ابتدائی مرثیہ کے کہیں بھی ہتیار کا لفظ نہیں ہے۔

(فوج یزید کا آگے کو بڑھنا)

ناگاہ مثل موج بڑھی فوج بد شعار
کالے نشان کھولے ہوئے سب جفاشعار
اک سمت کو سنان پہ سنان مثل شاخسار
اور اک طرف سپر پہ سپر شکل لالہ زار
قرنا ہوئی پیادوں میں ڈنکہ رسالوں میں
لعنت کا نقشہ صورتِ دوزخ تھا لوگوں میں

مثل خضر حیا ہوئی چشم عمر سے دور
ایمان کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا شعور
جوڑا شقی نے تیر سوئے شاہ بے قصور
روح بتول رونے لگی باپ کے حضور
بولی نہ رحم آیا مرے نورِ عین پر
لو بابا تیر پڑنے لگے اب حسینؑ پر

مصرع اول کا یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح خضر (ہادی) ابن سعد سے دور تھے۔ شرم بھی دور ہوگئی۔ کہ اس نے دنیا کے لالچ میں آکر تیر امام حسینؑ کی طرف پھینکنے کو جوڑا۔ الحیاء مع الایمان ایک مشہور جملہ ہے۔ ادھر تو حیا آنکھ سے دور ہوئی۔ ادھر ایمان اور ایمان کے ساتھ شعور و عقل بھی رخصت ہوئے۔ روح جناب فاطمہؑ اپنے والد ماجد جناب رسالتمآب صلعم کے سامنے رونے لگی۔ مرثیت کا جوہر مصنفؒ ہر موقع پر لگاتے ہیں کہ اصل مقصود مرثیہ کا فوت نہ ہونے پائے۔

ہادیٔ چلا ہدایت اُمت کیواسطے　　یعنے ادائے خطبہ حجت کے واسطے
غازی بڑھے نکلے حفاظت کیواسطے　　شہ بولے ہو خدا تو حمایت کیواسطے
ٹہرو کہ آبرو میں نہ میری خلل پڑے
ایسا نہ ہو کہ خیمہ سے زینب نکل پڑے

سامنے ایک بلندی پر امام حسینؑ کے خیمہ نصب تھے۔ جب رفیق آپ کی صفوں سے بڑھ بڑھ کر چوگرد آئے۔ تو امام حسینؑ نے اُن سے فرمایا کہ خدا میری حمایت کو موجود ہے۔ تم اس طرح میرے پاس نہ آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ حالت انتشار دیکھ کر میری بہن زینبؑ خیمہ سے گھبرا کر نکل پڑیں۔

یوں ظالموں سے فرق پہ ٹہرے شہ ہدا　　جس طرح ددر کا فردن سے رحمت خدا
بولے عمر سے حق خلیفہ کیا ادا　　ستید پہ ظلم کرنے میں کی تونے ابتدا
ہشیار سخت محکمہ روز جزا کا ہے
یاں سامنا حسینؑ کا ہے واں خدا کا ہے

تیسرے مصرعہ میں لفظ خلیفہ طعناً یزید کی نسبت فرمایا کہ اُس کو تونے جانشین رسول سمجھ کر اُس کا یہ حق اطاعت ادا کیا۔ کہ مجھ پر تمام لشکریوں سے پہلے تونے تیر مارا۔ مگر روز جزا (یعنے قیامت کی کچہری) کی روبکاری بہت سخت ہے۔ یہاں تو میرا سامنا ہے وہاں خدا کا سامنا ہوگا۔ خدا کے سامنے ظلموں کی سزا پائیگا۔ اس ٹیپ میں عجب اثر ہے۔ جب مجلس میں ذاکر اس موقع پر پہنچتا ہے۔ تو اکثر دیکھا ہے کہ تمام حاضرین بے چین ہو جاتے ہیں اور رقت طاری ہوتی ہے

(اتمام حجت)

وارث ہے انبیائی اولی العزم کا حسینؑ　　حجت ادا وہ جنگ میں کرتے تھے قبل دین
ہے نور عین شیر خدا پر یہی فرض عین　　اظہار امر و نہی خدا و ند مشرقین
لازم ہے پند و وعظ کہ دلنا ہے ذات کا
یہ جمعہ آخری ہے ہماری حیات کا

دہم محرم سنہ ۶۱ھ کو (بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ) روز جمعہ تہا جس دن امام حسینؑ شہید ہوئے۔

چن لے سپاہ میں فصحائے عرب کو جو
ماں قاریان کعبہ کو بھی کر لے منتخب
تفسیر داں حدیث شناس آئیں سبکو سب
مہماں کے خشک لب سے سنیں نعرۂ عجب

میں کاشفِ علوم ہوں خالق علیم ہے
داؤدؑ کی زبان ہے بیانِ کلیمؑ ہے

کاشفِ علوم۔ کھولنے والا علموں کا ہوں۔ خدا جانتا ہے۔ یعنی خدا گواہ ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میری زبان داؤد کی زبان۔ اور کلیم اللہ حضرت موسیٰ کا کلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انبیاء وعظ و پند کرتے تھے۔ اسی طرح میں اپنے فرض ہدایت کو ادا کرتا ہوں کہ میں وارث محمد مصطفیٰؐ کا ہوں۔ جو تمام انبیائے سابقین کے وارث ہیں۔ اک سردار لشکر نے فصحا کو آگے کیا۔

ہر فرد کی عمر نے پڑھی فرد خال و خط
چیدہ رسالوں سے فصحا کو کیا فقط
آگے بڑھے وہ ناز سے سحبان کی نمط
نکلے پر دوں سے قاری قرآں بھی خود غلط

بر میں حمائلوں کو حمائل کئے ہوئے
قتل امام کے لئے خنجر لئے ہوئے

اس لشکر میں جو علماء فصحا اور قاری قرآن تھے۔ وہ سب نکلے۔ قاریوں کی تصویر کھینچی ہے کہ (حمائل یعنی) چھوٹے چھوٹے قرآنوں کو حمائل کئے ہوئے یعنے گلے میں لٹکائے ہوئے تھے۔ اور قتل امام حسینؑ کے واسطے (باوصفیکہ قاری قرآن تھے)۔ خنجر بھی لئے ہوئے تھے۔ اللہ اللہ کیسا عبرتناک سماں ہے۔

ان دو گروہوں نے تو کیا راست جب مقام
اور اہل شام و کوفہ بھرے یک قلم تمام
کی عرض یہ عمر نے کہ بسم اللہ یا امام
جنبش میں آئے لعل لب شاہ تشنہ کام

قدرت کے گل کھلے چمن کائنات میں
غنچہ سے پھول جھڑنے لگے بات بات میں

پہلے خطاب قاریوں سے شاہ نے کیا
قرآن کے حفظ کر تمہیں ہو وقف دائما
پر حفظ آبروئے پیمبر نہیں ذرا
معنی کو چھوڑ کر ہوئے حرف آشنا کیا
مصحف ہے کیا ولاء شہ بدر و حنین کی
ترتیل کیا ہے رتبہ شناسی حسینؑ کی

پہلے ۳ مصرع تو عام فہم ہیں۔ کہ قرآن تو حفظ کرتے ہو مگر تم کو رسول خدا کی آبرو کا پاس نہیں ہے۔ اس کی یہ مثال ہے کہ معنی تو کچھ جانتے نہیں حرف آشنا ہو۔ اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہو۔ مصحف یعنے قرآن شریف ولا ہے شاہ بدر و حنین (جناب امیرؑ) کی۔ اور ترتیل حسین کی رتبہ شناسی ہے۔ ترتیل قرآن شریف کی صحت پڑھنے کو کہتے ہیں کہ جس قرأت میں ہر حرف اس کی مخرج (مقام) سے نکلے۔ اب بڑے قرآن شریف اتمام حجت فرماتے ہیں۔

یٰسین میں ہے خطبۂ تعریف مصطفےٰ
اور ہل اتیٰ میں منقبت شاہ لافتیٰ
والفجر میں حسینؑ کا ہے ذکر جا بجا
نازل ہے آیہ آیہ مری شان میں جدا
والشفع۔ مرتبہ میں علیؑ و بتولؑ ہیں
والوتر۔ میرے نانا محمد رسول ہیں

قاریوں (حافظوں) سے آپ فرماتے ہیں۔ کہ سورہ یٰسین میں میرے نانا کی اور سورہ ہل اتیٰ (سورہ الانسان) میں میرے والد ماجد کی سورہ والفجر میں خود میری اور میرے والدین اور جد امجد کی تعریف ہے۔ کہ لفظ والشفع سے علیؑ و فاطمہؑ اور لفظ والوتر سے محمد مصطفیٰ مراد ہیں۔ ان بزرگواروں کی خدا نے قسم کھائی ہے۔ تم کیسے حافظ و قاری ہو۔ کہ قرآن تو پڑھتے ہو۔ مگر جن کی خدا تعریف کرتا ہے۔ ان کے قتل کرنے اور نام مٹانے کو آئے ہو۔

والفجر صبح آج کی ہے اے گروہ شام
جس صبح کی حسینؑ نہیں دیکھنے کا شام
روشن ہے ترجمہ و لیال کا بھی تمام
وہ ہیں یہی شبیں میں رہا جن میں تشنہ کام
اور نفس مطمئنہ۔ حسین شہید ہے

مضطر نہیں ہے گو کہ بلا کٹے شدید ہے

سورہ والفجر میں خدا نے نفس مطمئنہ امام حسینؑ کو فرمایا ہے۔ اور اطمینان انتہا درجہ کا یہ ہے۔ کہ ان تمام مصیبتوں میں آپ ثابت قدم رہے۔ یہ صبر و اطمینان دوسرے کا کام نہیں ہے۔ بلکہ صرف امام حسینؑ کا کام ہے کہ جو بعد اپنے والد ماجد اور برادر گرامی کے نائب رسول اور خدا کی طرف سے روئے زمین پر حاکم برحق ہیں اسی کو امام عصر کہتے ہیں۔ چنانچہ اب ذیل کے بند میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

میں ہوں امیر شش جہت و حاکم زمن | مثل نبیؐ ہوں کاشف ہر سر و ہر علن
مقصود چار دفتر معبود ذو المنن | ترکیب پنج سورہ اسمائے پنج تن

ایمان و شرع کا میں فروع و اصول ہوں
میں آیہ و حدیث خدا و رسول ہوں

چار دفتر سے مراد توریت زبور۔ انجیل۔ قرآن ہے۔ پنج سورہ عام مسلمان پانچ متبرک سورتوں کو اکٹھا لکھ لیتے ہیں۔ اور اس کو بطور وظیفہ اکثر پڑھا کرتے ہیں۔ اس کو پنجسورہ کہتے ہیں۔

اس موقع پر پنجتن کے اسما کا پنجسورہ فرما کر گویا امام حسینؑ نے اپنے نفس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ پنج تن کی تکمیل اور خاتمہ امام حسینؑ پر ہے۔ بیت میں یہ مضمون ہے کہ اگر کوئی مسلمان آیت و حدیث سب کچھ پڑھ لے۔ مگر امامؑ کی اطاعت نہ کرے۔ تو وہ بیکار ہے گویا امام حسینؑ مسلمانوں کو آگاہ فرما رہے ہیں۔ کہ دین کی اصول جڑیں و فروع شاخیں سب کچھ میں ہوں۔ یہ تو اس صورت میں تھا۔ کہ امام حسینؑ کو وہ لوگ نائب رسول امام عصرؑ مانیں۔ اب دوسرا پہلو اختیار فرماتے ہیں۔ کہ بالفرض تم مجھ کو امام نہ مانو محض مومن ہی جانو!

قرآں میں قتل نفس کی حرمت ہے جا بجا | سید کا خوں حلال کہاں سے تمہیں ہوا
ہے نفس مصطفیٰ بخدا سبط مصطفیٰ | آخر جزائے من قتل مومنا ہے کیا

سید نہیں امام نہیں مقتدا نہیں

مومن بھی میں تمہارے عقیدہ میں کیا نہیں

قرآن شریف میں کسی نفس کو بغیر جرم مارنا حرام ہے۔ اور ایک آیت یہ ہے۔ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا۔ جس کے لفظی صاف معنی یہ ہیں۔ کہ جو شخص کسی ایماندار کو بالعمد (جان بوجھکر قتل کریگا۔ اس کی جزا (سزا) یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں جلیگا۔ تو اب امام حسینؑ فرماتے ہیں۔ کہ رسول خدا کا نواسا۔ اور امام نہیں سمجھتے تو تمہارے عقیدہ میں کیا میں مومن بھی نہیں ہوں۔ آخر کیوں ایسے خیالات ہو گئے ؛

مقروض ہوں کسی کا نہ تقصیر وار ہوں ۔۔۔ پھر کیا سبب جو زمرے میں بیج نہار ہوں

واجب ہے مجھ پہ رحم کہ محزون و زار ہوں ۔۔۔ بار عیالدار ہوں اور سید یار ہوں

تم لوگ کچھ خدا و نبیؐ سے بھی ڈرتے ہو

کس کا کیا ہے خون جو مجھے قتل کرتے ہو

میں نے کسی کے بیٹے پہ کی ہو اگر جفا ۔۔۔ بلوا کے میرے سامنے اکبر کو دو سزا

ناحق مگر مٹاؤ نہ تصویر مصطفیٰ ۔۔۔ شرعاً جو بد کیا ہو تو یوں بھی ہی بھلا

انصاف اگر کرو تو ابھی قصہ پاک ہے

جس کا حساب پاک ہے کیا اُس کو باک ہے

بیجا اگر کہوں تو نہ مانو گلا نہیں ۔۔۔ مہماں ہوں بیویوں کا بھی پیاسا رہا نہیں

ہو کر محمدی تمہیں خوف خدا نہیں ۔۔۔ مجھ کو حیا ہے کہتے ہیں تم کو حیا نہیں

آب و طعام چین سے سب نوش کرتے ہیں

سادات آج تیسرے فاقہ سے مرتے ہیں

ہو جاتی ہے بشر سے خطا اب بھی باز آؤ ۔۔۔ توبہ کرو خدا سے ڈرو مجھ سے ہات اٹھاؤ

بالغرض مجھ سے بغض ہے بچوں پہ رحم کھاؤ ۔۔۔ جنکی غذا ہے دودھ انہیں پانی تو پلاؤ

جھولے میں چھ مہینہ کا معصوم غش ہے آہ

فاقہ ہے فاقہ آہ عطش ہے عطش ہے آہ

طوبےٰ ہے جس کا میوہ وہ باغ عطا ہوں میں ۔۔۔ کوثر ہے جس کا قطرہ وہ بحر سخا ہوں میں

پیشرو ہے جس کا قبلہ وہ قبلہ نما ہوں میں | حاجی ہے جس کا کعبہ وہ بیت خدا ہوں میں
جس کا لقب دوا ہے میں وہ دردناک ہوں
جس کا اثر شفا ہے میں وہ خاک پاک ہوں

یہ بند بھی مسجع ہے۔ میں نے جن الفاظ پر نمبر ڈال دئیے ہیں۔ ہر جزو مصرع دوسرے جزو مصرع سے وزن میں مساوی ہے۔ تکلف یہ ہو۔ کہ بے تکلف نظم ہے۔ یہ خطبہ سنکر لشکر ابن زیاد ویزید کی جو کیفیت ہوئی۔ اب اس کی کیفیت سنئے۔

ہر لفظ کے امام نے معنی دکھا دئیے | دریائے علم خشک زباں سے بہا دئیے
نام اپنے مہروں سے فصحانے مٹا دئیے | سر قاریوں نے شرم وحیا سے جھکا دئیے
پھر ہو کے یکزباں کہا سب نے پکار کے
حاکم کو نذر دینگے ترا سر اتار کے

خطبہ امام حسینؑ سننے کے بعد اول تو ایک سناٹا ہو گیا۔ گردنیں شرم سے جھک گئیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دنیا کی لالچ میں آکر سبھوں نے باواز بلند یہ جواب دیا۔ جو اوپر مذکور ہوا ؀

شہ بولے خیر حق سے ہی پیارا نہ سر کبھی | تم کو ہوا نہ وعظ ونصیحت سے کچھ اثر
مطلب تھا ہمکو جس سے وہ اس دم ہوا ادہر | جو حیدری تھا ہو گیا ایماں سے بہرہ ور
بولا عمر ادہر کوئی ایسا جری نہیں!
سب دوست ہیں یزید کے اک حیدری نہیں

سردار لشکر یزید کو خیال ہوا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ لشکر کے کچھ آدمی امام حسینؑ کی باتیں سنکر حضرت سے جا ملیں۔ کیونکہ اسی فوج میں ہزاروں ایسے تھے جنہوں نے خط پر خط لکھ کر امام حسینؑ کو بلوایا تھا۔ اور قسمیں لکھی تھیں۔ کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ اس لئے اُس نے بطور تالیف قلوب اہل لشکر سے کہا۔ ع سب دوست ہیں یزید کے اک حیدری نہیں ؀

شہ نے کہا ہی تو ہیں کردار کردگار | جو وہم میں نہ آسکے وہ ہو جائے آشکار

حیدرؑ کے نام سے تو دو عالم میں ہے قرار | ہے انبیا کو ان کی ولایت سے افتخار
بے مرتضیٰؑ رسولوں کی پیغمبری نہیں
وہ بندۂ خدا نہیں جو حیدری نہیں

جناب امام حسینؑ کا اتمام حجت کے بعد اپنے لشکر میں آنا اور حضرت حر بن یزید ریاحی کا رجز امامؑ سے متاثر ہونا اور حجاب طمع دنیا آنکھوں سے اٹھ جانا اور ادھر آنا

یہ کہکے اپنی فوج کی جانب پھرے امام | اور مورچوں پہ بڑھ کے بڑھی آگے فوج شام
پر حر کا بند بند لرزنے لگا تمام | آقا کی باتیں سنتے ہی وہ ہوگیا غلام
آنے لگی بہشت کی نکہت دماغ میں
حوریں پکارنے لگیں جنت کے باغ میں

آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا دیکھا یہ اس گھڑی | فوج حسینؑ عرش کے پہلو میں ہے کھڑی
فوج یزید قعر سقر میں نظر پڑی! | آتش کے طوق پہنے اور آتش کی ہتھکڑی
یوں تھر تھرا کے خاک پہ حُر یک بیک گرا
گویا زمیں پہ اپنی جگہ سے فلک گرا

آواز دی غلام کو آ جلد کو نقام لے | مشکل کا وقت ہے شہِ مرداں کا نام لے
دریا پہ چل سمند کی میرے لگام لے | اللہ ان لعینوں سے جلد انتقام لے
دریا جدا سپہر سے یہ درد مند ہے
کیا جانے باب توبہ کھلا ہے کہ بند ہے

حضرت حر کو یہ تردد ہو گیا۔ کہ دیکھئے میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے مقابلہ امام حسینؑ کے لئے انہیں کو ابن زیاد نے بھیجا تھا۔ ایک ہزار سوار کا رسالہ لیکر راستہ میں انہوں نے امام حسینؑ کا سامنا کیا تھا۔ اور وہیں سے امام حسینؑ ہمراہ لئے کربلا میں آئے تھے۔ گویا پہلے امام حسینؑ کے گھیرنے والے اور مقابلہ کرنے والے حضرت حرؑ تھے غالباً حضرت حر یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ ایسی لڑائی کی نوبت نہیں پہنچیگی۔ اور کسی طور پر صلح ہو جائیگی۔ اب قتل امام حسینؑ کا رنگ دیکھا تو مضطرب ہو گئے ؛

القصہ لیکے نام شہنشاہ ذوالفقار — رہوار پر غلام نے حر کو کیا سوار

دریا پہ غسل توبہ کو آیا وہ نامدار — اور آئی گوش دل میں صدا یہ کہ ہوشیار

دریا میں غسل کیجیو - پانی نہ پیجیو !

اور پیجیو تو خواہش کوثر نہ کیجیو

حر نے کہا خدا کی طرف سے یہ ہے ندا — اور باد پا کے منہ سے لگام اسنے کی جدا

پانی پلانا چاہا تو گھوڑی نے دی صدا — آقا نہیں نہیں نہ پلا واحسرتا

سنتا ہوں پیاسا صاحب دلدل کا لال ہے

پانی بھلا حرام ہے اب یا حلال ہے

اس موقع پر اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ تین زبانیں ہوتی ہیں (۱) زبان ناطقہ جو محض انسان کو خدا نے بخشی ہے۔ دوسری زبان اشارہ جس میں حیوان بھی شریک انسان ہے۔ تیسری زبان حال۔ کہ جو انسان۔ حیوان۔ نباتات۔ جمادات سب کو عطا ہوئی ہے عرب اب بھی اپنے گھوڑوں سے باتیں کرتے ہیں۔ اور گھوڑی جواب میں جو اشارہ کر دیتی ہیں۔ اُن سے وہ جواب حاصل کرتے ہیں۔ اس موقع پر رہوار حر نے بھی زبان اشارہ سے جواب دیا ہے۔

شاباس کہکے گھوڑی کو اترا وہ نامدار
کھولے سلح اوتاری قبا تن سے ایک بار
دریائے معرفت ہوا دریا سے ہمکنار
غوطہ لگا کے ہوگیا بحر گنہ سے پار
نکلا تو غرق دوستی پنجتن میں تھا
حرف گنہ نہ پھر کسی جز و بدن میں تھا

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مصرع اول میں "بہلا" ایک ایسا لفظ ہے۔ جس کا مزہ۔ صرف دل ہی۔ اور وہ دل بھی کس کا۔ اہل زبان کا۔ اوٹھاتا ہے۔ زبان سے نہ اوسکی تعریف ہوسکتی ہے۔ نہ زبان کا لطف دوسرے کے ذہن نشین ہوسکتا ہے۔ اب تیسرے مصرع پر غور کیجئے۔ فردوس کی ہوا میں حضرت حرؓ کا گھوڑا اوڑا۔ یعنے حضرت حرؓ زندگی سے ہاتھ دہوے ہوئے فردوس کی خواہش میں جارہے ہیں پس فردوس کی ہوا میں گھوڑا اوڑا اسکے ساتھ لطف تشبیہ (تیزروی کا) ملاحظہ ہو کہ جیسے کڑی کمان کا ناوک یہ جا وہ جا یہ پورا روزمرّہ "یہ جا وہ جا" ہے۔ جب انتہا کی تیزروی بیان کرنا ہوتی ہے تو یونہی بولتے ہیں۔ "یہ جا وہ جا" یہ نہیں کہتے۔ یہ گیا وہ گیا۔

ہیں جلد اول میں لکھہ چکا ہوں کہ جابجا مطلع لگا کر ایک مرثیہ کے کئی مرثیہ کر دینا (میری علم میں) یہ ایجاد مرزا صاحب مرحوم کا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر مطلع سنئے

مطلع مشعر روانگی حضرت حرؓ

جب رن میں اوج اخترِ اقبالِ حر ہوا — مہرِ خدا سے حر شرفِ ماہ و خور [آفتاب] ہوا
یعنے شریکِ سلکِ شہیداں یہ در ہوا — بندہ ہوا علیؑ کا جہنم سے حر [آزاد] ہوا
[سلک (ن)]
آیا سوے حسینؑ جو کوثر کی چاہ میں
پابوس آکے خلد ہوا آدھی راہ میں
دیکھا جو حر کا رخ سوئے سلطانِ کربلا — بڑھ بڑھ کے ستدِ راہ ہوئی فوجِ اشقیا
فردوس کی ہوا میں اوڑا حر کا بادپا — جیسے کڑی کمان کا ناوک یہ جا۔ وہ جا

پھر یہ بلند قدر کجا وہ لعین کجا
حقا کہ آسمان کجا۔ احمد زمین کجا

(مضامین تشبیہات کی بارش دیکھئے۔)

غل تھا وہ مشرکوں سے مسلمان جدا ہوا ظلمت سے نور۔ کفر سے ایمان جدا ہوا
نصرانیوں سے عیسیٰ دوران جدا ہوا بادل سے آفتاب درخشاں جدا ہوا
جنت کو کس طریقے سے حر بر محل گیا
عقرب سے چاند۔ چاہ سے یوسف نکل گیا

تشبیہات اور بھی اس موقعہ پر ہیں مگر میں اختصار کے خیال سے نہیں لکھتا۔

پہونچا قریب فوج خدا جب وہ باوفا چرچا ہوا حسینؑ کے لشکر میں جا بجا
ہشیار اے حسینؑ کے اصحاب و اقربا ہاں نیزے تانو تیغیں سنبھالو غضب ہوا
لو آتا ہے وہ سامنے شاہ دلیر کے
لایا ہے کربلا میں جو سید کو گھیر کے

یاں حر کو روکا ہاشمیوں نے ادھر آدھر پوچھا کدھر کدھر ہمیں بتلا ٹھہر ٹھہر۔
رستے میں ہاتھ ڈالا تھا حضرت کی باگ پر اب کیا خیال ہے اجل ہے بیان کر۔
زینب کے شیر نیمچے چھوٹے سے تول کے
للکارے پہلے تیغ و سپر رکھدے کھول کے

حر کو بھی جوش الفت شبیر آ گیا اُس جوش میں پکار اُٹھا یا نو محلو کیا
تقصیر وار ہوں تو جناب حسینؑ کا چاہیں محل کریں مجھے چاہیں وہ دیں سزا
جو ہیں وہ تم۔ غلام امام کریم ہو
فرق اتنا ہے جدید ہوں میں تم قدیم ہو

خود منفعل ہوں مجھکو گنہ کا نہ طعنہ دو ٹکڑے کرو تو عذر نہیں اس غلام کو
جنکا گناہگار ہوں بڑھ اُن سے پوچھ لو مالک تو نیک و بد کے ہیں سلطان نیکخو

آقا کے پاؤں پڑ کے خطا بخشوانے دو
میں اپنا خون کرتا ہوں اچھا نہ جانے دو

کہاں جائیگا سلام ہی میں پرورش کا حال منہ پھیر لیں حسینؑ تو خوں ہے میرا حلال
پھر پاس سے پکار کے کیوں نہ فاطمہ کے لال نرغے ہی میں گھرا رہوں کیا میں شکستہ بال
بولے حسین غازیو کیا تمکو دھیان ہے
یہ میری جان ہے یہ میرا مہمان ہے

اپنے قصور پر اسے خود اعتراف ہے الزام دینا میری حیا کے خلاف ہے
یہ تو ہے نیک بد سے بھی دل اپنا صاف ہے کیسا گناہ کیسی خطا۔ سب معاف ہے
جانے دو بار دو۔ ذکر گذشتہ کو جانے دو
حرؑ عاشق حسینؑ ہے آنے دو آنے دو

چھٹے مصرع کی شان دیکھیئے ع حرؑ عاشق حسینؑ ہے آنے دو آنے دو جب کسی کو آنے سے روکا جائے تو یہی کہتے ہیں آنے دو آنے دو۔ پانچویں مصرع کو کس خوبی سے تضمین فرمایا۔ جسکی طرف دوسرے شاعر کا طائر وہم پرواز بھی نہیں کر سکتا کسقدر زبان صاف اور بے تکلف ہے کوئی لفظ بھرتی کا نہیں۔

حضرت حرؑ کو شرف پابوس ملنا

یہ سنکے حرؑ کے گرد پھرے شہ کے خیر خواہ لائے ہزار عزّو شرف سے حضور شاہ
گھوڑے سے پائے شہ پہ گرا وہ باشک و آہ بولا کلام پاک نے کلمہ پڑھایا واہ
حرؑ کو ہراول سے سرافراز کیجیے
مسلم کیا تو رتبۂ مسلم بھی دیجیے

رخصت جہاد کی مجھے فرمائیے عطا اب منتظر ہیں بندہ کے کوثر پہ مرتضا
بے ساختہ لپٹ کے گلے شہ نے یہ کہا ہے ہے مرے شفیق تو کیا آیا۔ کیا چلا
مہمان۔ ابھی تو تیری مدارات چاہیئے
وہ بولا مجھکو خلد کی سوغات چاہیئے

ملاحظہ فرمائیے کتنے بڑے بڑے مضمون کسقدر مختصر الفاظ میں نظم فرمائے ہیں

حضرت حرؑ کا در اہلبیت رسالتؐ پر باریاب ہونا

فضہ پکارتی ہوئی آئی یہ ناگہاں
لوگو - میری خوزادی کا مہمان ہے کہاں
دروازے پر بلاتی ہیں مخدومۂ جہاں
عابد کو تپ ہے سو نہیں آ سکتے ہیں یہاں
اکبر کے پیار سے نہیں کم - اسکا پیار ہے
زینب بلائیں لینے کی امیدوار ہے

آقا کے ساتھ حرؑ سوئے عصمت سرا چلا
شہزادی کے سلام کو جھکتا تھا جا بجا
زینب بلائیں لیتی تھیں اور دیتی تھیں دعا
آیا جو در پہ خواہر شبیر نے کہا
انجام نیک ہوتا ہے ہر نیک ذات کا
پر کہہ کہ - کیا سبب ہوا تیری نجات کا

اب اس روایت کو ملاحظہ فرمائیے حضرت حرؑ اپنی نجات کے سبب کو بیان کرتے ہیں یہ روایت علامہ کنتوری مولوی غلام حسنین صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے مائتین میں تحریر فرمائی ہے - اور اسکے ساتھ ہی تحریر فرمایا ہے کہ بعض شعرا نے اسکو مرثیوں میں بھی نظم کیا ہے - میں نے اسکی اصل کسی کتاب میں نہیں دیکھی لیکن ہمکو اجازت ہے کہ مصائب و فضائل کی روایتوں میں زیادہ تحقیق کے درپے نہ ہوں بشرطیکہ وہ روایت ضروریات مذہب کے خلاف نہ ہو" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب مغفور ہی کے مرثیہ سے اونکی تصنیف کے اعتماد پر یہ روایت لکھی ہے - کیونکہ کسی اور اردو کے شاعر کے کلام میں یہ روایت حقیر نے نہیں دیکھی یا شائد کسی عجم یا عرب نے بھی نظم کی ہو -

بشارت نجات

عمامہ سر سے پھینک کے حرؑ نے کہا کہ آہ
کوفہ سے جب چلا میں سوئے شاہِ دین پناہ
دیکھا یہ خواب میں شب اول خدا گواہ
گھوڑے کا میرے نعل گرا درمیان راہ

بازار میں گیا ہوں میں لیکر سمند کو
اور ڈھونڈتا ہوں چار طرف لغلبند کو

میں خواب میں تھا کوفہ کے بازار کو رواں — ناگاہ اک ضعیفہ نے آکر کیا بیان
تجھکو بلا رہی ہیں حسینؑ و حسنؑ کی ماں — میں بولا تجھکو خیر ہے۔ زہرا یہاں کہاں
بولی وہ ہاتھ رکھکے دلِ پاش پاش پر
سر پیٹتی ہیں فاطمۂ مسلم کی لاش پر

دیکھئے کہ نہیں ہے یہیں ہیں بتول پاک — ماتھے پہ ایلچی کا لہو گیسوؤں پہ خاک
سینہ پہ ہاتھ اور گریبان کفن کا چاک — واسلما زبان پہ ہے اور آہِ دردناک
یہ تو بہلا بھتیجہ ہے جس پر وہ روتی ہیں
مومن جو مرتے ہیں تو عزادار ہوتی ہیں

رویا میں اس بیان پہ رویا میں خوب سا — اور ساتھ اوس ضعیفہ کے منہ پیٹتا چلا
دو اک قدم چلا تھا کہ بس دیکھتا ہوں کیا — اک سبز پردہ لاشۂ مسلم پہ ہے کھچا
پردے کے پیچھے۔ روتی ہیں اماں جناب کی
اور اون کے ساتھ روح رسالت مآب کی

مجرے کو میں جھکا تو پکاری وہ نوحہ گو۔ — کیوں بھائی کچھ بتول پر احساں کریگا تو
میں نے کہا بچشم۔ تو پھر کی یہ گفتگو — سن کہتی ہوں میں تیرے پیمبر کے روبرو
پالا ہے لاکھ پیار سے پیارے حسینؑ کو
تو ذبح کیجیو نہ۔ ہمارے حسینؑ کو

توبہ کی اس غلام نے یہ خواب دیکھکر۔ — زینب نے دی ندا سوئے کوفہ بچشم تر
اماں بتول روتی ہو مسلم کو اس قدر — کیا ہوگا جب چھری سے کٹیگا یہاں جگر
تنہا نہ واں ہراول لشکر کو روییے
یہاں آکے میرے ساتھ بہتر کو روییے

ناگہہ پڑی وداع ہراول کی دھوم دھام — اکبر کبھی گلے سے ملے اور کبھی امام۔

ڈیوڑھی پہ آکے رونے لگیں بی بیاں تمام — بیمار کربلا نے یہ حر سے کیا کلام

تو نے کیا سلوک شہ بحر و بر کے ساتھ

عابد پڑھیگا تیری زیارت پدر کے ساتھ

بڑھ کر سوار ہونے لگا حر نامور — زینب کے دونوں لاڈلے آئے ادھر ادھر

پھیلا کے کرتے اور حیا سے جھکا کے سر — بولے کہ ہم نے روکا تھا تجھکو معاف کر

تو نے کیا ہے خوش پسر بوتراب کو

جعفر کے پوتے تھامیں گے تیری رکاب کو

تیسرے مصرع میں دیکھئے۔ کیا شان بچوں کی دکھلائی ہے۔ کرتہ پھیلا کر اور حیا سے سر جھکا کر معذرت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں صاحبزادے جعفر طیار کے پوتے ہیں

زینب پکاری یہ تو کہی میرے دل کی بات — حیدر کا بھی چلن تھا یہی مومنوں کے ساتھ

دونوں کے گرد پھرنے لگا حر نیک ذات — زینب سے کی یہ عرض کہ اے فخر کائنات

واجب ادب ہے مجھکو۔ کہ عالی وقار ہو

ہٹ جائیں اب حضور تو خادم سوار ہو

زینب ہوئیں زبان کرم سے گہر فشان — تو جانتا ہے آپکو زینب کا میہمان

اور ہم عزیز اپنا سمجھتے ہیں بے گمان — جا شوق سے سوار ہو خالق نگاہباں

مجھ سے بھی مہربان زیادہ بتول ہے

پشت و پناہ روح جناب رسول ہے

اس بند میں اہلبیت محمد مصطفےٰ کی خوش اخلاقی کا فوٹو کھینچ دیا ہے کہ اجنبیوں کو وہ ہمیشہ اپنا عزیز سمجھتے تھے یہ بندہ نوازی اور غریب پروری۔ عادت میں داخل تھی۔ اللہ اللہ۔ کیا تخیل کا زور ہے بات نہیں سے بات پیدا کرتے جاتے ہیں۔

ہولو فرس پہ زین ہوا پھر تو وہ شہسوار — نصف النہار میں کیا خورشید نے قرار

روشن ہوئے چراغ رکابوں کے ایک بار — روشن لگا فتح پکاری نقیب وار

ہیبت سے پہلے فوج جفا زرد ہو گئی
پھر رنگ زرد اوڑا تو ہوا زرد ہو گئی

اب ہے یہاں اشارۂ تائیدِ کبریا۔ شکل ہراول شہ دین کھینچ کر بتا
قربان اس اشارے کے اس لطف پر فدا ابتک کسی نے حر کا سراپا نہیں کہا
گنجینہ فیض سے ہے خدا کا بھرا ہوا
مضمون میرے حصہ کا یہ تھا دھرا ہوا

اس موقع پر ایک مطلع فرمایا ہے ذاکر یہاں سے پڑھ سکتا ہے۔

مطلع و سراپا

رن کو رواں ہے تابع فرمان حسینؑ کا عمر کھانے کو ہوا ہے جو مہمان حسینؑ کا
طوبےٰ ہے جس کو سایہ داماں حسینؑ کا بوذر حسین کا ہے وہ سلمان حسینؑ کا
کیا دبدبہ ہراول شاہ ہدا کا ہے
نصرت جلو میں پشت پہ سایہ خدا کا ہے

حب حسین میں جو مسلمان یہ ہوا سلمان کا شرف کیا تقدیر نے عطا
سلمان سے ایک میم مسلماں میں ہے سوا اور میم کے چہل ہیں سو پایا یہ مدعا
سلمان سے شرف جو فزوں ہاتھ آئے ہیں
چالیس درجہ حر نے شہادت کے پائے ہیں

حضرت سلمان فارسی ایک جلیل القدر صحابی جناب رسول خدا کے ہیں۔ اُن سے بھی مرتبہ حضرت حر کا (جو حب حسینؑ میں مسلمان ہوئے ہیں) ۴۰ درجہ زیادہ ہے کیونکہ سلمان سے مسلمان میں ایک میم زیادہ ہے میم کے چالیس عدد بحساب زبر ہوتے ہیں یہ کیا عمدہ مضمون ہے۔ اور توجیہ کس قدر معقول ہے کہ ۴۰ درجہ شہادت کے ملے ہیں۔ کیونکہ حضرت سلمان فارسی شہید نہیں ہیں اور جناب حر شہید ہیں (دیکھئے اربع عناصر و حضرت حر کی دیکھئے۔

ہر حرف ہے عناصر اربع کا انتخاب۔ پھولوں کی خاک۔ لعل کی آگ اور گہر کی آب
بدلے ہوا کے حرص تولائے بوتراب۔ پھر ناریوں کا قرب نہ کیوں جانتا عذاب

شرکت اب آب واشک میں آل عبا کی ہے
حر کو موافق آب وہوا کربلا کی ہے

(انئی شان سے چہرہ حضرت حر کی مدح)

رُخ ابجد مطالعہ میں قاف۔ میم۔ رے (قمر ہوا)
اور چشم و زلف و چین جبین۔ عین۔ لام۔ یے (علی ہوا)
نام علی قمر سے ہے روشن پڑھا ہوا ہے
منکر یہ لام۔ عین۔ کہو۔ اور نون۔ تے
جس کہ نام نامی شبیر احد نہیں
اُس فرد کی کتاب خدا میں سند نہیں

(لب۔ دندان۔ دہن کی نئی طرز سے مدح)

محراب کعبہ لب ہیں دہن حجرہ حرم | اس حجرہ میں سے کام و زبان معتکف بہم
دونوں خدا کے کام میں مشغول دم بدم | دانتوں کی رمز سے ہوئے آگاہ خوب ہم

کرتے ہیں سجدہ کام و زبان کردگار کو
رکھے ہیں گرد موتی کے دانے شمار کو

مسلمانوں میں اعتکاف ایک نہایت مقدس (عبادت کا) عمل ہے۔ یعنی حجرہ خانہ کعبہ یا خاص خاص مسجد کے حجرہ میں بیٹھ کر (تنہائی میں) عبادت خدا کرنا فرماتے ہیں کہ کعبہ کی محراب تو لب (ہونٹ) ہیں۔ اور دہن (منہ) حجرہ کعبہ ہے۔ اوس حجرہ میں زبان اور کام (تالو) اعتکاف میں بیٹھے ہیں۔ خدا کی ذکر میں ہر دم مصروف ہیں سجدے کرتے ہیں۔ گنتے کے واسطے بجائے تسبیح کے دانتوں کے دانے پاس رکھ لئے ہیں۔ کہ جتنے مرتبہ جو اسم یا جملہ پڑھنا منظور ہو۔ وہ تسبیح دندان پر شمار کرتے

جائیں - یہ اچھوتے مضامین ہیں جنکو آجتک کسی شاعر نے نہیں چھوا -

(زرہ کی تعریف)

دل صاف سینہ صاف بدن صاف واہ واہ　　تن پر زرہ بناتے ہیں گو صاحب نگاہ
پر عقل کہہ رہی ہے کہ سبکو ہے اشتباہ　　حر کی صفائی قلب ہے اس بات پر گواہ
دل حر کا مضطرب غم شاہِ زمن میں ہے
یہ دل کا پیچ و تاب نمایاں بدن میں ہے

(چار آئینہ اور سپر کی مدح)

وصف زرہ یہ کیا تھا سنو اب عجیب تر　　دیکھو تو چار آئینہ ہے اور ایک سپر
یہ پانچ مہریں نور ولا سے ہیں جلوہ گر　　جوشن نہیں ہیں حر نے سوے شاہ آنکر
محضر کیا ہے الفت سبط رسول پر
مہریں یہ پنجتن کی ہیں حسن قبول پر

(اسپ حر جری کی ثنا)

شیرین ادا دہ رخش پر یہ رو ہے زیر ران　　کوڑے کا دھیان لائے جو راکب تو یہ کہاں
چلنے میں چھوڑ دیتا ہے یہ حدّ آسمان　　یعنے کہ تازیانہ کی صورت ہے کہکشاں
دم بھر بھی آشنا یہ نہیں غرب و شرق کا
دل سوز ہے ہوا کا - ہوا خواہ برق کا

(آمد حضرت حر سے فوج یزید میں تزلزل)

اس شیر پر سوار جو آیا - یہ صف شکن　　یوں دفعتہً کھڑے ہوئے اعدا کے موئے تن
جو صورت زرہ ہوئے سوراخ پیرہن　　بسمل کی نبض بنگئے سر تا قدم بدن
میدان سے پاؤں ڈھل گئے اور خود گر گئے
مارا طمانچہ خوف نے منہ سب کے پھر گئے

حضرت حر عراق میں یکتا شجاع سمجھے جاتے تھے (جیسا کہ خود حر کے چچا نے حر سے روز عاشورہ کہا تھا - جس کو مورخوں نے لکھا ہے) پس ایسی ہیبت طاری ہوئی

کہ دشمن کانپنے لگے جیسے بسمل کی نبض تڑپتی ہے۔ خوف نے ایسا طمانچہ مارا کہ دشمنوں کے منہ پھر گئے۔

کھولا کسی نے چلّے سے ہو کر بہ تنگ تنگ ۔ گوشے میں کوئی رکھ کے کمان و خدنگ و نگ
بے وقفہ ہوش اُڑ گیا اور بے درنگ رنگ ۔ یہ کیا تھا منزلوں ہوئے پائے پلنگ لنگ
گو نارِ جیا طالموں کی آب و گل میں تھا
اُس وقت بھاگنے کے سوا کچھ نہ دل میں تھا

اس کو تجنیس بعض کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے جزو سے دوسرا لفظ نکلے۔ یہ تنگ سے تنگ۔ خدنگ سے دنگ۔ درنگ سے رنگ۔ پلنگ سے لنگ نکالا۔ ہر مصرع میں دوہرے دوہرے قافیہ بھی لائے یہ دوسری صنعت ہے۔

ہر صف میں غل تھا کون ہے یارب یہ باوقار ۔ یوسف کا ہم وطن کہ سلیمان کا ہم دیار
بوذر کا ہم نسب ہے کہ سلمان کا رشتہ دار ۔ ایران کا پہلواں کہ عرب کا ہے شہسوار
حر کو کبھی نہ دیکھا تھا اس زیب و زین سے
انسان فرشتہ بن گیا مل کر حسینؑ سے

ایک تو حر کی پہلے سے شجاعوں میں دھاک تھی۔ دوسرے وہ ہزاروں آدمیوں میں سے نکل کر امام حسینؑ کی طرف چلے گئے۔ وہ لوگ کہ جو دنیا کی لالچ سے امام حسینؑ کو قتل کرنے آئے۔ مگر دل سے جانتے تھے کہ امام حسینؑ نبیؐ کے نواسے اور جانشین اور حق پر ہیں۔ وہ کہہ اٹھے۔ ع کہ انسان فرشتہ بن گیا مل کر حسینؑ سے۔ دیکھی کیسی سلیس اور نصیح نظم ہے۔ اور کس قدر آمد اور روانگی طبیعت میں ہے۔ جب تو دریا بہا دے یہ بحض ع آمد کی مضامین ہیں آورد نہیں ہیں۔ اب دیکھیے اس کا جواب حضرت حر کیا دیتے ہیں

گردن ہلا کے شہ کے ہر اول نے دی ندا ۔ یاروبس ایک کلمہ حق تم سے یہ سنا
ہیں وہ ہی خاک ہوں وہی ذرہ جو آگے تھا ۔ خوشبو ہے یہ حسینؑ کی جلوہ حسینؑ کا
غالب نہ کیوں ہو نور جبیں آفتاب پر

سجدہ ابھی کیا ہے در بوتراب پر

شاعروں اور اہل زبان کی دل سے اس کا لطف پوچھئے۔ ع حق یہ ہے کہ تعریف وثنا ہو نہیں سکتی۔ اب سردار لشکر اضطراب فوج دیکھکر اونکو لڑائی پر آمادہ کرتا ہے

سمجھا عمر کہ قلب ہوا کچھہ دل سپاہ — بولا پئے تسلّی لشکر وہ روسیاہ
کچھہ کم نہیں کسی سے تمہارا بھی بادشاہ — ہاں سرفروشو جہد کرو ہے جو حبّ جاہ
حر کو حسین تم کو مبارک یزید ہو
اب دن نہ ڈھلنے پائے کہ سید شہید ہو

قلب کے معنے دل کے بھی ہیں۔ اور قلب کے معنے اولٹنے اور پلٹا کھانیکے بھی ہیں۔ چنانچہ اسی معنی پر مصرع اول میں قلب استعمال ہوا ہے۔ کہ سردار فوج نے سمجھا کہ سپاہیوں کا دل پھر گیا۔ اس لیئے اوس نے لڑائی پر آمادہ کیا

الماس پوش بصرۂ و روم و عراق و شام — نکلے پروں سے کھینچ کے فولاد کی حسام
گرز و کمان و کمند و تبر زرہیں لئے تمام — پڑہنے لگے نقیب نسب نامے نام نام
لشکر تھا یا کہ آگ کا دریا تھا جوش میں
نقارے شور میں تھے کہ بادل خروش میں

فولاد کے ہتھیاروں پر زہر کا پانی اوس زمانے میں چڑھایا جاتا تھا۔ الماس پوش میرے خیال میں اسی سے استعارہ فرماتے ہیں۔ سب اسلحہ لیکر پروں سے لشکری نکلے نسب نامہ نام بنام نقیب میدان میں پڑھنے لگے۔ اوس زمانہ کی عربوں میں بھی دستور تھا۔ کہ غیرت دلانے کیواسطے نقیب میدان جنگ میں مشہور مشہور جنگ جو آدمیوں کے نسب نامہ پڑہتے تھے۔ اب بیت کی تشبیہ دیکھئے کیسی بے تکلف۔ عام فہم ہے۔ کہ لشکر تھا یا کہ آگ کا دریا جوش میں تھا۔ نقارے گرج رہے تھے یا بادل خروش میں تھے

غواص تھے یہ تیغ۔ کہ دریا تھے یہ حسام — دریا بھی وہ کہ جس کا سمندر ہے ایک جام
مرغابیوں کیطرح سے ارواح فوج شام — دریائے آب تیغ میں تھیں غوطہ زن تمام
یوں غرق آب تیغ۔ تنک ظرف ہوتے تھے

جد و پدر کا نام بھی بالکل ڈبوتے تھے

اوپر بیان فرما چکے ہیں کہ نقیب نسب نامہ پڑھ رہے ہیں۔ اس لئے اب فرمایا کہ ایسی بزدلی سے بغیر لڑے بھڑے۔ دشمن مر رہے تھے کہ اپنے باپ دادا کا نام بھی ڈبو رہے تھے۔ غواص یا دریا سے تلوار کو اور اشقیا کی روحوں کو مرغابیوں سے تشبیہ دیکر کس قدر مضمون کو رفیع و بلیغ فرما دیا ہے۔ کہ ع دریائے آب تیغ میں وہ مرغابیاں غوطہ مار رہی تھیں۔ اور وہ اشقیا خود بھی ڈوبتے تھے۔ اپنے ساتھ باپ دادا کا نام بھی ڈبوتے تھے۔ پہنچنا کا لطف ہے۔ کہ جو کہ شاہ ہم ثابت کر دستہ۔ اب زیادہ نہیں۔ ایک بند اسی دریا کی تلازمہ میں اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کوچ کر گئے
غصے سے ہو کے چین بجبین کچھ ٹھہر گئے
بل بنگئے وہ چین جبین سر اتر گئے
اک وار میں فرات سے پار او نکے سر گئے
حیرت سے جان فنا ہوئی قالب کھڑا رہا
کشتی تو غرق ہو گئی لنگر پڑا رہا۔

اب ایک بند خالص مضمون کا سنئے

دل سوز اشقیا جو بنی تیغ برق دم
پھر اون کے حال پر نہ ہوئی چشم زخم نم
نکلا دہن کے زخموں سے یوں دود دل بہم
جاڑے میں جیسے منہ سے دھواں نکلے صبح دم
دم اس دھوئیں کے ساتھ سقر کو ہوا ہوا
اور پیچھے پیچھے جسم بھی پہونچا اوڑا ہوا

دلسوز کے لفظی معنے دل جلانے والے ہیں۔ برخلاف اس کے روزمرہ محاورہ میں دلسوز اُس دوست کو کہتے ہیں جو دوسرے دوست کے لئے اپنا دل جلائے فرماتے ہیں اشقیا کی دلسوز جو تیغ برق دم بنی۔ تو پھر اونکے حال پر زخم کی آنکھہ نہ روئی۔ منہ کے زخموں سے دود دل اسطرح نکلا۔ جیسے جاڑے میں صبح کے وقت دھواں نکلتا ہے۔ اس دھوئیں کے ساتھ دم (سانس) دوزخ کو ہوا ہوگیا۔ ہوا ہونیکے معنے فوراً چلے جانیکے ہیں۔ اس کے پیچھے پیچھے جسم بھی اوڑا ہوا دوزخ میں پہونچگیا

بجلی کا کام جلانا۔ اور ٹھنڈا کرنا۔ یعنے بیدم کرنا ہے۔ ان دونوں صفتوں کو کس خوبی سے ثابت فرمایا ہے

شمشیر حر کے رعب سی بسمل تھے اشقیا ۔۔۔ گردیدلوں کی سمت کو رخ تیغ نے کیا
گردن نے سر۔ زمین پہ کاندھے سے رکھدیا ۔۔۔ اور گردن سوار کا بوسہ۔ اگر لیا
تعظیم کو سر اوٹھا۔ جھکا تن زمین پر
تن گر پڑا زمین پہ سر بیٹھا زمین پر

اب ایک بند نیزہ زنی کی مدح میں عرض کرتا ہوں۔ طول کا خیال۔ اختصار پر مجبور کرتا ہے۔ ورنہ بہت سے بند تیغ افگنی اور نیزہ زنی کی حال میں قابل تحریر تھے۔

نیزۂ حضرت حرؒ

چمکایا جس نے نیزہ کو دوڑا کے رہوار ۔۔۔ توسن کے سینے سی ہوا یوں نیزہ حر کا پار
سینہ لیا سمند کا۔ اور گردن سوار ۔۔۔ جسطرح ایک شیر کے قابو میں دو شکار
رہوار تو زین سے اسوار زین سے
یوں اوڑ گئے کہ گرد نہ اوٹھی زمین سے

سبحان اللہ کیا پھرتی کی تصویر ہے۔ اور کسقدر بے تکلف نظم میں ہے۔

دریا لہو کے حر کی شجاعت سے بہ گئے ۔۔۔ جبریل آکے سدرہ سے تحسین کہہ گئے
یوں بیحواس بھاگ کے سب روسیہ گئے ۔۔۔ جو اونکے پیچھے نقش قدم تھے وہ رہ گئے
غل تھا کہ شیر سب پہ زبردست رہتے ہیں
شیر خدا کا خاص غلام اسکو کہتے ہیں

نقش قدم کا رہ جانا عجب نیا مضمون ہے۔ باقی لطف زبان ہے

(حضرت حرؒ کا فوج مخالف کو بھگا کر خدمت امامؑ میں آنا)

خالی ہوا سیاہ سے جو عرصۂ قتال ۔۔۔ آقا کے دیکھنے کو پھرا حرؒ خوش خصال
شمشیر و نیزہ ہاتھوں کے اندر لہو سے لال ۔۔۔ تن تیروں سے چھنا ہوا۔ دل یاس سے نڈھال
حضرت پکارے صاحب شمشیر آتا ہے

رویا ہوں کو بھگا کے میرا شیر آتا ہے

کسی مختصر اور لطیف تصویر واقعہ کی کھینچی ہے۔ تلوار اور برچھی ہاتھوں میں لہو سے لال۔ اور حضرت حر کا تمام بدن تیروں سے چھنا ہوا اور دل پیاس سے نڈھال ہے۔ یہ کلمہ "رویا ہوں کو بھگا کے میرا شیر آتا ہے" کیسی محبت کا کلمہ ہے۔ جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے۔ اس سے خوش اخلاقی امام حسینؑ کی ظاہر ہے۔ کہ شہیدوں کو مثل فرزندوں کے سمجھتے تھے۔ یہ تعریف سنکر حضرت حر بہت خوش ہوئے۔ داد پاکر بہادر کا دل چاہتا ہے۔ کہ زیادہ شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اسلیئے

(ہمت دلانا)

حُر نے کہا جو پانی ذرا سا ہو مرحمت — تو چھین لوں یزید کا میں تخت سلطنت

(صبر و رضا)

بولے حسینؑ پھر نہیں کیا۔ اس سے منفعت — بہتر وہی ہے جو میرے مالک کی مصلحت

یہ کہہ کے حر کی پیاس کو شہ نے بجھا دیا
اک سیب خلد ہاتھ میں تھا وہ سنگھا دیا۔

جناب امام حسینؑ کی باتوں کا ایسا اثر حضرت حُر کے دل پر ہو گیا۔ کہ اب اس ولولہ شجاعت کے عوض شربت شہادت کی دل کو خواہش ہوئی۔ زندگی اور دنیا سے دل بھر گیا۔

مشتاق مرگ رن میں گیا حُر باوفا — جلادوں کو پکارا۔ کہ اب سر کرو جدا
لو میں نے وقف راہ حسینؑ آپ کو کیا — تن ہے کہ سر ہے۔ دل ہے کہ سینہ ہے سب فدا

لیلو قسم غریبیٔ سبط رسول کی
لو نیزے مارو میں نے شہادت قبول کی

(اب شہادت کے چند بند ذلکا اختصار اور سلاست زبان اور اثر حسن بیان دیکھیئے)

یہ کہہ رہا تھا ظالموں سے حُر نامور — جو آیا چھپ کے پشت سے سفیان کا پسر
برچھی غضب کی اسنے لگائی وہ تانکر — جسکی انی ہوئی جگر حُر پہ کارگر۔

فوارہ خون دل کا بہا آہ زین پہ
اور یا حسینؑ کہکے گرا حر زمین پر

دوڑی پیادہ کہہ کے یہ ہمشیرہ سے امام ۔ زینب تمہارے بھائی کا مہماں ہوا تمام
سیدانیاں پیٹنے لگیں لیکے حر کا نام ۔ آقا کے گرد و پیش چلے حیدری تمام

یوں شاہ بے قرار تھے مہمان کیواسطے
یعقوب جیسے یوسفِ کنعان کیواسطے

مصنف مرحوم کی عادت ہے۔ کہ بین کی بندوں کو عام فہم سلیس اور نہایت درد ناک و موثر الفاظ میں ادا فرماتے ہیں۔ اس دعوے کی تائید ذیل کے بندوں سے ہوتی ہے

(حضرت امام حسین نے حر کو جس شان سے رن میں دیکھا اُسکا فوٹو)

مقتل میں آکے دیکھنا کیا ہے علی کا لال ۔ اک شیر جھومتا ہے دو زانو لہو میں لال
ہاتھوں میں ڈھال ڈھال پہ سر ضعف سے نڈھال ۔ ملتے ہیں اپنے خون کے نہلے سے وہ ہلال
دل کو وفور درد سے ہے قصد آہ کا ۔ (شیر اللہ حضرت علی)
لیکن وہ نام لیتا ہے شیرِ اِلٰہ کا
پھیلا کے ہاتھ شہ نے کہا جلد کر منتقل ۔ اوٹھ میری جان اوٹھ میرے مہمان آ مجھسے مل
وہ بولا آہ اوٹھنے نہیں دیتا دردِ دل ۔ اکبر کا واسطہ مجھے فرمایئے بحِل۔
یہ کہہ کے ایسا تڑپا کہ ہر زخم پھٹ گیا
آنکھوں کی پتلی پھر گئی اور دم الٹ گیا

کیسی مجبوری کی تصویر کھینچکر دکھا دی ہے۔ کیا کسی نقاش میں یہ قدرت ہے۔ کہ ایسی اثر ڈالنے والی تصویر کھینچے یہ تو انہیں نقاشان معانی دبیر و انیس مرحومین کا حصہ ہے۔ سچ کہا ہے ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔

محبت سے ملنے کا فوٹو۔

عارض پہ حر کے شاہ نے عارض کو رکھدیا ۔ آغوش میں بہ راولِ مظلوم کو لیا۔
حر نے اشارہ خیمۂ سادات کا کیا ۔ مہماں کو لیچلا لیسرِ شیرِ کبیر یا ۔
اصحاب گرد لاش کے تھے شور و شین میں

حر مسکرا رہا تھا کنارِ حسین میں

پہونچے جو در پہ لاش لئے شاہ دین پناہ
زینب نے ہائے حر کہا بس کرتے ہی نگاہ
مہماں کو لیکے بیٹھ گئے رو نقبلہ شاہ
پھیلا کے پاؤں رکھدیے پہلو میں ہاتھ آہ
حر کے شرف حسینؑ کی الفت سے بڑھتی تھی
زانو پہ سر دہرے ہوئے یٰسین پڑھتے تھے

اتنے میں آہ دیکھتے کیا ہیں شہِ زمن
حر کے گلے سے خون کا دریا ہے موج زن
ہاتھ اپنا رکھ کے واں کہا زینب سے یہ سخن
کہولو تبرکات کا صندوق اے بہن
زخمی گلا میں باندہوں گا اس مہمان کا
رومال لاؤ جلد مری اماں جان کا

رومال فاطمہؑ کا جو لائی وہ دل حزیں
شہ نے لپیٹا حلق پہ مہمان کے وہیں
حر نے نگاہ پیار سے کی سوئے شاہ دین
شہ کے کرم پہ ہو گیا صدقے وہ خوش یقین
روئے حرم عزیز اوسے اپنا جان کر
لاشے پہ بال کہول دیے سب نے آنکر

باب دہم

یورش لشکر یزید و حال حبیبؑ ابن مظاہر اسدی صحابی

حضرت حرؑ کی شہادت سے پہلے یا پیچھے (کتب مقاتل و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ) فوج یزید نے لشکر قلیل امام حسینؑ پر یورش کی تھی۔ لاکھوں یا ہزارہا آدمی ایک ساتھ ۷۲ کی قلیل جماعت پر یکایک آپڑے۔ اُن میں سے ۵۰ آدمی شہید ہو گئے۔ ۲۲ رہ گئے اس واقعہ کی تصویر دیکھئے مرزا صاحب مرحوم کن مختصر دردناک لفظوں میں کھینچتے ہیں۔

شبیر آئے فوج میں یا موج میں گہر
پیاسے ہوئے سلام و زیارت سے بہرہ ور
اتنے میں فوجِ ظلم یکایک بڑہی ادہر
یاں کوئی باندہتا تہا سپر اور کوئی کمر
دریا لہو کے فوج حسینی میں بہ گئے

بیجان پچاس ۵۰ تن ہوئے بائیس ۲۲ رہ گئے۔

(تصویر مصیبت و استقلال)

اُس وقت تھی حسینؑ کی وہ آہ دل خراش
جس آہ سے جگر تھے فرشتوں کے پاش پاش
گودی میں ایک لاش تو کاندھے پر ایک لاش
اک لاش کے سرہانے پہ اک لاش کی تلاش
عباسؑ کو ندا تھی کہ ڈھونڈو شہیدوں کو
لاتے تھے اک سمند پہ دو دو شہیدوں کو

آفت سے کوئی کہتا تھا میرا پدر نہیں۔
اک باپ رو رہا تھا کہ میرا پسر نہیں۔
اک بھائی کہہ رہا تھا اخی کی خبر نہیں
کوئی پکارتا تھا بدن تو ہے سر نہیں
کیا لشکر حسینؑ کی بستی اوجڑ گئی
آفت کی فوج ٹوٹ پڑی۔ لوٹ پڑ گئی

الحق ایسے مختصر اور سلیس اور دل گداز الفاظ میں اس موقعہ کو خلعت نظم پہنانا۔ مرزا صاحب مرحوم ہی کا حصّہ ہے۔ چہرہ۔ سراپا۔ لڑائی۔ رخصت۔ سب مقامات رزم کہنا آسان ہے۔ بزم مشکل ہے۔ یہ حملہ (یورش) لشکر شام نے (معلوم ہوتا ہے کہ) چاروں طرف سے کیا تھا۔ کچھ لشکر کے آدمی خیمہ اہل حرم کی طرف آئے تھے کچھ قلیل لشکر خدا پر گرے تھے۔ چنانچہ ایک دوسرے مرثیہ حال حبیب ابن مظاہر رح میں اس واقعہ کی تصویر مرزا صاحب نے یوں کھینچی ہے۔

ناگہہ متفرق ہوئے چھ لاکھ ستمگر۔
کچھ خیمۂ مولا کو بڑھے کچھ ہوئے لشکر
کچھ آئے پس و پیش چپ و راست بد اختر
کچھ راہ میں کچھ ناکوں پہ کچھ نہر کے اوپر
مرکب کہیں پوپہ تو پیادے کہیں رو میں
قرناؤ دف و نوبت و نقارہ جلو میں

بس ہوگئے سے گھیر گیا زہراؑ کا وہ جایا
محتاج تھے ایسے کہ کجاوؤں کو منگایا
اور خیمہ کے گرد۔ آگ سے خندق میں جلایا
کی تیغ علم جبتے تمام اوسمیں گرایا
نرغے میں لیا فاطمہ زہراؑ کے خلف کو

شمشیر و سناں چلنے لگی چار طرف کو

خیمہ کیطرف غول بڑھا ایک قضا را — اور شمر نے تو خیمہ پہ اک نیزہ بھی مارا
فرماتے ہیں عابد کہ مکان جل گیا سارا — خولی سے کہا شمر نے لا آگ خدا را

یہ تو نہ کہا پانی عزیزوں کو پلا دے
ناری نے کہا آل پیمبر کو جلا دے

پھرنے لگیں خیمہ میں بنی زادیاں ششدر — اون میں کوئی بیوہ تو کوئی صاحب شوہر
بن بھائی کے خواہر کوئی بن بیٹے کے مادر — اک صحن میں بیہوش تھی اک خیمہ کے در پر

منہ وارثوں کے خوف سے بالوں میں چھپا کے
چلاتی تہیں مقتل کیطرف۔ ہاتھ اوٹھا کے

اے حیدر یو حرمت سادات بچاؤ — سیدانیوں کے وارثو امداد کو آؤ۔
اے جعفر یو خیمہ سے اعدا کو ہٹاؤ — اے ہاشمیو زور خداداد دکھاؤ۔

دکھیاریاں بے چاریاں کیا گھر کی خبر لیں
عابد کی خبر لیں کہ ہم اصغر کی خبر لیں

تو سن کو حبیب ابن مظاہر نے اوٹھایا — اور قہر الٰہی کیطرح شمر پر آیا۔
وہ حربہ دو دستی سر دشمن پہ لگایا — غش آگیا بیرحم کو خولی نے اٹھایا۔

یہ شیر تہا گرم آتش صد طور کی مانند
سب لشکر شام اڑ گیا کافور کی مانند

سیدانیوں سے عرض کی اعدا کو ہٹا کر — تو بیٹھو بنی زادیو اب خیمہ میں جا کر
اب شمر نہ دیکھیگا اِدہر آنکہہ اوٹھا کر — کیا ناریوں کا منہ کہ جلائیں تمہیں آکر

جب تک کہ سر اپنا نہ علم ہوگا سناں پر
آنچ آئیگی تم پر نہ امام دو جہاں پر

چوتھے اور چھٹے مصرع میں دو رعد مرے صرف فرمائے ہیں۔ (۱) کیا منہ کہ تمکو جلائیں (۲) نہ تم پر آنچ آئیگی نہ امام زمان پر۔ آنچ نہ آنا۔ خاص ایسے موقعہ پر کہ جب

کرخیموں کے جلانے کا تھا - اعلیٰ درجہ کی بلاغت کا کلام ہے - جس کا لطف صرف وہ لوگ اوٹھا سکتے ہیں - جن کو لطفِ زبان خدا نے بخشا ہے اور جن کا دماغ تعصب سے پاک ہے - اور جنہیں ذاتی رائے دینے کا مادہ خدا نے رکھا ہے - اس لئے کہ بہت سے ایسے عقلمند بھی دیکھے جاتے ہیں - کہ جو ایک شخص کی تعریف یا مذمت فقط اس بنا پر کرتے ہیں کہ اس کو ایک دوسرا شخص مانتا ہے - یا برا سمجھتا ہے

اب ازبسکہ حبیب ابن مظاہر اسدی کا ذکر آگیا ہے - کچھ ان کے حالات بھی لکھنا ضرور ہوا - یہ میں اس کتاب میں شاید کہیں موقعوں پر عرض کرونگا - کہ اور اکثر مرثیہ گویوں نے صرف معمولی ۵ - ۷ - ۱۰ - حالوں میں مرثیہ کہے ہیں مرزا صاحب مرحوم نے ان حالات میں بھی مرثیہ کہے - اور دوسرے حالات میں بھی فرمائے - چنانچہ حبیب ابن مظاہر اسدی کے حال میں ان کا مرثیہ دفتر ماتم کی جلد ششم (مطبوعہ) میں موجود ہے - یہ حبیبؓ ابن مظاہر اصحاب جناب رسالت مآب صلعم سے تھے - ہرچند امام حسینؑ سے عمر میں بڑے تھے - مگر ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ ساتھ کھیلے تھے - صفین کی لڑائی میں بھی حبیب ابن مظاہر رکاب جناب امیرؑ میں موجود معلوم ہوتے ہیں - اکثر آدمیوں کو خیال یہ تھا - کہ حبیب ابن مظاہر کا پہلے پہل اردو میں مرثیہ مرزا صاحب مرحوم نے فرمایا مگر خود مرزا صاحب مرحوم نے اسی مرثیہ کے شروع میں یہ بند لکھکر اس شبہ کو دور کردیا -

گو میں ہی مروج ہوں کہی حال کا الّا — اس مرثیہ خاص میں دعویٰ نہیں زیبا
برحق ہے یہ ایجاد ضمیر سخن آرا — خلاق معانی لقب خاص ہے جس کا
اون کے در ہر بیت سے مضمون کی عطا ہے
خاقانی و فخر الشعراء اون کا گدا ہے

گویا کہ ہیں اوستاد میرے عیسیٰ ثانی — دم کرتے ہیں الفاظ میں ارواح معانی
ہیں مرثیہ ابن مظاہر کے وہ بانی — پہ صفوں کے ماتھے ہے یہ مرتبہ دانی -
کیا مدح ہے اوستاد کی دل شاد ہے میرا

وہ اُن کا ہے ایجاد۔ یہ ایجاد ہے میرا

مگر روایت جو اس مرثیہ کے آخر میں ہے وہ پہلے پہل مرزا صاحب مرحوم ہی نے نظم کی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

ہر چند کہ بے حصہ ہے مضمون روایت — آگے نہ کسی کو ہوئی پر ایسی ہدایت
واللہ نہ ہے بخل نہ کینہ نہ شکایت — منظور ہے پر زور طبیعت کی رعایت

کہتے ہیں کہ گنجائش احوال نہیں ہے
ہر ماہ اگر کیجئے تو اشکال نہیں ہے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ کے اکثر لوگ یہ کہتے تھے۔ کہ حال حبیب ابن مظاہر میں ایسی وسعت نہیں ہے۔ کہ جو مثل حُر ریاحی۔ ان کا بھی مرثیہ کہا جائے۔ میر ضمیر صاحب نے جو ایک مرثیہ فرما دیا ہے۔ وہ کافی ہے۔ اس حال میں زیادہ گنجائش تخییل و مضمون آفرینی نہیں ہے۔ مگر مرزا صاحب مرحوم کی زور دار خداداد خلاق مضامین۔ طبیعت یہ جواب دیتی ہے۔ کہ ہر مہینہ میں اس حال میں ایک مرثیہ کہتا رہوں۔ تو بھی مجھکو کچھ مشکل نہیں ہے۔ میر ضمیر صاحب مرحوم کی تعریف میں اس مرثیہ میں سے ایک بند میں اور لکھنا چاہتا ہوں۔ بہر حال حضرت حبیب ابن مظاہر کے کچھ بند پیش کرونگا۔ اس بند میں میر ضمیر صاحب کی واقعی تعریف کمال کی ہے۔ اور از بسکہ میر صاحب سراپا۔ لڑائی وغیرہ کی مرثیہ میں موجد تھے۔ ان کے بعض معاصرین نے بھی رزم مرثیوں میں لکھے تھے۔ بس دیکھئے مرزا صاحب مرحوم میر ضمیر مغفور کو تمام مداحان اہلبیت کا افسر و حاکم کس خوبی سے ثابت فرماتے ہیں۔ (وہ بند یہ ہے)۔

معنیٰ ضمیر اہل زبان سے نہیں اخفا — روشن ہے دلوں پر شرف نام سراپا
ہیں غیر بھی جو پیر و نظم ان کے ہیں سمجھا — یعنے کہ سخن سب کو پسند آتا ہے دل کا

شاہی ضمیر اوج پہ ہے ملک سخن میں
جس شکل سے دل حاکم اعضا ہے بدن میں

مطلب یہ ہے کہ ضمیر کے معنے دل۔ اور دل کی بات سب کو پسند آتی ہے۔ انکی طرز ایجاد (رزم و سراپا) بھی شاگردوں کے سوا۔ غیروں یعنے معاصرین کو بھی پسند آئی۔ کہ انہوں نے بھی تقلید کرکے مرثیہ میں رزم و سراپا وغیرہ نظم کیا۔ میرضمیر صاحب اسطرح مداحونکی بادشاہ و حاکم ہیں۔ جسطرح دل تمام اعضائے بدن کا حاکم و بادشاہ ہے۔

اب ضعیف العمر صحابی کا مرثیہ شروع ہوتا ہے۔ دیکھیئے ہرچند بڑھاپے ہی کے حال سے مرثیہ کو شروع فرمایا ہے۔ مگر جوانی کی اومنگیں ساتھ ساتھ ہیں؎

مطلع

پیری میں اگر بخت جوان ہو تو مزا ہے ۔۔۔ ہم پلۂ ناوک جو کمان ہو تو مزا ہے
سر کے لئے معراج سنان ہو تو مزا ہے ۔۔۔ جاں فدیۂ خلاق جہاں ہو تو مزا ہے

پیری میں گل زخم سے ہے حسن بدن کا
ہنگام سحر لطف ہے گلگشت چمن کا

مطلع ثانی

اے مشک قلم۔ جلوہ کافور دکھادے ۔۔۔ اے شام سیاہی سحر نور دکھادے
اے مطلع روشن شجر طور دکھادے ۔۔۔ اے زنگ سخن صاف رخ حور دکھادے

اس مرثیہ میں ادس کے فضائل کا بیان ہے
جو سن میں مسن۔ اور ارادے میں جوان ہے

اس بند کو غور سے دیکھیئے۔ حبیبؓ کو عمر میں ضعیف مگر ارادے میں جوان بتلاتے ہیں دونوں بالوں کا اوپر کے مصرعوں میں بناہ دیکھیئے۔ کہ مشک قلم سے جلوہ کافور چاہتے ہیں۔ مشک سیاہ ہوتا ہے۔ جو جوانی کی علامت ہے کافور سفید بڑھاپے کی نشانی ہے۔ اسیطرح شام سیاہی ہے۔ اور سحر نور میں مناسبت ہے۔

پیری میں جوان بخت حبیب ابن مظاہر | غازی اسدی نیک نصیب ابن مظاہر
حیدرؑ کے حبیبوں کا حبیب ابن مظاہر | بیچارہ و مظلوم و غریب ابن مظاہر

سر دیکھئے یہ پیری میں سبکدوش ہوئے ہیں
بالوں کی سفیدی سے کفن پوش ہوئے ہیں

بے چارہ و مظلوم و غریب کا ثبوت بیت میں دیا ہے کہ کوئی کفن دینے والا بھی نہ تھا۔ اس لئے خود اپنے سفید بالوں کا گویا کفن پہن لیا تھا۔ بالوں کی سفیدی سے کفن پوش ہونا عجیب لطیف و بلیغ مضمون ہے۔ جسکی مدح سے زبان عاجز ہے۔

جس پیر کا اقبال ضعیفی میں جوان ہے | حقا وہ حبیبِ شہ فردوس مکان ہے
ثابت قدم ایسا کوئی پیر و نہیں کہاں ہے | ثابت قدمی پاؤں سے رعشہ میں عیاں ہے

سر ہلتا ہے پر سیرِ کفِ پا سن میں جمی ہے
جنبش میں ہے لو شمع کو ثابت قدمی ہے

یہ مضمون آفرینی مرزا صاحب مرحوم کا حصہ ہے۔ چوتھے مصرع میں دعوے یہ کیا تھا۔ کہ باوصفیکہ رعشہ سے سر ہلتا ہے۔ مگر ثابت قدمی میں فرق نہیں ہے ثبوت اس کا یہ دیا۔ کہ جسطرح شمع کی لو ہوا سے ہلتی ہے۔ مگر وہ ثابت قدم رہتی ہے اسی طرح حبیب سر ہلنے پر ثابت قدم ہیں۔ تشبیہ تامہ اسکو کہتے ہیں۔ یہ وہ مضامین عالیہ ہیں جہاں عام دماغ نہیں پہونچتے۔ اور اس کمال کے سامنے بڑے بڑے متکبر منکروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ مشہور ہے۔ کہ حبیب ابن مظاہر کا سر مکہ میں دفن ہے۔ اور بدن کربلائے معلیٰ میں ہے۔ چنانچہ کعبہ میں اس مقام کو راس الحبیب کہتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ سے اس باب خاص میں حبیب کو پوری مشابہت ہے۔ کہ حضرت کا سر اقدس بھی بدن سے علیحدہ نجف میں یا اور کہیں بنابر اختلاف روایات، دفن ہے۔ اور بدن کربلا میں ہے۔ اس مضمون کو مصنف مرحوم ادا فرماتے ہیں۔

ہے بے سر و ساماں کوئی ایسا شہدا میں | سر دفن ہے کعبہ میں بدن خاکِ شفا میں

مژدہ تو ہے دربار شہِ ارض و سما میں — سر ابن مظاہر کا ہے سرکار خدا میں
کیونکر نہ وہ سر قابل درگاہ خدا ہو۔
جو خالق کونین کے فدیہ پہ فدا ہو۔

اس موقعہ پر اتنا اور بھی عرض کر دوں۔ کہ بعض روایات سے ایسا پایا جاتا ہے جب شہدائے کربلا کے کٹے ہوئے سر ان کے قاتل لئے ہوئے کربلا سے کوفہ میں آئے ہیں۔ تو حبیب ابن مظاہر کا ایک لڑکا کوفہ کے بازار میں پھر رہا ہوا تھا۔ اس نے گھوڑے کے فتراک میں ایک شخص کو یہ سر باندھے ہوئے دیکھکر ایک پتھر جوش غصہ میں کھینچکر اُس قاتل کو مارا۔ اور فتراک سے سر کھولکر چلدیا۔ اس روایت کو مرزا صاحب مرحوم نے بھی اس مرثیہ کے آخر میں نظم فرمایا ہے۔ مگر اس روائت کے آخر میں یہ کہیں نہیں لکھا۔ کہ پھر وہ لڑکا اس سر کو لئے ہوئے کہاں گیا۔ قرینہ سے اور اس بات سے کہ راس الحبیب مکہ میں مقام زیارت زبانہ دراز سے موجود ہے۔ یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ زوجہ حبیب ابن مظاہر اپنے لڑکے اور سر حبیب کو لیکر کوفہ سے مکہ میں چلی آئیں۔ اور مکہ میں ہی سر کو دفن کر دیا ہوگا۔

یہ بھی ایک مشہور روایت ہے۔ کہ ایک بچہ کو جناب رسول خدا صلعم نے ایک روز گود میں لیکر پیار کیا۔ بعض صحابۂ کرام نے سبب پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ میرے حسینؑ کو دوست رکھتا ہے۔ میں نے ایک دن دیکھا ہے۔ کہ میرے حسینؑ کے پاؤں کے نیچے کی خاک لیکر یہ اپنے چہرہ پر ملتا تھا۔ علمائے اسلام کا خیال ہے۔ کہ وہ بچہ حبیب ابن مظاہر اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ دیکھئے مرزا صاحب نے اس روایت کو کس خوبصورتی سے خلعت نظم پہنایا ہے۔

ظاہر ہیں حبیب ابن مظاہر کے فضائل — محبوب نبیؐ کا ہے یہ فرخندہ شمائل
شبیرؑ کی الفت میں جو پایا ہے کامل — اوس مصحف ناطق نے کیا بر میں حمائل

پرخود غلطوں نے وطن آوارہ کیا ہے
ہر جزو بدن تیغ سے سی پارہ کیا ہے

بچپن میں جو گھر سے شہ دیں کھیلنے آتے   یہ مٹھیوں میں خاک قدم اونکی اوٹھاتے
کچھ آنکھوں میں اونگلی کی سلائی سے لگاتے   کچھ خاک کو گلگونہ رخسار بناتے
اک خاک سے سنو حسن کا طالب وہ جری تہا
صندل تھا یہی سرمہ یہی عطر یہی تھا۔

اللہ اکبر - کیا ٹھکانا اس نور طبیعت کا ہے - بات نہیں ہے بات معنوں سے مضمون پیدا کرتے جاتے ہیں - جہاں اوروں کا خیال نہ پہونچے - وہاں سے یہ مضمون لے آتے ہیں - اب دیکھئے اس خاک کے مضمون سے کسقدر پاک مضمون ذیل میں نکالے ہیں -

بے وجہ نہیں منہ پہ ملی خاک وہ اصلا   بچپن میں تیمم تھا پئے طاعت مولا
اور عہد ضعیفی میں حضور شہ تنہا   آب دم خنجر سے کیا مسح سر و پا
منہ خوں سے اگر دہویا تو نہا آب بقا سے
اس تازہ وضو سے گئے ملنے کو خدا سے

یورپ کے مشہور فاتح نپولین بونا پارٹ کا یہ مشہور تاریخی واقعہ ہے - کہ ۸ - برس کی عمر میں وہ اپنے اسکول کے لڑکونکی دو جماعتیں بنا کر لڑایا کرتا تھا - چنانچہ ایک دن بعد جب وہ ایک فرضی قلعہ پر دہاوہ کر رہا تھا - اور خود ایک جماعت کا کمانڈر تہا ایک لڑکے کو تعمیل حکم میں غافل پاکر منہ پر طمانچہ اس زور سے مارا - کہ اسکی رخسار پر شدید ضرب پہونچی - اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے جب نپولین سے اس کا جواب مانگا - تو اوس نے صاف صاف کہدیا - کہ جذبات جنگ نے مجھے بیخود کر دیا تھا اور اوس وقت میں اپنے آپکو ایک اصلی کمانڈر سمجھے ہوئے تھا - اب جو مناسب ہو مجھے سزا دیجئے -

اس قسم کے واقعات اگر تاریخ عالم میں دیکھا جائے - تو ہر ایک اولوالعزم جری

کی لاالف میں ملینگے جس علم یا فن کی طرف بچپن سے آدمی کا میلان طبیعت ہوتا ہے۔ اکثر وہ اسی میں جوان ہو کر کمال پیدا کرتا ہے۔ اور اگر اس کے خلاف دوسرے دھندے میں پھنس جاتا ہے۔ تو اکثر الجھتا ہے اور وہ کام اس سے اچھی طرح نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ شاعر ماں کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوتا ہے۔ حبیب ابن مظاہر کا ایسا ہی واقعہ مرزا صاحب مرحوم کی خلاق مضامین طبیعت بیان کرتی ہے۔ اللہ اللہ کیا زوردار طبیعت پائی تھی کہ ایسے ایسے مضامین وقت پر سوجھتے تھے۔

بچوں کی صفیں کھیلنے میں کرتے تھے تیار — شبیر کو ان سب میں بناتے تھے یہ سردار
شبیر نہیں ... کا کرتے تھے مختار — آقا سے جو ہمجولی کوئی کرتا تھا تکرار
ہاں ان کا علم ہوتا تھا شمشیر کے بدلے
بچوں سے لڑا کرتے تھے شبیر کے بدلے

ہمجولیوں سے غیظ میں کہتے تھے پکار کے — بڑھ کر کوئی بولیگا جو آقا سے ہمارے
تو پیار نہ ہم ساتھ نہ کھیلیں گے تمہارے — تم پیارے ہو ماں باپ کے یہ حق کے ہیں پیارے
گر وقت پڑا کچھ بھی تو سلطان کے اوپر
سن لیجیو ہم کھیل گئے جان کے اوپر

جان پر کھیل جانے کا کیا عمدہ روزمرہ اس کھیل کے موقع پر صرف فرمایا۔ اگر صنعت مراعات النظیر یا رعایت لفظی کا استعمال اس بے تکلفی کے ساتھ آجائے۔ تو سبحان اللہ [illegible] ورنہ محض تکلف ہے۔ اس سے میرے نزدیک [illegible] تھوڑے تھوڑے نمونے لکھتا جاتا ہوں ورنہ تمام مرثیہ لاجواب ہے۔

لکھا ہے کہ جب رن کو چلے لڑنے کی خاطر — کی پیار سے شہ بولے خدا حافظ و ناصر
ظاہر ہوا اعجاز حبیب ابن مظاہر — دن پھر گئے پیری کے جوانی ہوئی حاضر
تیغ کمر بانکی تھی یا لطف خدا تھا

قبضہ یہ دہرا ہاتھ جو ہیں۔ رعشہ جدا تھا

دن پھر جانے کا محاورہ۔ عجیب دلچسپ ہے۔ کہ جس میں سے مضمون نکالا ہے۔ یعنے جب بڑھاپے کے دن پھرے۔ نوجوانی حاضر ہوئی۔ اور جب ایک فصل جائیگی تو دوسری آئیگی۔ اس موقعہ پر دن پھر گئے کے روزمرہ نے خاص لطف دیا۔ کہتے ہیں۔ کہ آنکھ کے دن پھر گئے۔ پس مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جیب کے بڑھاپے کے دن پھر گئے اور جوانی آکر موجود ہو گئی۔ کہ قبضے پر ہاتھ رکھتے ہی۔ رعشہ جدا ہو گیا۔ رعشہ علامت پیری ہے۔ رعشہ جدا ہوا۔ نوجوانی گویا آگئی

(سہرایا)

کی چاہ خضر نے کہ تمام آب لٹا دے ۔۔۔ یہ بولے کہ موجود ہیں کوثر کے پیالے
بولا فلک پیر سپر ہمکو بنا دے ۔۔۔ موسیٰ نے کہا پیر ہے تو میرے عصا لے

غازی نے کہا عقدہ کشا اپنا علی ہے
تیغ اپنی سپر اپنی۔ عصا اپنا علی ہے

دہن اور کمر کو اکثر شاعر معدوم (کم) اور ہیچ کہتے آئے ہیں۔ مگر مرزا صاحب مرحوم فرماتے ہیں۔

دو ہیچمداں ہے جو کہے ہیچ دہن ہے ۔۔۔ کہتے ہیں سے ہیچ اور اس میں ہی سخن ہے
جان اوسکی فصاحت یہ فصاحت کا بدن ہے ۔۔۔ عیسیٰ کی طرح اسکا سخن عقدہ کشا ہے

لو اور سنو کہتے ہیں یہ غنچہ دہان ہے
پوچھو تو بھلا غنچہ میں یہ بات کہاں ہے

(ناطقہ کی تعریف اور خطوط شعاعی کا بالکل نیا مضمون)

اب خضر زبان چشمۂ حیواں ہیں جو ہو پاک ۔۔۔ تو ہے صفت لطف حبیب شہ لولاک
یاں ناطقہ بھولا ہے کلیم اللہ ادراک ۔۔۔ دعوے فصحا ان سے بلاغت کا ہے خاشاک

جسپر ہے یہ بلقیس خط شعاعی کا جہان کو
خورشید کے تالو سے یہ لپٹا ہے زبان کو

خط شعاعی (کرن) کی نسبت فرماتے ہیں۔ کہ سورج کے تالو سے گویا زبان کھینچی ہے کرنیں نہیں ہیں۔ زبان تالو سے کھینچنے کی ایک عبرت ناک پیرائی زمانہ کی سزا ہے

(روئے اقدس اور ریش (ڈاڑھی) وسینہ) کی تعریف۔

یوں ریش کی ہے شان حضور رخ تاباں | جس طرح پڑھے شمع کے آگے کوئی قرآں
اور سینۂ بے کینہ ہے گنجینۂ ایماں | گنجینۂ ایمان ہے۔ ولائے شہ مرداں

ہاتھوں میں ہے کونین کی دولت تو بجا ہے
ان ہاتھوں میں دامان امام دوسرا ہے

دیکھیئے بند نخت میں عربی مصرع چہارم۔ کس خوبی کے ساتھ تضمین حمیدیان فرمایا ہے۔

دیکھو کوئی اعضا کے تناسب کو خدارا | صانع نے عجب گلشن ترکیب سنوارا
بننے ہی یہ قالب سو گئے شبیر لکارا | اَلقَلبُ عَلیٰ بَابِکَ لَیلًا وَّ نَہارا

یہ قد جو سراپا قلم راست رقم ہے
تو پیچ ہیں یہ موئے میاں بال قلم ہے

چوتھے مصرع کا مطلب یہ ہے۔ کہ دل رات دن آپکی در دولت پر ہے۔
موئے میاں شعرا کمر کو کہتے ہیں۔ مصنف علام فرماتے ہیں۔ کہ قد بمنزلہ قلم ہے اور موئے میاں یعنی کمر۔ بال قلم کی طرح ہے۔

(حبیب ابن مظاہر کے گھوڑے کی تعریف شاعرانہ)

رہوار کے آگے کوئی جادو نہیں چلتا | سایہ کے برابر کوئی آہو نہیں چلتا
ساتھ اسکے فلک وقت لگا پو نہیں چلتا | اس چال سے صرصر کا بھی قابو نہیں چلتا

اطفال سبق اپنا رواں پڑھ نہیں سکتے
آگے قدم عمر رواں بڑھ نہیں سکتے

عمر رواں کا قدم آگے نہ بڑھنا ایک بالکل نئی مگر صحیح بات ہے۔ کیونکہ عمر تو گھوڑے کے ساتھ ساتھ ہے۔ آگے کیونکر بڑھے۔

(حبیب ابن مظاہر کا رجز)

غازی نے عنان روک کے ہر اک پہ نظر کی
پڑھتا تھا جز خشک زبان شکر سے تر کی
فرمایا مبارک ہو جدائی۔ تن و سر کی
ہے دھاک شجاعوں میں مرے جد و پدر کی

میں یادہ زورِ شجاعان سلف ہوں
بچپن کا غلام پسر شاہ نجف ہوں

بندذیل مسجع نظم فرمایا ہے کہ ہر لفظ کے بالمقابل اوس کا ہم وزن لفظ آیا ہے۔ واسطے مقتضہ کے کرر اس بند کو لکھتا ہوں۔ تاکہ ناظرین غور فرماکر حظ اوٹھائیں۔

اوس	کعبہ	کا	حاجی	ہوں	گراتے	ہو	جسے	تم
اوس	ابہ	کا	حافظ	ہوں	مٹاتے	ہو	جسے	تم
اوس	چاند	کا	ہالہ	ہوں	چھپاتے	ہو	جسے	تم
اوس	کلمہ	کا	شاہد	ہوں	بُہلاتے	ہو	جسے	تم

اوس گل کا میں بلبل ہوں جسے خونمیں بھر دوگے
اوس شمع کا پروانہ ہوں گل جسکو کردوگے

یہ صنعت چار اوپر کے مصرعوں میں بے لکلف آگئی۔ اس لئے اوس صنعت میں نظم فرمائی ٹیپ کی دو مصرعوں میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ بے ساختہ پن نہیں باقی رہتا تھا اس لئے اوس صنعت کا لحاظ نہیں فرمایا۔ اور اُسی طرز پر مگر بغیر صنعت مسجع کے بے تکلف ٹیپ فرمادی۔ گل تا بلبل۔ اور شمع کا پروانہ ہونا۔ یہ معمولی و مشہور محب و محبوب کی تشبیہیں ہیں۔ مگر چھٹے مصرع میں گل کا ایک ایسا لفظ لائے ہیں جس نے جان ڈالدیی۔ شمع کو گل کرنا۔ شمع بجھانے کی معنے پر بولا جاتا ہے اور مصرع پنجم میں گل پھول کے معنے میں آیا ہے۔ سبحان اللہ با عنان طبیعت نے کیا باغ کھلایا ہے۔ اب دیکھیے رجز ہی میں مرثیت کا پہلو کس خوبصورتی سے نظم کئے ہیں۔

لو فاطمہ زہرا کو تو مرقد سے نکالا
کچھ سنتے ہو مقتل میں کھڑی کرتی ہیں نالا

اس شبیر سے فاقہ میں بھی خوش ہیں شہ والا — پر مرتا ہے بانو کا پسر ہنسلیوں والا

سید انہونکو پاس سے چھوٹے کے ہٹا دو

پانی تمہیں جا کر علی اصغر کو پلا دو۔

اعدا نے کہا خوب یہ ذلت ہم اٹھائیں — جائیں وہاں اور پانی بھی اصغر کو پلائیں

گر کہدو تو سر کاٹ کے ننھا سا لے آئیں — اور سامنے شبیر کے نیزے پہ چڑھائیں

دیکھو تو سہی وقت اب آتا ہے غضب کا

ہم نیزے سے فاقہ میں گلا کاٹیں گے رب کا

عبید اللہ ابن زیاد مکار کی تمام لشکر کو یہ تاکید تھی کہ امام حسین کے ساتھیوں کو کوشش کر کے اُن سے الگ کرنا۔ اور علما لینا اسی بنا پر اگویا فوج یزید کے لشکری کہتے ہیں۔ اور حبیب ابن مظاہر صحابی سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔

(مگر افسوس امام حسین کے لئے یہ ہمدردی نہیں تھی)

شبیر نے پیری میں تمہیں مرنے کو بھیجا۔ — اکبر کی جوانی پہ دکھا اُن کا کلیجا۔

کیا پیر کا سر کاٹنا تعریف تولے جا — غصہ سے کہا شیر نے کیا بکتے ہو بے جا

کمزور سہی خیر ہیں پیری کے سبب سے

شبیر مرا پیر زبردست ہے سب سے

پیری کے بیان میں بند ذیل ہے۔ ایک لفظ پیر چاروں قافیوں میں لائے ہیں۔ مگر ہر جگہ نئی شے ہے یا اس صنعت پر کمال یہ ہے کہ آمد معلوم ہوتی ہے

واللہ نہ تم لا کہنہ جوان اور نہ میں اک پیر — میں جمع ہوا نیکی میں نحوست میں ہو تم پیر

تم لوگ مرید ہو جاگیر ہو بے پیر — ہیں قائل حق معتقد حضرت شبیر

ہر پیر و جوان صاحب توقیر ہے اونکا

خود پشت کا خادم فلک پیر ہے اونکا

نو آسمان مشہور ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ نو پشت (پیری) کا خادم اونکا آسمان پیر ہے کتنا پاکیزہ اور عمدہ استعارہ ہے۔ سبحان اللہ واہ واہ

دوسرے مصرع میں پیر دوشنبہ کے معنی میں ہے۔ دوشنبہ اہل بیت میں منحوس مشہور ہے۔ کہ اس روز جناب رسالت مآب صلعم کا سایہ سر پر سے اٹھ گیا۔ اب پھر دیکھئے پیری کی تعریف میں کیا کیا مضمون پیدا فرمائے ہیں۔

وہ پیر ہوں میں تیغ و سناں جسکا عصا ہے ہے خضر بھی تو پیر ہی پر مرتبہ کیا ہے
شبیر پہ یہ پیر غلام آج فدا ہے پیروں سے تمہیں شرم نہیں خلق کو حیا ہے
پیری ہے وہ دولت کہ کفن زیب بدن ہے
ہر موئے سفید اپنے لئے تار کفن ہے

ضعیفی میں گردن جھک جاتی ہے۔ حبیب کی گردن بھی جھکی ہوئی ہے اُس کے باب میں مضمون پیدا فرمائے ہیں

قد خم ہوا تو ہو۔ عقل تو کج میری نہیں ہے اس وجہ سے مائل مرا سر سوئے زمیں ہے
پوشیدہ زمیں میں بنی عرش نشیں ہے جھکنے ہی سے روشن بخدا نام نگیں ہے
غافل کو اشارہ ہے کہ محکوم خدا ہو
ملنا ہے اسے خاک میں باطل سے جدا ہو

دیکھئے جھکنے کے وجوہ کسقدر بیان فرما چکے۔ پھر اور ذیل کے بند میں مضامین کا مینہ برساتے ہیں

جھکنا شرفا کا ہے تقاضائے شرافت جھکنے ہی سے افلاک کو حاصل ہوئی رفعت
خم ہونے سے محراب بنی جائے عبادت شاہد ہے رکوع اس پہ کہ جھکنا بھی ہے طاعت
ڈرتے نہیں ہم شاخ خمیدہ سے عجب ہے
جو تیغ کہ خمدار ہے کاٹ اسکا غضب ہے

اسی کجی کی بحث سے لڑائی کی تمہید حضرت حبیب ابن مظاہر کی شروع ہو گئی۔ ذرا تشبیب کا لطف اٹھائیے۔ دیکھئے کس لطافت سے رجز کے میدان سے میدان جنگ میں خیال شاعر پہونچتا ہے

اٹھے ہوئے سنکر سخن سست وہ کج باز سیدھے کئے تیر سے ہوئے غازی خوش آغاز

شاخوں سے کمانوں کے اڑے تیر و نکی شہباز اوریاں ملک الموت نے کھولے پر پروانہ
گھوڑے نے کئے کان کھڑے باجوں کے غل سے
آبِ دمِ شمشیر بڑھا میاں کے پُل سے

(لڑائی نئے انداز سے شروع ہوتی ہے - دیکھئے یہ طرز کلام یادگار ہے -)

دامان قبا شاہ کے بادر نے سنبھالے دو صاعقہ برق اجل فوج پہ ڈالے
اک تیغ اور اک رخش ہنر جن کے نرالے ہر صف کی صفائی تو پرزے ہوئے رسالے
ارشاد کیا تیغ سے ایک ایک کو دو کر
توسن سے کہا ہاں سرِ کفار پہ ٹھوکر

(تلوار اور رہوار کی کارگذاری اور مددگاری ساتھ دیکھئے

تلوار تلی قتل پہ بیدادگروں کے کیا حصے برابر کئے اُن بدگہروں کے
اک بال کا تھا فرق نہ ٹکڑوں میں سروں کے مرکب نے پراگندہ کئے ہوش پروں کے
مدت سے یہ تھا دانت لعینوں پہ لگائے
ابرو کی طرح نعل جبینوں پہ لگائے

تین مصرع اول کے تلوار کی کیفیت میں اور تین مصرع آخر کے رہوار کی جنگ میں
تصنیف فرمائے - اسپ حبیبؓ مدت سے لعینوں پہ دانت لگائے ہوئے تھا
اُن کی تاک میں تھا - کتنا عمدہ روزمرہ صرف فرمایا ہے - اور پھر ابرو - اور نعل
کی تشبیہ کیسی تازہ و کامل ہے -

تلوار لگانے میں حضرت حبیبؓ کے خمیدہ قد کی تصویر - اور فائدہ حرب

تھا ضرب کے عالم میں عجب حسن کا عالم اک سمت خم تیغ کا وہ بل وہ خم و چم
اور ایک طرف آپکا وہ قامت پر خم ہر موئے بدن جوہر شمشیر کا ہمدم
جس صف پہ چمکے - ساتھ چلی تیغ ولی کی
غل تھا کہ یہ شمشیر دو پیکر ہے علی کی
تیار کس آہن سے یہ شمشیر ہوئی تھی اعجاز نما الفتِ شبیر ہوئی تھی -

کیا جنگ میں سیدھی کمر سر ہوئی تھی   اللہ کی قدرت سے کمان تیر ہوئی تھی

اس ڈھلنے سے پیر دنکو تنتے نہیں دیکھا

نیزہ کسی تلوار کو بنتے نہیں دیکھا

اب بخیال طول بہت بند چھوڑ دیئے صرف ایک بند نیزہ کی لڑائی میں عرض کروں جو مجھے بہت پسند ہے اور جسمیں عجب کی چستی اور پھرتی دیکھائی ہے فن نیزہ بازی سے جو لوگ واقف ہیں انکے دل اسکا کیفیہ تو سمجھیں گے

بڑھکر کسی برچھیت نے آنکھ ان پہ جو ڈالی   نیزہ لئے جھپٹا یہ حبیب شہ عالی۔

پتلی صفت نقطہ شک صاف اٹھالی   برچھوں فلک تو چلے کہ یہ چھپ کی تھی نرالی

اللہ ری صفا آنکھ نے دیکھی نہ جھلک بھی

پتلی تو سناں لے گئی جھپکی نہ پلک بھی۔

اب چند بند جلیل القدر صحابی جناب رسالت مآب کی شہادت کے بھی لکھتا ہوں جس سے آپ اندازہ فرمائینگے کہ رزم میں مرزا صاحب مرحوم کا قلم جو سیف کا کام دیتا تھا وہی بزم میں نشتر و خنجر کا کام دیتا ہے مجلس عزا میں ان بندوں کے پڑھنے سے اکثر اہل مجلس کو بیتاب ہوتے دیکھا گیا ہے۔ یہ قدرتی اثر ہے۔

ہر حملے میں تھا ابن مظاہر کا یہ عنوان   شمشیر بکف آتے تھے پیش شہ ذی شان

سب زخم دکھا کر انہیں کہتے تھے میں قربان   آقا میرے راضی ہوئے فرماتے تھے وہ ہاں

پڑتے تھے جنگ کی صدا یاں سے پلٹ کر

ہمکو نہیں خوش کرتے ہو سینے سے لپٹ کر

تھی بار سوم آہ کہ رن کو جو سدھارے   برچھی لگی گھوڑے سے گرے ضعف کے مارے

دم ابکی جو آنے میں ہوئی شاہ پکارے   عباس حبیب ابن مظاہر گئے مارے

فدیہ میرا بیکس ہے اور آوارہ وطن ہے   منقطع

یاں اسکی نہ بیٹی ہے نہ ماں ہے نہ بہن ہے

عباس نے یہ سنکے کیا چاک گریبان   اور گیسوؤں کو کھول دیئے اکبر نے پریشان

یہ قافلہ ماتم کا گیا لیکے وہ سلطان   پھر لاش پہ کب آئے کہ جب ہونٹوں پہ تھی جاں

اشک آنکھوں سے جاری ہوئے اور آہ جگر سے
غمخوار سے یوں لپٹے پدر جیسے پسر سے

ملتے تھے دہن سے دہن اور کہتے تھے بولو۔ اے میرے اویس قرنی آنکھ تو کھولو
دم توڑو پھر۔ ہمسے بغلگیر تو ہو لو رخصت کرو باہیں گلے میں ڈال کے رو لو
آخر ہمیں صدمہ دیا دوری کے الم سے
بچپن ہی میں اسی واسطے تم کہتے تھے ہم سے

لکھا ہے کہ پہونچی یہ صدا کان میں جس آن بیساختہ بولے میں بس آواز کے قربان
مولا در دولت کی زیارت کا ہے ارمان لے چلئے کہ مشکل مری ہوگی وہیں آسان
حسرت ہے کہ رخصت ہوں میں ناموس نبی سے
کچھ بیٹے کے حق میں بھی کہوں بنت علی سے

تب شاہ نے آغوش میں لاشے کو اٹھایا عباس دلاور نے علم کا کیا سایہ ۔
وہ بولا کہ بس بچپن بہت گود میں پایا شہ نے کہا بھائی مرا حیدر کا ہے جایا
عزت نہ کریں تیری تو کیا خلق کہے گی
وہ لاش ہماری ہے کہ بے سایہ رہیگی

پہلے مصرع میں تب اور چوتھے مصرع میں جایا۔ یہ دو لفظ ہندی کے ایسے ہیں جو بعض شاعر اب بھی باندھتے ہیں بجائے تب کے اس وقت لاتے ہیں حالانکہ روزمرہ میں تب ہی بولا جاتا ہے۔ ایک طرف تو یہ متروکات گھٹتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف یہ آواز بلند ہیں کہ جہانتک ہوسکے اردو ہندی کے الفاظ زیادہ لاؤ فارسی۔ عربی کی الفاظ کم کرو۔ ایسی صورت میں وسعت زبان مد نظر رکھنے والا شاعر۔ اور واقعات کا ناظم اسی کو پسند کریگا کہ ایسے ایسے الفاظ چاہے غزل سے نکالدے مگر مرثیہ وغیرہ میں ضرور لائیگا پھر

اب سنئے۔ حبیب ابن مظاہر کی کیفیت وصیت

لاش اسکی در خیمہ پہ لاکر جو لٹائی ۔ ہمشکل پیمبر نے عبا اپنی بچھائی
اوجلی سی ہوا لاش پہ زینب نے اوڑھائی اک حشر تھا جو بولے شہ کرب و بلائی
سیدانیو روؤ نہ ابھی ان کے قلق میں

کچھ کہنا ہے زینب سے انہیں بیٹے کے حق میں

زینب نے کہا کہ کیے بہر و سے یہ سنون آہ　　تم مرگ پہ طیار - ہیں تشویش میں یا شاہ
بولے یہ حبیب آپکی ہمت سے ہوں آگاہ　　بیٹے کی یتیمی کا مجھے غم نہیں واللہ
فاقہ مرے بعد بس یہ ہو یا رنج و بلا ہو
یہ سب ہو مگر دوستیٔ آل عبا ہو -

آقا کو مرے آج ہے سر اپنا کٹانا -　　سر تنگے ضرور آپکو ہے کوفہ میں جانا
رستہ میں کہیں دلن میرے بیٹے کو جو پانا　　جس نیزے پہ سر شہ کا ہو گرد اوسکے پھرانا
اور کہیو کہ بابا ترا یہ کہکے موا ہے
وہ کیجیو جو باپ سے مقتل میں ہوا ہے

پھر پڑھنے لگا کلمۂ طیب وہ نمازی　　بخشا ارم اللہ نے کی بندہ نوازی
رو رو کے بیان کرنے لگے شاہ حجازی　　ہے ہے مرا زاہد مرا عابد میرا نمازی
ایسے بھی وفادار نہ ہونگے نہ ہوئے ہین
جن سے مرے جینے کا مزا تھا وہ موئے ہین

ہے ہے مرا غمخوار حبیب ابن مظاہر　　سید کا طرفدار حبیب ابن مظاہر
بچپن کا مرا یار حبیب ابن مظاہر　　بیکس کا مددگار حبیب ابن مظاہر -
واللہ یہ اک شیر تھا شیران خدا سے
آفت میں بچاتا تھا ہمیں اہل جفا سے

اختصار مضامین کی شان دیکھیے

لکھا ہے کہ فارغ ہوئے رونے سے جو سرور　　لاشے کو کہا لاکے شہیدونکے برابر
تھا لشکر ظالم میں حصین ایک ستمگر -　　اوس لاشہ بے جان کا ظلم اوسنے کیا سر
ہر منتظر وقت وہ ظالم رہا رن میں
یاں تک کہ جدا ہی ہوئی شہ کے سر تن میں

(دیکھیے ایک حال میں دوسرے حال کا پیوند کس خوبی سے لگاتے ہیں)

سر کٹتے ہی لٹنے لگی شبیر کی سرکار — امداد کرے کون نہ اکبر نہ علمدار
لکھا ہے لٹی جا کے گھڑی عترت اطہار — سر ننگے سراپردوں سے نکل آئے سب اکبار

نیزوں پہ رکھے ظالموں نے سر شہدا کے
کوفہ کو چلے بیبیوں کو اونٹوں پہ بٹھا کے

وہ ابن مظاہر کا عدو بھی ہوا ہمراہ — پہ گردن رہوار میں باندھا تھا وہ سر آہ
کوفہ میں ہوا داخلہ سادات کا ناگاہ — اور آئے محلہ میں یمن کے حرم شاہ

انبوہ تھے ہر سمت عرب اور عجم کے
رک جاتے تھے ایک ایک قدم اونٹ حرم کے

واقعہ ذیل کی تصویر دیکھئے۔ اور ایمان سے کہئے اس سے بہتر کوئی شاعر اردو (شعر میں بھی تصویر کھینچ سکتا ہے

روتا ہے یتیموں کی طرح با سر عریاں — بچہ ڈھونڈھتا پھرتا ہے ہر ایک سمت کو نالاں

جو پوچھتا ہے چہرے پہ کیوں خاک ملی ہے
کہتا ہے چھری حلق پہ سیّد کے چلی ہے

بابا بھی میرے پاس تھے آقا کے سدھارے — کیا جانے پہنچے یا گئے کوثر کے کنارے
اب ماں کے سوا کوئی نہیں سر پہ ہمارے — زینبؑ نے ندا دی کوئی اس پہ مجھے وارے

مظلوم کا بیکس کا مسافر کا پسر ہے
لوگو۔ یہ حبیب ابن مظاہر کا پسر ہے

مقتل میں وہاں ابن مظاہر کا ہے لاشا — یاں پوچھتا پھرتا ہے خبر باپ کی بیٹا
کیوں لوگو۔ اگر قید نہ کر لیں اسے اعدا — بن باپ کے بچے کو۔ میں دوں باپ کا پرسا

حیدرؑ کی ضمانت اسے۔ ڈر مجھکو بڑا ہے
یہ روتا ہے شبیر کو اور شمر کھڑا ہے

اب دوسرے واقعہ کی دوسری تصویر دیکھئے۔ سر شہدا کے آ رہے ہیں۔

ناگاہ کٹے سر ہوئے پیاسوں کے نمودار — ساتھ ان کے حسینؑ ایک طرف گھوڑے پہ اسوار
سر ابن مظاہر کا تھا بر گردن رہوار — تکتے ہی تڑپنے لگیں پھر زینب ناچار

چلائیں کہ توفیق کسی کو یہ خدا دے
ہے ہے کوئی اس بچہ کے پاس وقت ہٹادے

دیکھئے خاندان رسالت کے مستورات کی رحمدلی کس خوبی سے بیان فرمائی ہے کہ جناب زینب نے فرمایا کہ خدا کسی کو ایسی توفیق دے جو اس بچہ کو اس وقت ہٹادے کہ اپنے باپ کا سر دیکھکر اسکو صدمہ ہوگا اور ان الفاظ میں مجبوری اور بیکسی کسقدر برستی ہے کہ کسی کو خدا توفیق دے یعنے ہم تو اسیر ہیں ہٹا نہیں سکتے اور کوئی ہٹادے اب اور تصویر غم دیکھئے ۔

اُس بچہ نے سر ابن مظاہر کا جو دیکھا ۔ پہلے تو کہا دوڑ کے ہے ہے مرے بابا ۔
پر راہ میں گر گر کے وہ سر ٹکڑے نہ تھا ایسا نزدیک جو آیا وہ پسر شک اُسے گذرا
جُھک جُھک کے لگا دیکھنے وہ سر کو پدر کے
بالائے زمیں آنسو ٹپکنے لگے سر کے

مرزا صاحب مرحوم ایک مسلمان عالم ہیں انکی نظر قرآن شریف کی اُس مضمون آیت پر ہے کہ شہیدان راہ خدا زندہ ہیں اور درگاہ خدا سے رزق پاتے ہیں ۔ علاوہ اسکے باپ بیٹے کی محبت اس حال میں جب سر حبیب کو پسر حبیب نے دیکھا ہوگا ۔ اوسکو یقین ہوا ہوگا کہ سر کے آنسو ٹپک رہے ہیں جس شخص نے ایسا کوئی واقعہ دیکھا ہوگا وہ میرے قول کی تائید کریگا ۔ اب سنئے جب اس بچہ کو خواہ درحقیقت خواہ بادی النظر میں (اس شبہ کے بعد کہ یہ میرے باپ کا سر ہے) یہ نظر آنے لگا کہ ٹپ ٹپ آنسو سر کے ٹپک رہے ہیں ۔ تو وہ بچہ اوس سر سے مخاطب ہوکر کیا کہتا ہے ۔

رو کر کہا اے سر مجھے نام اپنا بتا تو کیوں پتلیاں آنکھوں کی تیری پھرتی ہیں سر سے
روتا ہے کہ کھلے دیکھلے ان بیبیوں کے گیسو یا یہ ہی یتیمی پہ بہاتا ہے تو آنسو
بیجا نہ یہ رونا نہ تڑپنا مرے جی کا
تو سر ہے میرے باپ کا یا اور کسی کا

یہ بچہ دیکھتا ہے کہ گھوڑے کی گردن میں اس سر کو باندھا ہے ۔ اور اس سبب سے وہ سر چند مرتبہ گر گر کے شکستہ ہوگیا ہے ایک تو ضعف آدمی کا سر دوسرے صدمہ پر صدمہ زندگی میں اور بعد مرگ اسکو پہنچے سر کی ہیئت میں ایسا فرق آگیا ہے کہ وہ بچہ اب تک قابل یقین اپنے باپ کے سر کو نہ پہچان سکا از

ازبسکہ شہادت امام حسینؑ کی خبر کوفہ میں عام تھی۔ اس لئے اب اس لڑکی کو یہ خیال ہوا۔ کہ کہیں یہ سر میرے آقا امام حسینؑ کا نہ ہو۔ اب اس سر شکستہ سے یہ شکستہ دل یتیم پوچھتا ہے۔

اے سر تجھے کیوں گردن رہوار میں باندھا
کیا نیزے کے قابل بھی نہ سمجھے تجھے اعدا
شبیرؑ کا سر ہو تو بجا لاؤں میں مجرا
زینبؑ نے ندا دی۔ کہیں مردہ بھی ہے بولا

وہ نیزہ پر اسوار سکینہ کا پدر ہے
بن باپ کے بچے۔ یہ ترے باپ کا سر ہے

ایک دو لفظ کے موقعہ پر رکھدینے سے مشاقی اور اوستادی کی شان ظاہر ہو جاتی ہے۔ بن باپ کے بچہ۔ یہ لفظ ایسا موثر ہے کہ دل کو پاش پاش کئے دیتا ہے۔ یہی وہ الفاظ ہیں جو دوسرے مرثیہ گویوں کو انیس و دبیر کے سوا نہیں آتے یا کم آتے ہیں۔ اور انہیں کو عرف و عام میں نشتر اور خنجر کہتے ہیں۔ اور جب مرثیہ گو ایسے الفاظ لانے پر قادر ہو جاتا ہے اس وقت اسکے کلام میں پختگی آجاتی ہے اور اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بچہ نے یہ بھی افسوس کیا تھا۔ کہ افسوس نیزہ پر بھی اس سر کو نہ رکھا اور گھوڑے کی گردن میں باندھا۔ اسلئے کہ دوسرے سروں کو یہ نیزہ پر دیکھ رہا تھا۔ اس خیال ملال کے رفع کرنے کے واسطے (گویا) جناب زینبؑ تسکین دیتی ہیں

نیزہ کی سواری جو نہ پائی تو نہ پائی
ممتاز ہے عرش میں حضرت کے فدائی
جلتی ترے گھر سے کو میں غم کی ستائی
پر جاتی ہوں بندی میں پیمبرؐ کی دہائی

جیتی ہوئی گر شام سے بانو گئی پیارے
رنڈسالہ تری ماں کو پہناوےگی پیارے

اب جب اس لڑکی کو یقین ہو گیا کہ یہ میرے باپ کا سر ہے۔ تو اسوقت غصہ و اشتعال میں دیکھئے کیا جرأت کرتا ہے۔ غیظ و غضب کی کھینچی ہوئی تصویریں ہیں

یہ سنتے ہی خون آنکھوں میں اسکے اتر آیا
ایک سنگ اٹھا کر سر ظالم پہ لگایا۔
اور باپ کا سر گھوڑے سے گرتے میں چھپایا۔
عابدؑ کو سکینہؑ نے مچلکر یہ سنایا۔

مجھکو بھی یونہیں قتل کرو کعبے سے ملادو
لیجیئے ابھی یہ بہتان مجھے سر باپ کا لادو

بھیا کا لفظ مولوی امجد علی صاحب مرحوم نے آجکل کے متروکات میں تحریر فرمایا ہے مگر میرے خیال میں یہ لفظ لکھنؤ اور جابجا ممالک ہند میں بولا بھی جاتا ہے اور شعرا بھی باندھتے ہیں غزل گو شاعروں کو اس لفظ سے کام کم پڑتا ہے یہ دوسری بات ہے بہرحال یہ لفظ میری خیال میں بہت پیارا ہے اور کسی مستند شاعر نے۔ بالخصوص مرثیہ گو شاعروں نے ترک نہیں کیا ہے البتہ اسکے ساتھ کا بھینا کا لفظ بہن کے معنی پر متروک سمجھا ہے۔ اب سنی حضرت سکینہ اپنی بیکسی و بے کسی کا حال جو بیان فرماتے ہیں۔

ہم کوئی نہیں عزیر سر شکے ہیں مختار ۔ سر بار چڑھاتے ہیں اسے نیزے پہ خونخوار۔
کیا شاد ہے سر باپ کا لیکر یہ خوش اطوار ۔ ہم دیکھ بھی سکتے نہیں ایسے ہیں گنہگار۔

یا تو مجھے ظالم سر شاہ شہدا دے
یا میرا بھی سر کاٹ کے نیزہ پہ چڑھا دے

غضب کی حسرت اور مظلومی برستی ہے کہ یہ شاہزادی (سکینہ) فرماتی ہیں کہ یا تو مجھے میرے باپ کا ظالم سر دیدیں یا میرا بھی سر کاٹکر نیزے پر چڑھا دیں۔

ناگاہ سر آسن بچے سے لینے لگے بدذات ۔ زلفوں کو کوئی کھینچتا تھا اور کوئی ہات
بچپن کی طرح لوٹتا پھرتا تھا وہ ہیہات ۔ اور پھر تک تک دیکھتا تھا جانب سادات

کاہیکو یہ ایذائیں عزیزوں نے سہی تھیں
ان ٹوٹوں کی بند ہے ہاتھوں سے سپر رہی تھیں

اس بچہ کا مدد کیواسطے سادات کیطرف دیکھنا۔ اور نمازیوں کے مددگار آل محمد کا مجبور ہونا اور بندھے ہوئے ہاتھوں سے سر ڈھکا ہٹنا غضب کا مضمون ہے جسکو سنکر دل پاش پاش ہو جاتے ہیں یہ مضامین ہیں جنکو دیکھکر اور سنکر اہل کمال مرزا صاحب کے کمال یکتا ہونے کا اعتراف کرتے ہیں

باب ۱۱ - از بیر ابن قین بجلی

واضح ہو کہ اصحاب امام حسین میں سے حبیب ابن مظاہر ایک ممتاز صحابی تھے کہ لیا ہر (بائیں جانب) لشکر کے علمدار تھے۔ اور داہنی جانب (میمنہ) لشکر کے علمدار (سردار) زہیر ابن

تابعین بھی تھے۔ جو صحابی جناب رسول خدا صلعم تو نہ تھے مگر بعض صحابۂ کرام و عظام سلمان فارسی وغیرہ کی صحبتوں میں رہ چکے تھے۔ اہل بیت کے مرتبہ کی شناسا تھے۔ امام حسینؑ کا اور انکا راستہ میں ساتھ ہوگیا تھا جبکہ زہیر حج سے فارغ ہو کر اپنے گھر کو آرہے تھے۔ پھر انہوں نے مرتے مرتے فرزند رسول کا ساتھ نہیں چھوڑا ان کے حال کا بھی مرثیہ ۱۴۲ بند کا مرزا صاحب نے فرمایا۔ طول ملانع ہے۔ اس لئے چند بند لکھتا ہوں دیکھئے مطلع کس شان کا ہے

مطلع

جب نقش کن سے زینت لوحِ لقا ہوئی فردِ وفا پہ مُہر شہ کربلا ہوئی۔
ہمت رسالہ شہدا کو عطا ہوئی اس ابتدا کی رنگین عجب انتہا ہوئی
اسمائے پاک پنجتن اک اک کو ورد تھے
پیدا ہوئے مصحفِ ناطق کے گرد تھے

اللہ اللہ کہاں سے مرثیہ شروع کیا ہے یہ دماغ یہ قوت تخیل یہ بلند پروازی یہ آمد یہ محبت کے بھرے ہوئے الفاظ یہ وفاداری کے فوٹو۔ دکھانا الحق اسی صاحب کمال کا حصہ ہے۔ چوتھا مصرع کس شان کا ہے اور کسقدر سچا جسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ع پیدا ہوئے تھے مصحف ناطق کے گرد تھے ہیں۔ وفادار اصحاب حسین کی مدح میں اوپر بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ یہاں مختصر ایک دو بند لکھتا ہوں۔ جن میں نئی طرز کلام نیا مضمون ہے

خوں کردیا سبیل رہ شاہ دین پناہ سر سے رواں ہوئے وہ تیغ رواں پہ واہ
کیا بارگاہ قرب خدا کی نکالی راہ کیا با خدا گئے سوئے جنت خدا گواہ
تن سر سے اور سر ہوئے شمشیر سے جدا
پیدل ہوئے نہ حضرت شبیر سے جدا

اپنا خون۔ راہ مولا میں سبیل کر دیا۔ سر سے دم شمشیر پر رواں ہوئے قرب خدا کی بارگاہ کی کیا راہ نکالی۔ معمولی باتیں ہیں۔ مگر اور دو تو نہیں سوجھتیں۔ تن سر سے۔ اور سر ہوئے شمشیر سے جدا۔ کتنا سلیس مصرعہ ہے۔ کہ نثر معلوم ہوتا ہے۔ اور چوتھا مصرعہ تو عجب دلکش ہے۔ ع پیدل ہوئے نہ حضرت

شیر سے جدا - واضح ہو کہ اُس زمانہ میں عام طور پر اس کا خیال نہ تھا - نون نافیہ فعل منہی کے قبل آئے یا بعد آئے - مرثیہ گو اور واقعہ نگار شعراء اب بھی خیال نہیں فرماتے - مگر بعض غزل گو شعراء نے وجوباً نون نافیہ بعد فعل للنا ترک کر دیا ہے - اور مختصر غزل میں ایسی پابندیوں سے چنداں حرج بھی نہیں ہے مگر مرثیے یا اور کسی واقعہ کی نظم میں ایسی پابندی فضول ہے - اب ایک حدیث سنیے اس موقعہ پر جناب امام رضا سے بیان فرماتے ہیں جس میں امام نے شہدائے کربلا کو شہدائے سابقین پر (دلیل او برہان بیان فرما کر) تفضیل و ترجیح دی ہے -

فرماتے ہیں امام رضا شاہ اتقیا — گو صاحب شرف ہیں شہیدان انبیا
میزان عدل و داد میں پر نزد کبریا — رتبے میں ہیں گراں یہ شہیدان بے ریا
کیا کیا شہید غزوۂ بدر و حنین ہیں
افضل سبھوں سے پر رفقائے حسین ہیں

برتر جو ہیں یہ سب شہدائے تو وجہہ کیا — آگے ہوئے شہید جو ہمراہ انبیا
آب و غذا نصیب تھی اونکو دم غزا — تھے بہ غسل و دفن قریب اونکے اقربا
کفار کی شکست و ہزیمت کا ذوق تھا
دل کو حصول مال غنیمت کا شوق تھا

رونے کی جا ہے - حال شہیدان کربلا — مطلب نہ فتح سے نہ غنیمت سے مدعا
گھر تھا بچی زن و فرزند و اقربا — مرنے کا بھی نہ تھا کوئی وارث بجز خدا
روشن چراغ الفت خالص یہ کر گئے
پیاسے گئے ساتھ پیاسے لڑے پیاسے مر گئے

(روایت شروع)

جب شاہ کو خطوط طلب آئے یکقلم — پیمان خط شکستہ سے اک اک میں تھے رقم
رخصت ہوئے ضریح نبیؐ سے شہ امم — پروانہ وار ہم سفر آکر ہوئے بہم
کوئی سفر سے ساتھ ہوا کوئی راہ سے

اور سب نے راہ خلد کی لی قتل گاہ سے

دوسرے مصرعہ کے دو معنے ہیں ایک معنے تو ظاہر ہیں کہ خط شکستہ۔ یعنے گھسیٹ خط میں عہد و پیمان کو کوفیوں نے لکھا تھا۔ دوسرے یہ کہ خط شکستہ سے پیمان و عہد تو تحریر کیا تھا۔ جس سے اشارہ یہ ہے۔ کہ یہ عہد و پیمان مندرجہ خطوط شکستہ ہوں گے۔ باقی نہ رہینگے

ہو وصف زمرۂ شہدا یہ مجال کیا
بس اک زہیر قین کا لکھتا ہوں ماجرا
جو بعد حج حسینؑ سے راہ میں ملا
کیا سیدھا آیا گھر سے خدا کے سوئے خدا
پروانہ ساں طواف چراغ حرم کیا
آکے یاں میں ثواب دو حج کا بہم کیا

دیکھئے بات میں سے بات نکالنے کے طریقے ہیں یہ معمولی باتیں ہیں۔ جن کو ہر شخص جانتا ہے۔ مگر بیان کرنے کا مادہ جس میں ظاہر ہوتا ہے وہی شاعر بیان کرتا ہے۔ ع کیا سیدھا آیا گھر سے خدا کے سوئے خدا۔ کس قدر عمدہ اور واقعی مضمون ہے۔

خورشید کی طرح سے شہ آسمان سریر
ہر روز گرم رو تھے سوئے منزل آخر
لیکن تھے حج سے بعد زہیر ملک نظیر
راہی وطن کو تھا مع جمعیت کثیر
منزل میں اوج اختر امید کا ہوا
اک جا مقام ذرہ و خورشید کا ہوا

اول امام حسینؑ کو آفتاب سے تشبیہ دی تھی پھر یہ فرمایا۔ کہ ہر روز منزل اخیر کی جانب گرم رو تھے۔ آخر کے مصرعوں میں زہیر قین و امام حسینؑ کا ایک جگہ خیمہ بپا کرنا بیان فرمانا منظور تھا۔ تو فرمایا۔ ع اک جا مقام ذرہ و خورشید کا ہوا۔ کتنی لطیف و بلیغ تلمیح ہے۔

اک خیمہ دیکھا عرش شبیہ مرتبہ میں فرد
ہیچ جس کا خیمۂ افلاک لاجورد
خورشید پیش قبہ زر ایک برگ زرد
نور طناب سے نفس گرم برق سرد

کیا چشمہ کی شکوہ ہے کیا آب و تاب ہے
فرشِ زمیں پہ عرشِ بریں کا جواب ہے

عجیب وغریب مضمون آفرین طبیعت ہے چوتھا مصرعہ لاجواب ہے کہ طناب سے نور سے نفس گرم برق بھی سرد ہے۔ چھٹا مصرعہ فرش زمین پہ عرش بریں کا جواب ہے۔ بظاہر معمولی معلوم ہوتا ہے۔ مگر فرشِ زمین اور عرشِ بریں ایسے ہم وزن لفظ لائے ہیں۔ کہ طبیعت سامع کی باغ باغ ہوجاتی ہے۔ اور ایک لفظ دوسرے کا جواب نظر آتا ہے

پھرتے ہیں گرد چشمہ جوانان سبز پوش — ہر جلوہ ان کے چہرۂ رنگین کا گل فروش
پوچھا یہ کسکا چشمہ ہے اصحاب ہوش — نزدیک کے اک رفیق یہ بولا بصد خروش
سجدہ کرائے زہیر توقف گناہ ہے
یہ بارگاہِ قبلۂ عالم پناہ ہے

سبز پوش جوانوں کے رنگین چہرہ کا ہر جلوہ گل فروش تھا۔ میرے خیال میں بالکل لطیف اور نیا مضمون ہے۔ زہیر کے پوچھنے پر ایک رفیق کا یہ کہنا کہ سجدہ کرائے زہیر توقف گناہ ہے۔ اسکی وجہ ثبوت کسقدر عمدہ ہے۔ کہ ع یہ بارگاہ قبلہ عالم پناہ ہے۔ اس لئے کہ سجدہ ہمیشہ قبلہ کیطرف کیا جاتا ہے

یہ اوس کا خیمہ ہے جو امیر کریم ہے
سکے ہیں جس کے آیۂ فتح عظیم ہے
شاہِ نجف کا اک یہی دُرِّ یتیم ہے
مختارِ کائنات غفور الرحیم ہے
فخرِ ملائکہ شرف جبرئیل ہے
یاقوت گوشوارۂ عرش جلیل ہے

بولا زہیر خیمہ ہمارا کرو جدا ۔ تجھکو خبر نہیں کہ مدینہ ہوا تباہ ۔
نامحرموں میں آئے نہ سادات کی صدا ۔ سیّد کو ظالموں نے وطن سے نکالا آہ
وقت دعا بس انکی صدا آشنا ہے خدا ۔ یہ گرم دھوپ جس میں ہرن ہوتے ہیں سیاہ
آداب آل فاطمہ سب کو یہ تھا سدا ۔ اور اس میں ناز پرور پیغمبر اللہ
وہ کون تھے کہ دل میں نہ کچھ خوف لاتے تھے ۔ سن لے کہ قافلے میں یہ ہے شور فاطمہ
آواز کیسی بلوے میں اونکو چھپاتے تھے ۔ فریاد بے چراغ ہوئی گور فاطمہ

*۱- عجیب بلیغ استعارہ ہے۔ کہ امام حسینؑ ایسے امیر ہیں۔ جنکے سکہ میں آیہ ذبح عظیم ہے۔ (وفدیناہ بذبح عظیم) اس آیت کی تفسیر جو بطریق اہل بیت منقول ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کی شان میں یہ آیت آئی ہے۔ درحقیقت حضرت اسمٰعیل کے ذبح سے اونہیں کا دکھ دمی۔ ولحمک لحمی مشہور و متواتر حدیث ہے۔

سو ذبح عظیم ہو سکتا ہے۔ جن کا خون وارث سید الانبیا محمد مصطفیٰ کا خون دوست ہے یا حسین

ہر کوچ و ہر مقام میں ہنگام صبح و شام
کرتا تھا جھک کے خیمۂ شبیر کو سلام
کہتا تھا روکے دور تو ہوں تم سے لا کلام
جب آپ یاد کیجئے موجود ہے غلام
کیا مشت خاک عرض کرے بڑھ کے نور سے
پاس ادب یہی ہے کہ مجرا ہو دور سے

واضح ہو کہ تیسرے مصرعہ میں تم اور چوتھے میں آپ۔ مصنف مرحوم لائے ہیں اس زمانے کے بعض شعرا اسکو ناپسند کر کے شتر گربہ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ تو۔ تم۔ آپ۔ یہ تین لفظ تین درجہ کے آدمیوں کے واسطے ہیں اس میں تم درمیان میں ہے۔ وہ تو اور آپ دونوں کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے شتر گربہ نہیں ہے۔ البتہ تو۔ اور آپ آئے تو شتر گربہ ہے ناسخ و آتش و غالب و ذوق وغیرہم کے زمانے میں سب شعرا۔ تم۔ اور آپ کے اجتماع کو جائیز سمجھتے تھے۔ کہ قریبا سب کے یہاں یہ ترکیب موجود ہے و دبیر مرحوم بھی اونہیں کے معاصر ہیں۔ اس لئے اسکو عیب نہیں سمجھتے۔ بند مذکورہ میں سلاست زبان۔ حسن بیان سے دست و گریبان ہے۔ ہر مصرعہ میں آمد کی شان ہے آورد کا نام نہیں۔ دور رہنے کی وجہ کس قدر معقول فرمائی ہے "پاس ادب یہی ہے کہ مجرا ہو دور سے۔ بظاہر یہ بات کھٹکتی تھی۔ کہ رسول اللہ کے نواسے سے ایک نیک مسلمان دور دور سے چلتا ہے۔ مگر اسکو تخییل و حسن تعلیل سے اچھا ہونا ثابت کر دیا۔ اسی کا نام شاعری ہے۔

کوشش سے اپنی ہوتا ہے ایمان کہیں حصول
تیری کشش ضرور ہے اے نائب رسول
اس کمترین کی بھی غلامی کرو قبول
آقا کی مہر چاہیے بندہ نہیں ملول
تبدیل کا ہے دخل تمہیں سرنوشت میں
دوزخ سے جسکو چاہو بلا لو بہشت میں

اک روز دونوں خیمے ہوئے متصل بپا — ناگہ امام نے علی اکبر سے یہ کہا
وہ سامنے جو خیمہ ہے اے میرے مہ لقا — اسمیں زہیر نام برادا دوست ہے مرا
جاؤ سلام شوق ہمارا سناؤ تم
اکبر ہمارے دوست کو ہم سے ملاؤ تم
کہیو تجھے مسافر زہرا بلاتا ہے — ہم گھر سے نکلے جاتے ہیں تو گھر کو جاتا ہے
گردوں چراغ آل پیمبر بجھاتا ہے — کہ وقت روز موت کا پروانہ آتا ہے
آتا نہیں تو بہر مددگاری حسینؑ
لے ولئے بہر غریبی و بے یاری حسینؑ

میں ہر جگہ سے مختصر کرتا جاتا ہوں۔ ہر چند پورا مرثیہ پڑھنے سے پورا حظ حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر طول ہوا جاتا ہے۔ اس لئے مجبور ہوں جو صاحب چاہیں اصل مرثیہ گیارہویں جلد دفتر ماتم میں دیکھیں۔

آراستہ زہیر نے واں کی تھی انجمن — فکر غذا کے چاشت میں تھے جمع ہموطن
دل باغ باغ غنچہ لب سب کے خندہ زن — مخلوط الطعام میں شیریں سخن۔
اور زوجۂ زہیر جو عفت شعار تھی

فانوس خیمہ میں وہ نہاں شمع وار تھی

وان - یاں کو اب بعض غزل گو شعراے حال نے وجوباً ترک کر دیا ہے - مرثیہ گو شعرا اس بنا پر اب تک کہتے ہیں کہ زبان زد ہے - وان - وہاں - یان - یہاں ہر لفظ دونوں طرح بولا جاتا ہے - اسلئے جہاں بے تکلف جو لفظ موزون ہو جائے وہی فصیح ہے - خیر - اب حضرت علی اکبر کی تشریف لانے کی تصویر دیکھیے یہ نقاش مضامیں کیسی کھینچتے ہیں

ناگاہ سمت خیمہ شہ سے اٹھا غبار — باطن میں اس غبار کے پر نور کردگار
مانند پیک رحمت حق آیا اک سوار — اترا قریب خیمہ چھپکر وہ نامدار
مخفی نسیم عطر عرق سے مہک گئی
خیمہ میں ایک نور کی بجلی چمک گئی

بڑھ بڑھ کے سب نے صلّ علیٰ کی یہ گفتگو — آئی ہے کس طرف سے رسول خدا کی بو
آواز اک غلام نے دی آکے روبرو — چل جلد شہزادی کو چلا ہے نہ خبر تو
گیسو میں دونوں کاندھوں کے اوپر پڑے ہوئے
دروازے پہ رسول خدا ہیں کھڑے ہوئے

ایک بند ذیل میں سراپاے حضرت علی اکبرؑ کی تعریف میں اوس غلام کی زبانی سنئے اور فرمایئے یہ مصرع ایجاز بیانی ہے - کہ اعجاز بیانی

چہرے سے داغ رشک سدا ہے ماہتاب — پنجہ ہے رشک پنجہ بیضاے آفتاب
خوشبو ہے وہ بدن میں کہ صدقہ ہو گلاب — شیریں ہے وہ زبان کہ ہو قند آب آب
قدرت کا ہے جمال - خدا کا جلال ہے
یوسف مثال ہے یہ خود بے مثال ہے

قدرت کا جمال - خدا کا جلال - بالکل اچھوتی بات ہے - سادہ ہیں یہ - یوسف مثال ہے - اور خود بے مثال ہے - یہ عجیب اور دل فریب مدح ہے - جس سے بہتر مدح مشکل ہے

پھر پیشوائی کو مع اصحاب وہ اٹھا — خم کاکل ہے ترجمۂ گیسوئے حلقہ دار
یوں مجرے کو جھکا کہ زمیں بوس بھی ہوا — دندان ہے سین سورۂ یٰسین آشکار
جس نے نظر کی چہرے پہ صلِ علےٰ کہا — خط گرد جلد روئے کتابی ہے ہالہ وار
سب کی زبان پہ اہلاً و سہلاً جدا جدا — یا گرد نامہ سورۂ یوسف سے ہمکنار
داخل جو وہ جوان ہوا خیمہ گاہ میں — قرآں سے ہے شرف میں مثال شبیہ راست
نقش قدم کیطرح بچھیں آنکھیں راہ میں — بولا زہیر ذالک لاریب فیہ راست

عرب جو شخص گھر میں آئے ۔۔ اُس سے اہلاً و سہلاً کہتے ہیں۔ جس سے مقصود یہ ہوتا ہے۔ کہ تم اپنے اہل و عیال یا آبادی میں آ گئے۔ اور زمین نرم میں تمہارا گذر ہوا۔ اور گھر تمہارے واسطے حاضر اور وسیع ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مثنوی من و سلوے کے صفحہ نمبر ۱۰۵ پر حاشیہ جناب مفتی صاحب اعلے اللہ مقامہ کا۔

مسند پہ بیٹھنے جو لگا [illegible] شاہ دین
تعظیم کے لئے کئی بالشت اوٹھی زمین
جان حسین بیچ میں اور گرد مومنین
گہہ وردِ مرحبا کبھی تسبیح آفریں
گہہ قلبُنا لدیک کا برپا خروش تھا
گہہ رُوحنا فداک کے نعرے کا جوش تھا

روحنا فداک۔ قلبنا لدیک (یعنے جان و دل تم پر فدا ہو) یہ کلمات اپنے پیر و مرشد سے عرب کہتے ہیں۔ جب وسکو دیکھتے ہیں۔

بولا زہیر حرم کے اکبر کے دست و پا — روشن غریب جانے کو تو آپ نے کیا۔
پر چاشت کہا ہے تو ہو احسان دوسرا — وہ روکے تو نے ہمکو تکلف ہے تم سے کیا
پر اس سفر میں بھوک ہے بھائی نہ پیاس ہے
صغرا کی یاد میں دل اکبر اداس ہے

چھوٹی ہے باباجان کی ہی آجکل غذا — کھینچا غذا سے اوسنے بھی ہاتھ اور یہ کہا
اب کہئے اس غلام نوازی کا ماجرا — فرمایا بیکسی و پریشانی و بلا
تمکو طلب کیا ہے حسینِ غریب نے
سید نے بیوطنی نے مصیبت نصیب نے

(صورت واقعہ ملاحظہ فرمایئے)

حرف طلب کو سنتے ہی دل ہاتھ سے گیا — عارض پہ ہاتھ رکھکے وہ کچھ سوچنے لگا۔
شوق بہشت نے تو کہا جا شتاب جا — حبِّ زن و پسر ہوئی زنجیر دست و پا
غم اپنی جان کا تھا نہ اسباب و مال کا
پر تھا قلق نباہی اہل و عیال کا

چلمن سے اسکی زوجہ نے دیکھا یہ ماجرا ۔ چلائی خیر تو ہے تو کس فکر میں گیا
بولا کہ یہ جوان حسینی ہے کہہ رہا ۔ چل اے جری حسین نے تجھکو طلب کیا
ردّ و قبول میں مجھے اندیشے آتے ہیں
کیا جانے حسین مجھے کیوں بلاتے ہیں

نام حسین سنکے وہ حیدر کی قدردان ۔ بولی حسین فاطمہ اسنے کہا کہ ہاں
یہ سنتے ہی جلال اسے آیا نا گہاں ۔ یہ رسم ہے زنان قریشی کے درمیاں
جو وقت اپنے مردونکو غیرت دلاتی ہیں
برقع اونہیں اوتار کے اپنا اوڑہاتی ہیں

ادہر وہ زن شہیر نے ہی پست ہی کیا ۔ بے ساختہ نکل پڑی پردہ سے ننگے پا
شوہر کے سر پہ ڈال کے برقع کو یہ کہا ۔ اے خاک تیری مردمی و غیرت و حیا
بالکل غلامی شہ مرداں بھلا دی آج
تلوار باندہنے کی بھی غیرت اٹھا دی آج

دیکھیے لفظوں میں جوش اور غیرت ایمان اور غصہ بھرا ہوا ہے ۔ یہ لطف شاعری ہے زبان کیسی سلیس ہے ۔ سبحان اللہ - آئندہ بندوں میں زیادہ جوش بھرا ہوا ہے ۔

حیدر کی دوستی کا تو اقرار دائما ۔ اور خدمت حسین سے انکار واہ وا
دریا ہے آب تیغ میں غیرت کے ڈوب جا ۔ ہیں فاطمہ کے لال پہ سو جان سے فدا
خاک سیاہ کردوں ابھی مشرقین کو
رستم تو دیکھے آنکھ اوٹھا کر حسین کو

لے کھول تو سلاح میں باندہونگی تن پہ اب ۔ ہیں خدمت حسین میں جاتی ہوں بے طلب
بنت فاطمہ کی لونڈی ہوں فضہ کی ہم نسب ۔ دیکھوں تو کون لڑتا ہے سید سے بے سبب
جب وقت جنگ نعرۂ یا فاطمہ کروں
سو لشکر یزید کا میں خاتمہ کروں

ررت خدا کی کل کا جو زادہ مجھے بلائے | لینے کو ہم شبیہ رسالت پناہ سے
ور تو مضائقہ کرے جانیں ملائے ہائے | تجھکو قسم ہے آج سے گر مجھکو منہ دکھائے

ایمان دیا بہشت دیا ۔ مال و زر دیا
احسان بھی پنجتن کا فراموش کر دیا

ردوسی رہ کی ان دو شعروں کی جوش کی بے حد تعریف کی جاتی ہے ۔ ز شیر شتر ردن و سوسمار عرب را بجائے رسید ست کار ۔ کہ ملک عجم را کنند آرزو ۔ فو بر تو اے چرخ گرداں تفو ۔ اب اس فردوسی ہند کے جوش کلام کو دیکھئے کہ لس عضب کا جوش ان بندوں میں پیرا ہوا ہے اور ہر قسم کا جوش ہے (۱) جوش یمان (۲) جوش محبت (۳) جوش ادائے احسان (۴) جوش جرات ۔ یہ خوبیاں ہیں جنکے سبب سے تمام ملک نے مرزا مرحوم کی تیغ زبان کا لوہا مانا ہے (آمدم برسر مطلب)

کہہ تو ہی فاقہ کرتے تھے کس کے لئے رسول
روزہ میں تیغ کہنا یہ اللہ کا نہ بھول
درّہ کجا و آہ کجا بازوے بتولؑ ۔
امت کے واسطے کیا بی بی نے سب قبول
نکلا نہیں حسینؑ بھی کچھ ملک لینے کو
جاتا ہے ہم سبوں کے لئے جان دینے کو

یہ سنکے بند بند میں اک رعشہ پڑ گیا | بولا زبیر دیکھتا تھا میں تو دل ترا
اے فاطمہ کی خادمہ خاص مرحبا | میں تو دعائیں کرتا تھا اس روز کی سدا

چھوڑوں اگر رکاب شہِ مشرقین کی
مجھ سے قسم لے مصحفِ روئے حسین کی

اکبر کے ساتھ ساتھ چلا پھر وہ باوفا   آئی ندا نجف سے میرے دوست مرحبا
روحِ بتول بولی کہ محسن ہوا مرا   ہاتف پکارا دیکھ ذرا اپنا مرتبا
ہمشکل مصطفےٰ تو تیرا اتباع سے ساتھ ہے
لبیک کہتی روحِ نبی تیرے ساتھ ہے

یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب مرحوم اپنے مرثیوں میں کہیں رواج ہند کے موافق تخییل فرماتے ہیں۔ اور کہیں رواج عرب کے موافق۔ چنانچہ آئندہ بند میں رواج عرب کے موافق زہیر کی ملاقات امام حسینؑ سے لکھی ہے۔

یاں منتظر کھڑے تھے شہنشاہ کربلا   ہنس کر کہا۔ تعال تعال اور یہ دی ندا
آیا امیر میمنۂ لشکرِ خدا   زینب پکاریں میری طرف سے کہو دعا
پہلے تو بھیجا سبط پیمبر نے بھائی کو
جب پاس آیا آپ گئے پیشوائی کو

سر کو زہیر نے قدم شہ پہ رکھ دیا   آقا نے جھک کے اپنے گلے سے لگا لیا
بولا زہیر اے پسرِ شیرِ کبریا   ہیں آج آپکو تھا کہ تم نے طلب کیا
کیا تم سے عشق ہے ہمیں کائنات کو
سر ننگے میں نے خواب میں دیکھا ہے آپکو

شہ بولے کس طرح وہ پکارا کہ میں فدا   اد جلا کفن گلے میں گریباں پھٹا ہوا
رو رو کے مجھ سے کہتے تھے پیغمبر خدا   جانا ہے کیوں نواسے سے میرے جدا جدا
محشر کے روز سب کی نجات اسکے ہاتھ ہے
جو جو ہیں اسکے ساتھ خدا انکے ساتھ ہے

درحقیقت ایسے ہی نیک بندوں کو زیارت حضور صلعم ہوتی ہے۔ جیسے زہیر تھے گویا خود حضور صلعم نے زہیر کو ہدایت فرمائی۔ کہ میرے فرزند حسین کا ساتھ د

پھر ایک گوشہ میں گئے مولا معہ زبیر — دکھلا دی بانو کو نہیں باغ جناں کی سیر
یاں سے کہا تو حال تھا فرطِ خوشی سے غیر — زوجہ نے پوچھا کیا ہے کہا خاتمہ بخیر
تو جا وطن کو مجھکو تو کوثر کی چاہ ہے
بی بی تیری وہ راہ ہے میری یہ راہ ہے

مجھکو تو شہ نے گلشن جنت کیا عطا — باغ اپنا حق مہر میں میں نے تجھے دیا
اسنے کہا کہ خوب یہ انصاف کی ہے جا — میں نے ہی بھیجا واں تجھے میرا ہی یہ صلہ
تو جائے خلد تھام کے آقا کے ہاتھ کو
پھر جاؤں میں ہی چھوڑ کے زینب کے ساتھ کو۔

مجھ کو سنا کے کہتا ہے باغ جناں ملا — جس نے تجھے دیا ہے وہ مجھکو نہ دیگا کیا
تو دوست ہے میں دوست نہیں اونکی کیوں بھلا — فضہ ہی ہے جو مانگوں تو جنت کرے عطا
لونڈی ہوں میں حسین کی گر تو غلام ہے
تیرا امام ہے تو مرا بھی امام ہے۔

بیچل تو شہ کے پاس پھر آئے بر انصیب — رخصت ہوا رفیقوں سے شبیر کا حبیب
سلطۂ اوسکے آئی مومنہ شبیر کے قریب — دامن پکڑ کے بولی کہ کہیو سیدِ غریب
فردوس کا زبیر کو رستہ بتا دیا۔
کیا میں نہ تھی کنیز جو دل سے بھلا دیا

ہے ہے پل صراط پر گذریگا مجھ پہ کیا
کاہیکو ہاتھ آئیگا دامن بتول کا
سید مرے تجھے قسم روح مصطفےٰ
لیلےٰ مجھے کنیز ہیں زینب ہیں ہیں فدا
سنتی ہوں میں سکینہ بہت تمکو پیاری ہے
کہدو اسی سے چلکے یہ لونڈی تمہاری ہے

وہ بولا آہ کہتے ہیں یہ شاہ بحر و بر — تب کان میں زہیر کے آقا نے کچھہ کہا
بہتر یہ ہے کہ زوجہ تری جائے اپنے گھر — زوجہ کی ہمت دیکھکے رویا وہ خوب سا
سیدانیوں کو پھرنا ہے بلوے میں ننگے سر — اندیشہ اوسکو گذرا کہ یہ ماجرا ہے کیا
کاہیکو یہ حقیر ہو ساتھ اُن کے دربدر — بولی خدا کے واسطے کہہ جلد کیا سنا
وہ بولی خیریت ہے ہیں اسیر بھی شاد ہوں — کہوئے ہیں میرے ہوش ترے شور و شین نے
کیا فاطمہ کی بیٹیوں سے کچھہ زیادہ ہوں — مقبول کی نہ میری کنیزی حسین نے

تب شاہ اُس کو خدمت زینب میں لے آئے — اور بعد چند منزلوں کے کربلا میں آئے
عاشور کو زہیر نے جوہر عجیب دکہائے — لے جنگ پہلے سینہ پہ اٹھارہ تیر کہائے
وقت نماز حکم جو بخشا امام نے
یہ رکن حفظ بن گیا قبلہ کے سامنے
شہ کو نماز ظہر کی پڑہواتا تھا زہیر — سینے پہ انکے عوض کہاتا تھا زہیر
تیروں کا رخ جو شہ کیطرف پاتا تھا زہیر — قبلہ نماز کی طرح سے پھر جاتا تھا زہیر
پڑہکر نماز شہ نے کہا کچھہ سوال کر

وہ بولا دیکھے سایۂ طوبیٰ نہال کر

ظہر کی نماز کے وقت سعید و زہیر یہ دو رفیق امام حسین کے سامنے استادہ رہے اور جو تیر آیا - ان جان نثاروں نے اپنے سینے پر لیا - نماز میں امام حسینؑ کو کوئی تیر نہیں لگا - اس موقعہ کی تشبیہ کو ملاحظہ فرمائیے - کہ قبلہ نما کیطرح سے پھر جاتا تھا زہیر - قبلہ نما کو کس قدر نماز سے مناسبت ہے - کہ قبلہ نما سامنے رکھ کر مسلمان ٹھیک قبلہ کیطرف نماز پڑھتے ہیں - یہ بلاغت ہے اور یہ لطف تشبیہ ہے - کہ جس شے سے تشبیہ دیجائے اُسکی طرف ذہن جلد منتقل ہو سکے اب دیکھیے مرزا صاحب اپنی طرز خاص کے موافق کس لطف اور کیسے اختصار سے رخصت زہیر صرف تین بندوں میں نظم فرماتے ہیں - زہیر ابن قین عرض کرتے ہیں -

سید نہ قتل ہوئے میرے آگے بے گناہ | آباد تمکو چھوڑ کے جنت کی لو میں راہ
شہ نے جو دی رضا تو چلا سوئے خیمہ گاہ | در پر بلا کے زوجہ کو بولا باشک و آہ
سر نذر دینے جاتا ہوں زہرا کے لال کو
تسلیم میری کہدے پیمبر کی آل کو

رخصت کو آئے ڈیوڑھی پہ سب آل مصطفےٰ | زینب بلائیں لیتی تھیں اور دیتی تھیں دعا
فضہ جبیں پہ ملتی تھی لے لیکے خاک پا | فرماتے تھے اکبر و عباس مرحبا
یاں نعرے الوداع کے ہر سمت ہوتے تھے
اصغر بھی اوسکے واسطے جھولے میں روتے تھے

زوجہ پکاری مجھکو وصیت تو کرتا جا | بولا رسول زادیوں سے کیجیو وفا
گرجان کر حقیر نہ چھینیں تیری ردا | زینب کو تو اوڑھائیو بلوے میں جا بجا
بانو کے ساتھ سیدِ والا کو روئیو
مجھکو نہ روئیو میرے آقا کو روئیو

یہاں سے پھر کچھ بند چھوڑ کر چند بند سراپا اور لڑائی و بین کی عرض کردوں -

ہے قصد اہلِ فہم سے اب داد چاہیئے | داد ان سے اور حسینؑ سے امداد چاہیئے
ہر مرثیہ میں صنعتِ ایجاد چاہیئے | اور نورِ عینِ فاطمہ کا صاد چاہیئے

جب یا علیؑ مدد ۔ میں قلم سے رقم کروں
مضمون غیب مثلِ الف بے رقم کروں

کیا حسنِ خط و خال کی کوئی ثنا کرے | رخ دیکھے اور درود و شمشہ پڑھا کرے
تنہا قمر مقابلہ دو رخ کا کیا کرے | خورشید سادہ لوح ہے گر سامنا کرے

صاد و ق مثالِ شمس و قمر کی نہ آئی نہ
کیا شیشہ ہے تو دیکھو ۔ جو ہر رو ہو آئینہ

(دندان و لب کی تعریف)

دندان و لب کی سب نے ثنا کی ہزار ہا | پر ہم نے اس حساب کا اب خاتمہ کیا
دو حرف لفظِ لب میں ہیں اک لام ایک با | ہوتے ہیں بتیس لام کے ۳۰ دو بے کے واہ وا

دندان کے اس رقم سے عدد آشکار ہیں
اپنے گہر امانتِ پروردگار ہیں*

یعنی بتیس دانت ہیں کہ جس قدر اعداد لب کے ہیں۔
مرزا مرحوم اس موقعہ پر بھی ایک مطلع کہہ گئے ہیں۔ کہ ذاکر مجلس مختصر میں رجز سے مرثیہ شروع کر سکتا ہے۔

مطلع

جب رزم گاہ میں معرکہ آرا ہوا زہیر
تنہا مقابلِ صفِ اعدا ہوا زہیر
مشتاقِ خلد و کوثر و طوبےٰ ہوا زہیر
اور یوں رجز کے ذکر میں گویا ہوا زہیر
یارو میں جاں نثارِ شہِ مشرقین ہوں
شبیر کا حبیب زہیر بن قین ہوں

میں ہوں غلام خسروِ اقلیم لافتا
میں ہوں معین و یاورِ ناموسِ مصطفا
میں ہوں شہید و غازی و جانباز و باوفا
اوس سے بزورِ تیغ تمھیں کرتا ہوں جدا
احمد کے دو نواسوں میں جو اک حسین ہے
خالق کا پیارا فاطمہ کا نور عین ہے

(جناب زہیر کے رجز کے دو بند سنئے)

پہونچا جو اس حشم سے یہ نزدیک شقیا — گھوڑا لگایا کاوے پہ نیزہ ہلا ہلا
پڑھنے لگا رجز کہ لسپروں میں تین کا — اوس سے بزور تیغ تمھیں کرتا ہوں جدا
احمد کے دو نواسوں میں جو اک حسین ہے
خالق کا پیارا فاطمہ کا نور عین ہے

لو اب بھی کچھ گیا نہیں نادم ہو باز آؤ — توبہ کرو حسین سے دست جفا اٹھاؤ
ڈرتا ہوں میں زمین میں نہ جیتے کہیں سماؤ — تم امت سلف کی طرح مسخ ہو نہ جاؤ
فاقے سے خاک پر شہ دنیا و دیں گرے
ڈرتا ہوں میں کہ تم پہ نہ بجلی کہیں گرے

(جنگ کے دو چار بند)

مغروروں نے سنی بھی نہ مومن کی ایک بات — اور مورچے بڑھا کے بڑھے لگے بد صفات
غازی نے پڑھ کے ناد علی پھر اٹھا یہ ہات — اور تیغ لی نیام سے قہر و غضب کے سات
پھر لاکھ پہ گیا نہ یہ سعی سے اک بھی دو چار تھا
عکس اسکا ہفت عینک گردوں کے پار تھا

واضح ہو کہ ہاتھ ساٹھ ساٹھ ہاتھ کی تحریریں زمانہ سابق میں کچھ امتیاز

نہ تھا بعض ہاتھ - بعض ہات لکہتے تھے - اور اب بھی دونوں طرح لکہا جاتا
ہے - سات ہفت کے معنی پر اور نیز سات ہمراہ کی معنی پر بھی لکھا جاتا تھا
اور ساتھ (مع الہا) بھی لکہا جاتا تہا - اب بعض آدمی سات - ہفتنا کے
معنی پر بغیر ہا کے اور ساتھ ہمراہ کے معنی پر مع الہا لکہتے ہیں - مگر ہات اب تک
دونوں طرح سے لکہا جاتا ہے - لطیفہ ایک جلسہ میں مجھسے کسی شخص نے پوچھا
ہات کے آخر میں ہاے ہوز لکہنا جایز ہے یا نہیں - میں نے جواب دیا - دونوں
طرح لکہا جاتا ہے - دونوں طرح درست ہے سائل نے کہا - دونوں طرح
کس دلیل سے درست ہے میں نے کہا دو ہات ہیں اسلیئے لوگ دونوں طرح
لکہتے ہیں - خیر اب دو چار ہات تلوار کے دیکہیے - یعنے دو چار بند تلوار کی
مدح میں سنیئے -

گر کوئی تیغ پڑی تہی اپنی تیغ گرم پر | تو جو سر اوسکے اوڑتے تہے یوں جسطرح شرر
دندلے صاف تیغ بن گئے تہے سر سکر | آہن بہی مگر سنگ زر تا تہا دندان نکال کر
دندانہ تیغ نے کیا پیدا تو کیا کیا
زور علاوہ خندہ دندان نما کیا -

اللہ رے تیغ یعنی تہی محصول سینہ پہ | تیغوں سے آب تیروں سے بلکہ کمان سے زہ
موئے کمر کہو تہی تہی ناف کی گرہ | سر سے تو خود لیتی تہی اور جسم سے زرہ
دستے بہی بنادیا ہر اک نیام کو
تیرے کی بہی گرہ میں نہ تہا مال نام کو

یوں تیغ کہاتی تہی بدن فوج اشقیا | جیسے گرسنہ قحط کا پائے کہیں غذا
تارِ نفس پہ شبہ جو ہوتا تہا بال کا | اسکو خمیر زیست سے کردیتی تہی جدا
تہمت ہے یہ غذائے بجز کب وہ کہاتی تہی
کہاتی تہی آہ ہی اونہیں کو جراحت کہلاتی تہی
تہمائے قتل بکسہ و بیت اشقیا کئے | زہرا نے لاکہ خلعت تحسین عطا کئے

شہ نے بلند نعرہ صد مرحبا کئے — فوج خدا نے شکر کے سجدے ادا کئے
جب حملہ کرتا تھا تو نہ چپ شاہ رہتے تھے
زینب بلائیں لیتی تھیں یہ وام کہتے تھے

ناگہہ کہا عجب یہ ہے یا شاہِ نامدار — جب سے زبیر بن ہے یہ مشغول کارزار
یہ سوئے راست کرتا ہے تسلیم بار بار — شہ نے کہا کھڑے ہوئے ہیں شاہ ذوالفقار — ذوالفقار
احسنت ہا کہتے ہیں اس نیکنام کو
جھکتا ہے یہ علیؑ کی صدا پر سلام کو۔

دردا یہ کہہ رہے تھے ابھی شاہ نیک خو — واں پھر قتل چھپ کے بڑھے آدھ دو عدو
اک ابن عوس ایک کثیر سیاہ رو — اور پہلو دونوں نیزے لگا بیٹھے کینہ جو
شہ کو ندا دی آ کے عدو قتل کر گئے
مولا پکارے ہم تیرے مرنے سے مر گئے

ایک یہ بھی ذی العلم مصنف مرحوم کی تصنیف میں خوبی ہے۔ کہ واقعات تاریخی بھی ساتھ ساتھ نظم فرماتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ۱۲۰ آدمی قتل کرنا۔ اور ابن عوس و کثیر کے ہاتھ سے شہید ہونا۔ یہ سب تاریخی واقعات ہیں۔

گرنے لگا جو گھوڑے سے وہ عاشق احد
شبیر دوڑے کہتے ہوئے یا علیؑ مدد
جب تک کہ پہونچے وہ پسرِ ضیغم صمد
جولان سمند ہو گئے لاشے پہ لاتعد
شبیر جو پکارتے حیدرؑ کو آتے تھے
حیدرؑ بر سینہ وہ لاشہ چھپاتے تھے

آقا نے آکے دیکھا تو ہے سانس کا شمار　پر یا حسینؑ کی ہے صدا دل سے آشکار
پہلو بہ پہلو آہ تڑپتا ہے بار بار　گاہے سوئے یمین ہے نگہ گہ سوئے یسار
پر داہنی طرف کو تو بشاش ہوتا ہے
اور بائیں سمت دیکھ کے مظلوم روتا ہے

اصحاب شہ نے پوچھا تو اس نے کہی یہ بات　ساغر بکف ادہر تو ہیں حلال مشکلات
سر ننگے بائیں سمت ہے اک بی بی نیک ذات　ہر دم بلائیں لیتی ہے میری بڑھا کے ہات
واقف نہیں ہیں کون یہ مخدومہ ہیں مری
شہ نے کہا یہ مادر مظلوم ہیں مری

وہ بولا یا حسینؑ یہ صدقہ ہے آپ کا　داماں ابن فاطمہ پھر ہات میں لیا
اور دیکھ کے سب رفیقوں کے ہاتھوں یہ کہا　یارو یہ ہیں امانت زہرا و مصطفےٰ
اعدا سب ان کے قتل پہ خنجر لگائے ہیں
اب حضرت حسینؑ تمہارے حوالے ہیں

آسان بندشوں۔ صاف و عام فہم لفظوں میں ہمیشہ ہیں مصنف علام نظم فرمائے ہیں

جب تک کہ دم رہا یہی کلمہ پڑھا کیا　باقی جو دم تھا شہ کے قدم پر فدا کیا
عمامے کو حسینؑ نے سر سے جدا کیا　پیارے محب کو پیار غرض خوب سا کیا
کو لے گئے اوٹھا کے در خیمہ پر حسینؑ
اصحاب گرد لاش کے اور ننگے سر حسینؑ

زینب سے بولے زوجہ کو اسکی خبر سناو　بانو کو اپنے ساتھ لو بہی کو اسکے جاؤ
اس مومنہ کو لاش پہ بیوہ بنا کے لاؤ　اور تم بھی بیٹی ہوئی ہمراہ اوسکے آؤ
کہدو علی کی پوتیاں آ کر لگا کریں
زینب مرے رفیق کا حق سب ادا کریں

زینب نے دی زہیر کی بیوہ کو یہ خبر　نے روئی وہ بیچاری گریبان کھولا سر
زینب پکڑ کے ہاتوں کو لی آئیں لاش پر　وہ چیخ مار کے آ پہنچی ادہر اودھر

گرد اوسکے ہیں بی بیاں ہوتلے ہوئے لئے تھے
وہ شکر کرتی آئی تھی سب بین لئے آئے تھے

(دیکھیے کس قدر صاف لفظوں میں غم کا مرقع۔ اور ماتم کی صف کا نقشہ کھینچا ہے)

(جوہر صبر)

ہے ختم فاطمہ کی کنیزوں پہ صابری
دیکھی جو لاش گرد حسینؑ آنکر پھری
آقا نے رونیکو کہا تو سجدے کو گری
بولی الٰہی تو نے رکھی آبرو مری

بانو کو سکوں کہ یا تنگ کا صدمہ دیجیو
اللہ میری بی بی کو سوہ نہ بیجیو

شانہ ہلا کے اسکا یہ کلثوم نے کہا
یہ کون ہے وہ ماں کا محل رونیکی جا
بے بال کھول مرد کے پہ سجدہ تو ہو چکا
پرسا رسول زادیاں دیتی ہیں سر اٹھا

کچھ یہ سنتی ہے کہ کیا شہ دلگیر کہتے ہیں
منہ ڈھانپ کر لاش پہ شبیر کہتے ہیں

آنکھیں جھکا کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
زینب تم اپنے ہاتھ سے اسکا کھول دو
آئی ندا بتول کی اس سجدے سے کہو
لے تیری بی بی روتی ہے تو اسکے ساتھ رو

پرسا ہے غلام کا اسے بیکسی سے دے
اپنی رسول زادی کا ماتم بھی ساتھ دے

اسکے بعد مختصر شہادت امام حسینؑ علیہ السلام نظم فرمائی ہے۔ مقطع میں فرماتے ہیں ع

سیر بینے کی جا ہے اب لے کہو تمیں کیا
چڑھتا ہے نیزے پر سر سلطان کربلا
کیسے ہجوم مکر میں یہ مرثیہ کہا
یہ فضل پنجتن ہے یہ تائید کبریا

حاسد ہم کیا کریں سارے زمانے کو
یا امام ہیں تیری عزت بڑھانے کو

معلوم ہوتا ہے یہ مرثیہ اوس زمانے میں تصنیف فرمایا ہے کہ جب حاسدوں نے جناب میر ضمیر صاحب مرحوم سے اور مرزا صاحب مغفور سے بگاڑ کرا دیا تھا۔ اور تمام تلامذہ میر ضمیر صاحب کوشش میں کر رہے تھے
کہ مرزا صاحب کے کمال کو بٹہ لگے۔ مگر قدرت خدا کا تماشہ دیکھیے۔ کہ جو جو مرزا صاحب کی مخالفت بڑھتی گئی کمال کا شہرہ ہوتا گیا ع کم اللہ من لطف خفی

بارہواں باب (۱۲)

وہب ابن عبد اللہ کلبی کے حال میں

بحار الانوار کی دسویں جلد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہب اور ان کی والدہ پہلے عیسائی تھے۔ کسی زمانے میں امام حسین علیہ السلام کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے تھے۔ وہب بڑے بہادر آدمی تھے۔ معرکہ کربلا میں شریک امام حسین ہو کر انہوں نے دو حملے کئے پہلے حملے میں جتنے دشمن اسلام مارے اُن کی تعداد ٹھیک معلوم نہیں ہوتی مگر دوسرے حملے میں ایک روایت کے موافق انیس سوار اور بارہ پیادے اور دوسری روایت کی رو سے بارہ سوار اور چوبیس پیادے قتل کئے اور مردانہ وار شہید ہوئے میرے علم میں اس حال میں جن شاعر اہلبیت نے پہلے پہل مستقل مرثیہ کہا وہ دبیر مرحوم ہیں بندش الفاظ سے یہ مرثیہ بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔

مطلع

مومنو بے کس و بے یار ہے مظلوم حسین
سخت آفت میں گرفتار ہے مظلوم حسین

کیا سراسیمہ و ناچار ہے مظلوم حسین
دل شکستہ جگر افگار ہے مظلوم حسین ؎

ندا غور دیکھئے کیا تصویر زخمی امام کی کھینچی ہے
اور قوت خیال کسقدر بڑھی ہوئی ہے

تن سے گر کھینچتے ہیں ایک ہی پیکان شبیرؑ
لئے عرصہ میں لگاتی ہیں مدد و سینکڑوں تیر

کہاں کی تیر دوں کو اگر کرتے ہیں دھند تکبیر
پار سے نیزے لگاتی ہیں ہزن بے پیر

ایک پیکان جو سینے سے گذر جاتا ہے
خوںؔ کے روکنے کو دوسرا تیر آتا ہے

ؔ خون روکنے کیلئے پٹی باندھ کر سبز رنگ کا مرہم دستور ہے۔ مگر کیسی میں کوئی نہیں ہے جو تیمار داری کا دم خواری کرے دوسرا شاعر ہوتا تو بس یہ کہکر رہ جاتا مگر مرزا مرحوم کی قوت تخیل کو دیکھئے کیا بات کہی ہے۔ کہ خون کے روکنے کو دوسرا تیر آتا ہے۔

سینہ زخمی ہے بدن زخمی کلیجا زخمی انگلیاں زخمی ہین اور ساعد زیبا زخمی
ہونٹ زخمی ہین گلا زخمی ہے ماتہا زخمی نام کس عضو کا لون مین ہے سراپا زخمی
ایسے زخمی کو تو کافر بھی پلائین پانی
حیف سید سے مسلمان چھپائین پانی

دل کا یہ حال ہے پژمردہ ہوا جاتا ہی ایک دریا ہے کہ زخمون سے بہا جاتا ہی
ایک دم مین جو کئی بار غش آجاتا ہے کوئی برچھی کوئی تلوار لگا جاتا ہے
نیزہ ایک ایک جگر مین جو قریب دل ہی
سانس کی آمد و شد سینے مین کیا مشکل ہی

کیا رحیمی ہے کہ غصہ نہین آتا ہے ذرا کیا کریمی ہے کہ سر کرتے ہین اُمت پہ فدا
کیا تحمل ہے کہ ہر زخم پہ ہو شکر خدا کیا شجاعت ہی کہ لاکھون مین کہڑے ہین تنہا
تیر بھی نیزے بھی سینہ پہ لیئے جاتی ہین
ہر دعا نانا کی اُمت کو دیئے جاتے ہین

ناظرین! انصاف فرمایئن یہ نثر ہے یا نظم۔ رحم و کرم و تحمل و شجاعت کی شان کس سلاست سے دکھائی ہے۔ ایسی نظم کو سہل ممتنع کہتے ہین۔

کوئی غمخوار نہین لاشے ہین یا ہی سیدان مگر اس وقت تہی مونس شاہ دو جہان
داغ دل۔ دردِ جگر۔ زخم بدن آہ و فغان خنجر و تیر و تبر نیزہ و شمشیر و سنان
غم تو یہ ہے کہ سکینہ سے جدا ہوئین گی
یہ خوشی ہے کہ رہ حق مین فدا ہوئین گی

بیکسی مین جو مونس ارشاد فرمائے ہین ان مین دیکھیے مرثیت کس اعلیٰ درجہ کی ہی یہی وہ گریہ خیز کنائے ہین جن کی بدولت دبیر مرحوم ملک مین اعلیٰ درجہ کے مرثیہ گو شاعر مانے جاتے ہین۔

اب روایت شروع ہوتی ہے۔

یون رقم کرتا ہے اب راوی مغموم و حزین ایک دولہا لئے جاتا تہا برات اپنی کہین

وہب کلبی تھا لقب تہا وہ غلام غم ہیں — دور سے اسکو نظر آگئی مقتل کی زمیں
دل پہ شبیر کے ماتم کا اثر ہونے لگا
دیکھکر گنج شہیدان کی طرف رونیلگا

اک زمیندار کھڑا تہا یہ کیا اوس سے کلام — کسکی یہ فوج ہے اور کس کی یہ لاشیں ہیں تمام
یہ جو زخمی سے ہے کھڑا دہوپ مین کیا اسکا نام — رو کے وہ شخص پکارا کہ ہے رونے کا مقام
یہ ہین جلاد جو کھینچے ہوئے شمشیرین ہین
اور زہرا کے مرقع کی وہ تصویرین ہین - کئی مختصر سوال و جواب مین

اور یہ مظلوم جو کہاتا ہے کھڑا نیزہ و تیر — ہے سخی ابن سخی اور امیر ابن امیر
وطن آوارہ مصیبت زدہ بیکس دلگیر — فاقہ کش تین شب و روز کا پیاسا شبیر
اب تلک صبح سے بوٹا گیا باغ زہرا
اب یہ بے رحم بجہاتے ہین چراغ زہرا

کوئی دوسرے صاحب اس واقعہ کو نظم کرتے تو ۵-۶ بند مین کہتے مصنف نے ایک بند مین سب حال کہدیا تمام سیرت شبیر کیر، لکھدی

وہب کلبی نے وہین خاک پہ رکھدی دستار — بیاہ و ماتم ہوا جینا نظر آیا دشوار
مادر وہب نے جسوقت سنی یہ اخبار — پیٹتی سر کو محانے سے گری وہ ناچار
کہا بیٹے سے کہ موقع یہ نہین رونیکا
وقت ہے سبط پیمبر پہ فدا ہونیکا

اب ماں بیٹے کی گفتگو سنئے اور واقعات کی چلتیں پہرتی تصویرین دیکھو
باندھ کر دست حنائی کو پکارا دلدار — آپ تاکید نہ فرمائین مین خود ہون تیار
مگر اس رات کی بیاہی کا ہے صدمہ دشوار — پوچھ لون اس سے تو ہون حاکی مین آقا پہ نثار
اپنے ماتم مین قسم دیدون اسے رونیکی
آرزو ہے مجھے مولا پہ فدا ہونے کی

کیسی صاف صاف زبان ہے عورت کی طرف سے وہی الفاظ زیادہ تر نظم کئے ہین جو عورتیں بولتی ہیں

بولی وہ عقل ہے عورت کی ناقص بخدا　　اب نہ کچھ پوچھیے نہ کچھ کہیے تو کسی سے بیٹا
دی دلہن نے بھی صدا شوق سے جا شوق سے جا　　نام پر فاطمہ کے مہر بھی مینے بخشا

کیون نہ منظور مجھے اپنا رنڈاپا ہوئے
جب دلہن قاسم نوشاہ کی بیوا ہوئے

سن کے یہ گنج شہیدان کو وہ نوشاہ چلا　　ہات اس درجہ ملے چھوٹ گیا رنگ حنا
مان بھی ہمراہ تھی تھامے ہوئے بازو اسکا　　اور محافہ میں دلہن پشت پہ مشغول بکا

پر حضوری ہوئی اس وقت شہ والا کی
غش میں جب بند تھیں آنکھیں پسر زہرا کی

مادر وہب ادب سے نکلی شہ کے حضو　　دونون ہاتون سے ہلا مین کھڑی رہ کر دور
اور کہا غرق بخون دیکھکے شکل پر نور　　حیف جیتی نہ ہوئین آج بتول مغفور

کھول کر گیسوؤن کو حشر دہ برپا کرتین
فاطمہ دیکھتیں ان زخمون کو تو کیا کرتین

عورتون کو ہم جنس عورتون کا خیال آتا ہے۔ اسلئے مادر وہب کو جناب سیدہ کا خیال آنا چاہیے تھا

ہوش میں آئے اس آواز سے شاہ خوشخو　　اور نظر پاس سے کی پونچھ کے پلکون سے لہو
کہا آہستہ ترا نام ہے کیا۔ کون ہے تو　　بیکسی پر مری اس جا نہ بہا آنسو

دوستی من مری سب لوگ ضرر پاتے ہین
رحم اس شہر مین سیدیہ نہین کھلنے ہین

دوسرے مصرع مین پلکون سے لہو پونچھکر نظر پاس سے کرنا عجیب وغریب ضعف کا کنایہ ہے۔ اب جب کہ امام حسین اتنا فرما چکے تو مادر وہب روبرو آکر عرض کرتی ہے۔

مادر وہب نے آکر کہا مولا کے حضور　　ہے قمر نام سو ہے داغ پسر کا منظور
ایکہ جان سے تری لونڈی ہون بکنیز محجور　　واری کچھ اور تو بس دم نہین مجھکو مقدور

حق ہے زہرا کی کنیزی کا ادا کرتی ہون

رات کا بیاہا پسر تم پہ فدا کرتی ہوں

موزخوں نے ان بی بی کا نام قمر لکھا ہے۔ قمر کے واسطے داغ کتنا مناسب لفظ فرمایا ہے۔ لاکھ جان سے لونڈی ہوں۔ اور واری اور رات کا بیاہا یہ سب الفاظ وہی ہیں جو عورتیں بولتی ہیں اس لئے مصنف کی طرف سے لائے ہیں۔ یہ بلاغت کی شان فصاحت کی جان سلاست کی زبان اور زبان کی سلاست ہے۔ کہ باوصف شاعرانہ مضامین کے نظم۔ نثر معلوم ہوتی ہے۔ اب مادر وہب واقعہ اپنے بیٹے کی شادی کا مختصر بیان کر کے مرنیکی حضرت سے وہب کو اجازت دلواتی ہیں

رات کو عقد ہوا تھا لونڈی کی پسر کا یا شاہ — لئے جاتی تھی بہو کے میں فرزند کا بیاہ

میرے بیٹے نے تمہیں دور سے دیکھا سرِ راہ — مجھسے بولا کہ نہ اب جاؤں گا گھر کو والدہ

اس کی مرضی پہ ہوں اب شاد میں بھی راضی

ماں بھی اس دولہا کی راضی ہے دلہن بھی راضی

وہب کلبی کو لگی دیکھنے حسرت سے امام — اوسنے سہرے کو الٹ کر کیا حضرت کو سلام

اور کہا سامنے آقا کے کروں کیا میں کلام — بس مری ماں نے کہا جو بھی کہتا ہے غلام

رہ گئے بے ساختہ شہ اسکی پر اثر ماتی پر

نامرادی پہ۔ جوانی پہ پریشانی پر

اب خیالات مصنف مرحوم کا زور اور اس کے ساتھ مرثیت کے پہلو ملاحظہ فرمائیے

اک اس گھڑی نفضہ در خیمہ پہ موجود تھی آہ — متعجب ہوئی یہ حال جو دیکھا ناگاہ

جا کی خیمہ میں کہا اے حرم شبیر آگاہ — باتیں کرتا ہے خوز دے سے مرا اک نوشاہ

جب وہ سر شاہ کے قدموں پہ جھکا دیتا ہے

پسر فاطمہ چھاتی سے لگا لیتا ہے

ماں نے قاسم کی کہا کون یہ دولہا ہے بنا — اک مرا لال تھا نوشہ سو ہوا شہ پہ فدا

عمہ اکبر کی جو بیہوش تھی بانو کو کہا — بولی میں سمجھی میں سمجھی نہیں تشویش کی جا

دہیان زینب کی خوشی کا انہین آیا ہوگا
شہہ نے دولہا جیسے اکبر کو بنایا ہوگا

خود مشاہدہ شاہد ہے کہ جب یکایک کسی کے دل پر ایسا صدمہ عظیم پڑتا ہے تو اوس کے ہوش وحواس کی یہی حالت ہوجاتی ہے جو حالت مادر علی اکبر کی مرزا مرحوم نے خیال فرمائی اور نظم کی ہے بے درد نا واقف ایسے مضامین کو مبالغہ سمجھتے ہین۔

سوچتے ہونگے یہی دل مین امام دوسرا | مرتے دم دیکھہ لون سہرا تو علی اکبر کا
کوئی شہ سے کہی بات لائی اکبر کو ذرا | ان کے سہرے کی مجھے بھی تو تمنا تھی سدا

پہلے اک ہاتھ سے چہرے کی بلائین لون مین
دوسرے ہاتھ سے سہرے کی بلائین لونگی مین

روئین زینب مست اور دیکھہ بانو نے کہا | ہائے بھابی یہ بیان کرلی ہو تم اسدم کیا
بیحواس ہونگی کیون غم سے نہین ہوش بجا | کسطرف دہیان ہے اکبر کہان سہرا کیسا

خون مین ڈوبے ہوئے شہ جو ادہر آئے ہتے
علی اکبر ہے کا لاشہ تو اوٹھالائے ہتے

ائین زینب در خیمہ پہ حرم کو لے کر | دیکھتی کیا ہین چلے آتے ہین رن سے سرور
ساتھہ اک دولہا ہے رومال لیے آنکھون پر | اور جلو مین ہے ضعیفہ بھی کوئی ننگے سر

اک محافہ ہے صدا اس سے یہی آتی ہے
لونڈی سادات کی سادات کے گھر جاتی ہے

کس سادگی اور بے تکلفی سے واقعات نظم فرماتے ہین۔ آنکھون کے سامنے نقشہ (حالات و واقعات) کا کھنچ جاتا ہے۔ بہ شان حسن تقریر کی ہے

اور دیکھئے تصویر واقعہ کی

پہونچے جب در پہ تو روکی شہ بیکس نے ردا | زوجہ وہب کو عزت سے وہان اوس جا
پوچھا زینب نے کہ ای پشت و پناہ غربا | کون یہ دولہا دلہن ہین مجھے بتلا بھیا

کسی دشمن نے مگر دکھہ انہیں پہونچائے ہیں
آل احمد میں یہ چھپنے کیلئے آئے ہیں

بولے آقا کہ ہے ہم طالع قاسم یہ جواں — دولہا اک شب کا ہے اور ہوتا ہے مجہپر قرباں
یہ دولہن اسکی ہے ناشاد یہہ بیکس ہے ماں — ان کی توقیر کرو تم یہ مرے ہیں مہماں
عزت ضیف تو سادات کی خو ہے زینب
یہ پسر ہے مرا یہ میری بہو ہے زینب

صاحب درد تھے سب رو دیئے یہ سنکر — واقعہ شادی قاسم کا پھرا پیش نظر
یاد اکبر میں کہا بانو نے ہے ہے اکبر — سب کے فرزند جوان دولہا بنے ای دلبر
مین نے اک دم بھی نہ سہرا تیرے سر پر دیکھا
لاش دیکھی تری اور ہات جگر پر دیکھا

ہات جگر پر دیکھنا کیسا بلیغ کنایہ ہے کہ علی اکبر کے جگر پر نیزہ لگا تھا وہاں ہات ضرور رکھا ہوگا۔

ناگہاں وہب نے یہ شاہ شہیداں سے کہا — دیر اب کیا ہے مجھے دیجئے مرنے کی رضا
شہ نے فرمایا کہ جا شیر خدا کو سونپا — حیف کچھ تیری تواضع نہ ہوئی مجھسے ادا
اب تو مجبور ہوں ہاں جب کہ شہادت ہوگی
حور کی اور تیری بھی جنت میں ضیافت ہوگی

وہب نے چوم لئے پائے شہ عرش سریر — ذوالفقار اسد اللہ سے مس کی شمشیر
شیر کی طرح چلا سوئے سپاہ بے پیر — تھا وہ تنہا پہ مدد کو تھی ولائے شبیر
رن پکارا کہ مددگار امام آتا ہے
جنگ کو قاسم نوشہ کا غلام آتا ہے

حملہ ور وہب ہوا کھینچ کے تیغ براں — کسکا یاور تھا لڑا خوب علیحدہ وہ جواں
حق پہ لڑتا تھا مددگار تھا اوسکا یزداں — آفریں کہتے تھے سردار پہ شاہ ذیشاں
بے حواسی میں جو ہر ایک لعین گرتا تھا

وہ کہین گرتا تہا اور سایہ کہن گرتا تہا

مادر وہب در خیمہ پہ دیتی تہی دعا ۔۔۔ کہتی تہی آلِ پیمبر سے کہ دیکہو تو ذرا
صاحبو لڑتا ہے فرزند کنیز زہرا ۔۔۔ تن سے سر گرتے ہین ہر صف مین ہے محشر برپا

اسکی طاقت ہے نہ یہ زور ہے شیر کا ہے
بس یہ سب حوصلہ بخشا ہوا شبیر کا ہے

ناگہان وہب وہان زخم سنان کہا گے گرا ۔۔۔ لاش کو گہیر لیا ظالمون نے واویلا
غل تہا ہوش ہے جلد عشق مین کرو سر کو جدا ۔۔۔ شمر کہتا تہا کہ بسمل کرو دے کر ایذا

ایک باری نہ گلے کو تہ خنجر کا ٹو
ہان کبہی ہات کبہی پاون کبہی سر کا ٹو

ایک خونخوار تہا خنجر لئے بالین پہ کہڑا ۔۔۔ ناگہان وہب نے حسرت سے کیا یہ کو دوا
یا حسین بن علیؑ منہ سے کئی بار کہا ۔۔۔ کہا اعدا نے کہو پائی رفاقت کی سزا

تیر مارین تمہین یا نیزہ و خنجر مارین
پیاسا مارین یا تمہین پانی پلا کر مارین

وہب نے پوچہا کہ اکبر کو دیا تہا پانی ۔۔۔ تم نے قاسم نے دم مرگ لیا تہا پانی
کہو سقائے سکینہ نے پیا تہا پانی ۔۔۔ تمنے اصغر کے بہی کچہہ نذر کیا تہا پانی

تمنے ان سب کو دیا ہو تو مجہے پانی دو
شاہزادون نے پیا ہو تو مجہے پانی دو

امام حسینؑ کی رفیقون کی وفاداری کی تصویر ان بندون مین کہینچی ہے ۔ کہ وہب نے پانی کا نام سنکر یہی جواب دیا کہ میرے آقازادون نے پانی پیا ہو تو مین بہی پیئون ۔

کہا اعدا نے کہ پیاسے موئے شہ کے دلدار ۔۔۔ وہ پکارا تو مجہے بہی نہین پانی درکار
یہ سخن سنتے ہی قاتل نے لیا سر کو اتار ۔۔۔ اور وہ سر پہینک دیا شاہ کی جانب اکبار

گر پڑا پائے شہنشاہ امم کے اوپر

سجدۂ شکر کیا سر نے قدم کے اوپر

در سے خیمہ کے چلی وہب کی ماں ننگی پا ۔۔۔ اپنا سر بیٹا نہ اس کو بشفقت دیکھا
ماں پھرا یا دئے گرد سر شاہ شہدا ۔۔۔ اور قسم دی کہ خوزادے کرو ہو تم اصلا

بزم عالم میں نہ گل شمع محمد ہوئے
پسر سے فرزند پیمبر کے طلبگار د ہوئے

پھر وہ سر پھینک کر اعدا کیطرف دی یہ صدا ۔۔۔ میں سمجھی ہوں مری بی بی ہیں بتول عذرا
پھیر لیتا ہے تصدق بھی کوئی دیکھا بھالا ۔۔۔ اب میں کوئی نہیں اس سر کی ہیں مالک زہرا

آرزو ہے مجھے یاں اپنے بھی سر دینے کی
میں نہیں لینے کی اس سر کو نہیں لینے کی

تیرہواں باب

عون و محمد پسران عبداللہ ابن جعفر طیار کے حال میں

بنی ہاشم۔ اب میں اُن بنی ہاشم شہدا کی مرثیوں میں سے انتخاب شروع کرتا ہوں۔ جو امام حسین کے ساتھ کربلائے معلےٰ میں تین دن کے بھوکے پیاسے شہید ہوئے اور جو مع امام حسین علیہ السلام کے ۱۸۔ بنی فاطمہ مشہور ہیں بنی فاطمہ ان کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سب فاطمہ بنت اسد کی اولاد سے ہیں اس مضمون کی ایک حدیث بھی امام محمد باقر سے بحار الانوار میں موجود ہے کہ امام حسین کے ساتھ ۱۷۔ بزرگوار فاطمہ بنت اسد کی آل و اولاد سے کربلا میں شہید ہوئے۔ ان میں سب سے پہلے میں عون و محمد کا حال لکھتا ہوں۔ جو جناب زینب بنت فاطمہ زہرا ؑ کے فرزند مشہور ہیں ان کے والد ماجد عبداللہ ابن جعفر طیار اور نانا ان کے حیدر کرار تھے۔ شیر و کی شیر حیدر دن کے جرار تھے۔ مرزا صاحب مرحوم نے بھی ان کی بہت سی مرثیہ

کہے ہیں۔ مگر مین اس خیال سے کہ کتاب طولانی ہوئی جاتی ہے صرف دو تین مرثیون سے ان کا حال انتخاب کرتا ہون۔ یہ بہی عرض کرنا مناسب ہے۔ کہ مجہے کہین کسی تاریخ یا کتب مقاتل و احادیث مین یہ مضمون اشارۃً بہی نہین ملا۔ کہ حضرت عباس کو علم حیدر کرار ملنے سے ان صاحبزادون نے کچہہ بہی اظہار ناراضی یا علم کا دعوے فرمایا ہو۔ بلکہ یہ محض اردو کی مرثیہ گو شاعرون کا ایک خیال ہے تعجب ہے کہ میر مہدی حسن صاحب احسن سلمہ نے اپنی کتاب واقعات انیس مین صفحہ ۱۷۸ پر یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ واقعات تاریخی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جناب زینب کی صاحبزادون کو یہ خیال پیدا ہوگیا تہا۔ کہ مستحق علمداری ہم ہیں۔ علم نہ ملنے سے صاحبزادون کو ایک کاہش تہی۔ بہرحال یہ واقعہ۔ میرے علم مین تاریخی نہین ہے۔ خیالی ہے اور مرزا صاحب اور میر صاحب اور انکے بعد انکے جانشینون اور شاگردون نے اس خیالی حال میں اکثر مرثیہ فراکرناون کا گہرا رنگ بہر دیا۔ مرزا صاحب کے جو مرثیہ تاریخی پہلو لیئے ہوئے ہیں۔ ان میں وہ آزادی کہاں۔ اسلیے اس حال میں جو تاریخی نہیں۔ اونہون نے خوب خوب زبان کے جوہر دکہلائے ہیں عجب دلچسپ بات چیت ہے۔ اب میں ایک مشہور مرثیے کا انتخاب پیش کرتا ہون یہ مرثیہ غدر ۱۸۵۵ء کے بعد کی تصنیف اور مشہور و مقبول ہے

مطلع ۱

پرچم ہے کس علم کا شعاعِ آفتاب کی
بو کس علم کی چوب میں ہے بوتراب کی
بجلی ہے کس پھریرے میں کوثر کے آب کی
یہ شان ہے نشانِ رسالت مآب کی
نقشہ علم کے پنجہ میں اللہ کا ملا
نام خدا نشان سے نشانِ خدا ملا

یہ بات مشہور ہے ۔ کہ مرزا مرحوم مرثیہ کا مطلع بڑا شاندار فرماتے ہیں۔ اکثر صنعت براعت استہلال میں مطلع ہوتا ہے ۔ کہ مطلع ہی سے ذوی فہم سامعین سمجھ جائیں کہ آئندہ اس مرثیہ میں کیا بیان ہوگا ۔ چنانچہ اس مرثیہ میں امام حسینؑ کی فوج کے علم (نشان) کا بیان ہے ۔ پہلے مصرع کی شوکت کو دیکھئے ۔ اور درود پڑھئے ۔ ع پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی ۔ ہائے ناواقفی ایک صاحب سنہ ۱۸۹۲ء میں (جیسے گوالیار لشکر میں) اس مصرع پر معترض ہوئے ۔ کہ اس میں شعاع کا دوسرا عین تقطیع سے گرتا ہے میں نے کہا ۔ جناب آپ نے عروض اچھی طرح نہیں پڑھا ہے ۔ عین نہیں گرتا ہے بلکہ آفتاب کا ایک الف (دو الفوں میں سے کہ الف ممدودہ برابر دو الف کے عروضیوں کے نزدیک ہے) گرتا ہے جو جائز ہے ۔ دوسرے مصرعہ میں ارشاد فرمایا کہ کس علم کی چوب میں جناب امیرؑ کی خوشبو ہے ۔ اس سے اشارہ ایک مشہور حدیث و واقعہ خیبر کی طرف فرمایا ہے کہ خیبر میں جب لشکر اسلام کو دو روز تک متواتر ہزیمت ہوئی ۔ تو جناب رسالت مآب نے فرمایا ہے لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کل میں ایسے بہادر جوانمرد کو علم دونگا جو پے در پے حملے کرنیوالا ہے ۔ بھاگنے والا نہیں ۔ خدا اور رسول کو وہ دوست رکھتا ہے ۔ اور خدا و رسول اسکو دوست رکھتے ہیں چنانچہ دوسرے دن جناب امیرؑ کو ہی علم حضور صلعم نے دیا اور وہ جناب اس لڑائی کو فتح کر کے پھرے ۔ مصنف فرماتے ہیں ۔ کہ چوب علم میں خوشبو دست جناب امیر کی بسی ہوئی ہے ۔ تیسرے اور چوتھے مصرع میں اوسکی تشریح فرمادی ۔ کہ یہ نشان حضور صلعم کے نشان اقدس کی ہے ۔ ٹیپ میں فرمایا ۔ کہ علم کے پنجہ میں وہی شکل ہے ۔ جو لفظ اللہ کی ہے ۔ جب اللہ علم سے ظاہر ہوا تو یہ مضمون نکالا ۔ کہ اس نشان سے نام خدا (ماشاء اللہ) خدا کا نشان بندوں کو مل گیا ۔ بہکے ہوئے راہ راست پر آگئے ۔

صبح جہاد شاہ ثریا جناب ہے
فوج حسین بن کے ظفر ہم رکاب ہے
مشرق سے واں علم، علمِ آفتاب ہے
یاں نور کا نشان علم بوتراب ہے
روشن علم سے آئینہ مشرقین ہے
مشرق میں شمس عکس نشان حسین ہے

اب اس بات کو بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ جس وقت کا ہم ذکر کرینگے۔ وہ صبح ہے۔ لشکر امام حسین گویا ظفر بنکر علم کے ساتھ ہے۔ اودھر تو آفتاب مشرق سے نکلا ہے۔ اودھر یہ علم خیمہ اطہر سے برآمد ہوا ہے۔ اس علم کی بدولت آئینہ مشرقین روشن ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آفتاب اس نشان کا عکس ہے۔

حمزہ کے سر پہ سایہ فگن یہ ہما رہا۔
پھر دست بوس بازوے خیرالورا رہا
بعد اونکے دوش زید پہ شہپر کشا رہا۔
جعفر کے شانے پر یہ نشانِ خدا رہا۔
کیا کیا جوان نبی کے گھرانے سے اٹھ گئے
اسکے اوٹھانیوالے زمانے سے اٹھ گئے

اس بند میں مختصر طور پر یہ فرما گئے۔ کہ عہد جناب رسالت مآب صلعم میں اس علم کو چار بزرگوں نے ہاشمیوں میں سے اوٹھایا۔ (۱) سیدالشہد

جناب امیر حمزہؓ (۲) جناب امیرؑ (۳) زید شہید غلام آزاد کردہ جناب رسالتمآبؐ (۴) جعفر طیارؓ برادر جناب امیرؑ نے - افسوس اب ادن بہادروں میں سے کوئی باقی نہیں ہے - جو معرکۂ کربلا میں یہ علم اٹھائے -

فوج خدا میں بھی ہے یہ غلغلہ جابجا   جائے زمیں سے فلک پہ تو سیدھی یہ راہ ہے   اب دیکھئے کسے یہ حسینی علم ملے
سرگوشیاں ہیں گرد رفیقوں میں جابجا   یہ راستی شرع نبی کا گواہ ہے   کس خضر تشنہ لب کو یہ ابر کرم ملے
یوسف سے ایک اور خریدار جابجا   یہ آسماں جو خسرو انجم سپاہ ہے   پردیس میں قبالۂ باغ ارم ملے
مشتاق ہیں یہ جعفر و انصار جابجا   کہتا ہے اس علم کی عجب زیب و جاہ ہے   لکھنے کو فرد بخشش امت قلم ملے
عہدہ جلیل ہے یہ مشرفین ہیں   ہم کو ملے تو گنج ستاروں کا جیتے ہیں   کس کا یہ حق ہے معرکۂ کارزار میں
دیکھیں کسے نصیب یہ عہدہ حسین ہیں   قوس قزح کو پیچ کے مول اسکو لیتے ہیں   اک پاؤں سے کھڑا ہے علم انتظار میں -

اؤلاد پر سوال علم کا جو ہے گماں
ہر چند سب پہ شاق ہے امید و انتظار
یاں شوق کورنش ہیں علم جب لچک گیا

در پر کھڑی ہوئی ہیں سپہ و ہی بیبیاں
پر تابع رضائے حسینی ہیں جان نثار
واں جارش علم کا بھی شانہ پھڑک گیا

بانو یہ کہتی ہے میری خاطر تو ہے نشاں
زینب کے یادگار علم کے ہیں پیشہ دار
یاں شکل آفتاب جو پنجہ چمک گیا

تابع ہے اور غیور مرا اکبر جواں
لیکن بڑا یہ کہتا ہے چھوٹے سے بار بار
واں شعلہ اشتیاق کا دل میں بھڑک گیا

غیر از توکل اور دعا مانگتے نہیں
بھائی علم کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیو
پائیگا اس نشان کی کب چھاؤں دوسرا

رہتے ہیں بہو کہے مجھسے خدا مانگتے نہیں
حضرت کو اور علم کو برابر نہ دیکھیو
حامی کے پاس آئے جو ہو پاؤں دوسرا

غیر از توکل الخ اس مصرعہ کے دو معنے ہو سکتے ہیں (۱) توکل شیوہ ہے۔ اسکے سوا دعا نہیں مانگتے۔ (۲) دعا بھی خدا سے بس یہی کرتے ہیں کہ توکل کی توفیق دے۔ اور توکل پر قائم رکھ۔ توکل میں فرق نہ آنے پائے۔ اور تیسرے مصرع میں (میری خاطر تو ہے نشاں) میں لفظ نشان میں ایہام ہوتا ہے کہ نشان علم کے معنی پر ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ خاص محاورہ ہے کہ میری خاطر نشان ہے یعنی دل مطمئن ہے کہ علی اکبر سوال نہ کرینگے۔

ڈر ہے کہ چاک بنتِ علی کا جگر نہو - ناگہ وہاں حسین کا جاسوس معتبر کس دن کیواسطے طالب بابت ظفر فضہ کو حکم دیتی ہیں زینب کہ رن میں جا

غصے میں آگئے زبر فلک ننگے سر نہو - آیا ادھر کا نظم و نسق دیکھکر ادھر - واری بہت جیوگے جواب تم تو دوپہر - طالب کہیں علم کے نہوں سر پہ دربا

بھائی اسکی خبر کی بہن کو خبر نہو عباس کیطرف کو مڑے شاہ بحر و بر یہ وہ پہر رلائینگے زینب کو عمر بھر - دادا ہی جعفر انکا تو نانا ہے مرتضا

دشتِ نجف میں شیرِ خدا نوحہ گر نہو سن لے سپاہ شام کی لایا ہے یہ خبر دنیا سے آج فوجِ حسینی کا ہے سفر - کہیو رضا حسین کے منصب سے ہے ہوا

مجھ سے بہن کی آس الہی تو ٹوٹ جائیگی پر ہوشیار خیمۂ عفت قریب ہے گھر سے تمہیں حسین کے صدقے کو لائی ہوں آقا جو تم ہو ہوئے ہیں وہ معلوم ہیں تمہیں

مجھکو نہ روئیگی وہ مجھی کو رلائیگی پردے کے پیچھے زینب غربت نصیب ہے ہیں بے نشان ہونیکو تیر سے آئی ہوں - مانگا علم تو وہ بخشونگی میں تمہیں

قاصدوں کو دیکھیے

یاں ابتلک نشان بھی علمدار کا نہیں — اب دیکھیے مرقع ترتیب فوج شام — گھاٹوں کا منتظم ہے جنہیں بو صفات — عباس لائے گوشے میں اسکو علیحدہ

افسوس کچھ درستی فوج خدا نہیں — فرمانرواے آئینہ ہے شمر زشت فام — رافع دروغ پیشہ ہے داروغہ فرات — فرمایا۔ کہہ کیا ہے وہاں کیا مشاہدہ

ساعت بھی کوئی جنگ کی ٹھہری ہے یا نہیں — میمنے پہ وارث حجاج کا مقام — پیاسوں کو قحط آب ہے اللہ دے نجات — کی عرض یہ نیا ہے لڑائی کا قاعدہ

فرمایا اختیار بشر میں قضا نہیں — لیکن وہ بدنام عمر کا جو ہے غلام — کہتا ہے بہر والوں سے ہر دم عمر یہ بات — اونیس لاکھ جمع ہوئے ہیں ملاحدہ

جب ہو نہیہ سفر مرگ آج ہے — گردوں پہ پھٹ داغ ہے اس کج کلاہ کا — ہاں سر فروشو جان لڑانا لڑائی میں — ستر دو تن کو خوب ضیافت کھلائینگے

ساعت کے دیکھنے کی نہیں احتیاج ہے — اسکو علم دیا ہے عمر نے سپاہ کا — پیاسوں کی خوں کی نہر بہانا ترائی میں — اونیس لاکھ تیغوں کا پانی پلائینگے

مشاہدہ — دیکھنا

ملاحدہ — ملحد کی جمع — الحاد کرنیوالا — راہ حق سے پھرنے والا

بولادہ سر جھکا کی بجا کہتے ہیں حضور   غازی کے پاس آئے جو ہمشکل مصطفےٰ   صاحب علم ہو آکہ مرکا وہاں غلام   باتیں چچا بھتیجو میں ہوئی تہیں یہ باہم
لیکن بڑے حضور سے اظہار ہے ضرور   وہ ہائیں اونسے خیمہ میں اور یہ کہا   عباس ہے غلام شہنشاہ خاص و عام   ناگاہ شکر کے پکارے سے شہ امم
لایا ہو ٹھیک میں خبر لشکر عدو   حضرت کو آپ جا کے سنا دیں یہ ماجرا   کہنے میں اس خبر کے تامل کا ہے مقام   بھائی بڑے عزیز ہو تم جانتے ہیں ہم
بڑھکر ادب سے تہم گئے عباس ذی شعور   وہ بولے آپ ہی کہیں جا کے ہیں فدا   بہیجیں کہیں یہ حسن طلب قبلۂ انام   بیان سب تمہاری بلکہ ہیں رجا حافظ حرم
رخ اپنا سوئے اکبر عالی نسب کیا   فرمایا عارفانہ تجاہل نہ کیجیے   ہے آرزو علم کی نہ دنیا کے چین کی   ہمسے تہو غرض نے دیا ہی نشان کسے
اور آنکھ کے اشارے سے انکو طلب کیا   ہمکو تو سلطنت ہی غلامی حسین کی   تکلیف اس بیان کی ہمکو نہ دیجیے   ہو گا غنی یہ حسن طلب کا گمان کسے

جو شخص اردو محاورے سے نا واقف ہے وہ ضرور یہ کہے گا کہ یہ مصرعہ اس طرح ہونا چاہیے "تھا عام بات چیت چچا بھتیجے میں ہوئی تھیں یاں بہم" مگر اہل زبان یوں ہی بولتے ہیں چچا بھتیجوں میں الخ۔ چچا اور بھتیجا دونوں ملکر جمع کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لیے چچا بھتیجوں بولتے ہیں۔

(حضرت عباسؑ کا استقلال) (مصحف فاطمہؑ سے تفاؤل)

پھر تو ملا زیارتِ شہِ کربلا بڑھے ۔ پھر رفع سب کی وارفتگی کا تعب کیا
کس شے پہ ہوگا حسنِ طلب کا ہمیں خیال

پڑھنے کو سب عبارتِ حلمِ خدا بڑھے ۔ بنتِ الشرف سے مصحفِ زہراؑ طلب کیا
اماں کے مہر پہ بھی تصرف ہے یاں محال

مشتاقِ منصبِ امامِ مصطفےٰ بڑھے ۔ آیا تو سورۂ فاتحہ کا وردِ لب کیا
منصب جو آپکا ہے خدا دیگا بے سوال

لیکن نہ پائے رشتہ گنگوں تھا بڑھے ۔ دیکھی جو فال ہر قلم شکرِ رب کیا
باقی جو میرا مال ہے وہ سب تمہارا مال

دونوں قدم زمینِ ادب میں گڑے رہے ۔ ہوئے جو ابھی رہ گئی رائیں کے باب میں
مختار طبل و فوج کے اہل و عیال کے

سر خم کیے کھڑے تھے جہاں واں کھڑے رہے ۔ لکھا خدا کا حکم وہی اس کتاب میں
مالک تمام گھر کے ہوئے جان و مال کے

مصحف فاطمہ کا ذکر

کہولا ہی جو مصحف خاتون دوسرا یہ حکم ذوالجلال جو پاتے تھے جبرئیل ناطق ہوا یہ مصحف ناطق ادہر اودہر انسان تو کیا ملک بہی نہیں ایسے مستقل

یعنے علم کہو لے احکام خدا ہے کیا ارض و سما کے بیچ مین آتے تھے جبرئیل شانِ نزولِ مصحف زہرا کی دو خبر تہا سرِ بوتراب قناعت سے پا بگل

نکلا سر یہ قصۂ عاشورِ کربلا افسانۂ عجیب سناتے تھے جبرائیل روتی تہی جب نبی کو نہایت دو بے پدر دیکھے جو حسن انکی اطاعت کے متصل

لکہتے ہیں یہ زبانی جبرئیل مرتضا خیر النسا کو ہوش میں لاتے تھے جبرائیل کہتا تہا جبرئیل سے خلاق بحر و بر پہلو مین دو جگر کے لگا شاہ مین کا دل

فوج خدا کی زیب ہے سالار ہی حسین جو ذکر جبرئیل خرد مند کرتے تھے جاؤ یتیم خیر ورا کو قرار دو - رونے لگے حسین نصیب انکے لڑ گئے

عباس ہیں سپہ ختم علمدار حسین پا باوہ حرف حرف قلمبند کرتے تھے ہلتا ہے عرش عرشِ خدا کو قرار دو آنسو کے قریے نام مبارک ٹہر گئے

(عطائے علم)

چھاتی سے سر لگا کے دعا دی امام نے - پھر ہاتھ میں لیا علم شافع امم
بخشا نشان نشانِ رسول انام نے - عباس کی طرف کو بڑھے خود کئی قدم
تسلیم کی حضور کو اوس نیکنام نے فرمایا تمکو شرم تھی سو آپ آئے ہم
رکھکے نذر پہنچتی آئے سامنے لو بھائی لو اخدا نے تمہیں کو دیا علم
سیدھی جو چوب بازوئے شاہ امم کی - حمزہ کی ارث پائی ہمیں نذر دیجئے
خیمے میں یاں علم کی زیارت حرم نے کی - ہاتوں پہ رکھکے سر وہ پکارے کہ لیجئے

ازبسکہ حضرات عون محمد کا حال اس مرثیہ میں نظم کرنا منظور ہے - دیکھیے مصنف مرحوم ایک حال سے دوسرے حال کی طرف کس خوبی سے رجوع کرتے ہیں - مرثیہ میں یہی موقعہ مشکل ہے - بعض ناتجربہ کار مرثیہ گو ایسے موقعہ پر ناکام رہ جاتے ہیں - ایک حال میں دوسرے حال کا پیوند لگانا بہت مشکل ہے -

پر بند دیکھے عون و محمد - ملک حشم ایک گوشہ میں کھڑے تھے گئے گردنوں کو خم
یہ فکر تھی کہ فدیہ اول ہوئے نہ ہم ہوتے ہیں آگے فوج کے سب حامل علم
سبقت نصیب حضرت عباس ہو گئی
تھی اس لیے مرنیکی - اب یاس ہو گئی

دیکھئے کیا پہلو اختیار فرمایا ہے کہ حامل علم آگے ہوتا ہے - خیال یہ گذرا - کہ اگر ہمکو علم ملتا تو ہم سب سے آگے ہوتے سب سے پہلے شہید ہوتے

جاسوس نے عمر کے جو دیکھا یہ ماجرا جا کر کہا عمر سے خداوند کچھ سنا

ہوا وہ کیا کہا کہ مبارک کرے خدا — واں تفرقہ سپاہ حسینی میں پڑ گیا

منصب جو اپنی جد کا نہ پایا خفا ہوئے
جعفر کے پوتے فوج خدا سے جدا ہوئے

دونوں صاحبزادوں کو ایک گوشہ میں ایستادہ دیکھکر اوس خونخوار کے دل میں جو جو خیالات گذرے ہیں اُس کا نقشہ مرزا صاحب کی کلک مشکیں نے یوں کھینچا ہے

کچھ کم نہیں نسب میں یہ سیف خدا سے ہیں — عباس ہیں علی کے خلف یہ نواسے ہیں
لبریز دل حمیت و مہر و وفا سے ہیں — ہفتم سے سید کے ساتھ یہ بھوکے پیاسے ہیں
اب ہو گیا یقین کہ ظفر یاب ہم ہوئے
شبیر خدا کے بیٹے سے دو شیر کم ہوئے

گردن اٹھا کے کہنے لگا شمر بدشعور — ہاں سچ تو ہے کھڑے ہیں الگ اب تو وہ غیور
اُس نے کہا کہ انکا ملا لینا ہے ضرور — ٹھہلو ہے جوڑ توڑ کا لانے بڑا غرور
ہاں ہدیہ یزید کو زینب کے لال لا
دو لخت دل حسین کے دل سے نکال لا

پر سر کے بل دلیر و انکی خدمت میں جائیو — مرنے میں بات پر نہ اجل سے ڈرائیو
منت سے عاجزی سے خوشامد سے لائیو — غصے کے وقت آنکھ نہ اُن سے ملائیو
صحبت رہی ہے فاطمہ کے نور عین کی
دیکھی ہیں آنکھیں کھول کے آنکھیں حسین کی

لے کشتیاں بھی ہو انکی اور سرِ جام بھی — آداب عرض کیجیو اور یہ پیام بھی
ہونا ہے پیشوائی کو حاضر غلام بھی — کوفہ تمہارا ملک ہے اور ملک شام بھی
نقارے بج رہے ہیں سلامی کے واسطے
سردار مستعد ہیں غلامی کے واسطے

اس قدر الفاظ پر شاعر قادر ہو جب ردیف لانے کا مزہ ہے۔ غور سے دیکھیے کوئی لفظ بھی بھرتی کا ہے۔ ردیف اور پر کے چاروں مصرعوں میں کیسی مل گئی ہے

روتے ہیں اک علم پہ یہ شاہ انام سے / لے جاؤ چار پانچ علم فوج شام سے
سمجھا بجھا کے ان کو عدو کے امام سے / بہتر کا چراغ نور کے حسن کلام سے
آئینگے پھانجے جو شہ دیں سے چھوٹ کر
ہم سے ملینگے اور یہی پھول ان سے ٹوٹ کر

اٹھلا کے رحم دونوں کے حسین پہ دم بدم / گر ضد کریں کہ لینگے ہمیں بھی کا علم
کہنا کہ یہ خوشی بھی تمہاری کرینگے ہم / پر کب کہ جب حسین کا سر ہوئیگا قلم
حاضر ہیں ہم براتن کے سورہ پہ مہر کو
عباس کا علم ہی نہیں دینگے ظہر کو

بیشتر کے بندوں میں تصویر واقعہ کی دکھائی ہے۔ شمر کس ساز و سامان سے روانہ ہوتا ہے۔
اور کس قدر اطمینان اس ابلیس کو ہے۔ کہ میں بچوں کو بہکا کر لے آؤنگا۔

سنے یہ بات کہ سکتے لگا راوی بد شیم / یہ بھی ہے کوئی کام ابھی لائے اونکو ہم
پہنچے سے پہلے چپ نے جابر وہ عام / پہنچا وہیں جہاں تھے لقب جو ایہری یک قلم
دو کشتیاں لیے ایک میں تو سر دو جام تھے
اور ایک میں چنے ہوئے میوے تمام تھے

کشتیوں میں میوے چننے کا محاورہ ہے۔ اہل زبان ایسے روزمرہ محاوروں کی قدر جانتے ہیں جن لوگوں کو لطف زبان ہے اور دماغ تعصب خیالی سے پاک ہے۔ وہ دیکھیں اور انصاف دیں جو فرمائیں کہ اس سے مختصر و بہتر قول کوئی شاعر ہندوستان بھر میں کہہ سکتا ہے

تیر کمان بد ہوا پہنچے وہ بد گماں / تھے جسکے اولوں کو تقدیر درمیاں
رعشہ کی ہر قدم پہ تھی جا بجا یہاں وہاں / آیا وہاں کہ بیٹھے تھے دونوں حضر جہاں
دونوں کی شکل سمجھ یہ جو کہ یک پڑی
نحوست پسینہ سے جبیں سے ٹپک پڑی
تم ہو گئے تو قد یہ کہا سمجھ کے کلام / اے وارثان حیدر و جعفر مرا سلام

کو لکھکر تنقید لکھ چکا ہے اسلیے اب کچھ مقام پر اختصار سے کام لیا گیا۔

یہ آن بان مان گئے رستمان شام — واللہ واہ۔ ختم یہ ہے جرأت کا اختتام

یہ بانکپن نظر میں کھبا جی میں گڑ گیا

سکہ دلوں پہ آپ کی عزت کا پڑ گیا

حیران ہیں سب یہ ایک اماموں نے کیا کیا — تم تو نہ جاہل علم مصطفےٰ کیا

منصب تمہارا بھائی کو اپنے عطا کیا — لشکر سے آکے آپ اٹھ آئے بجا کیا

تمہیں تیغ جب نبرد تو خوردوں کو چارہ کیا

الفت خدا کی دین ہے اسمیں اجارہ کیا

کتنا برمحل یہ فقرہ ایک مصرعہ میں نظم فرمایا ہے ۔ ع الفت خدا کی دین ہے اسمیں اجارہ کیا ۔ اور یا یہ خواں یہ عمدہ کسقدر ہے لگاوٹ کر زنا معلوم ہوتی ہے یہ تمام بات چیت اس ... کی ساتھ ادا فرمائی ہے ۔

شبیر ان سے ہم ہی جو دیں تو نہ لیجئے — حاضر یہ دو علم ہیں قبول انکو کیجئے

سب کچھ ہے چاہئے جو آپ دیجئے — سولہ پہر کی پیاس ہے پانی تو پیجئے

پانی سے پوچھ شوق ہے اب تشریف لے چلو

تو راکب لو نعش کو کھڑے ہیں چلے چلو

دنیا کے بدلے عاقبت اندیش ... — دھیان اپنی امان جان کے پر دکھائیے ضرور

اور نور حق کی آنکھ سے نور و شہود — پیوند خاک پر وہ شب میں ہوا جو نور

دنیا پھرے۔ زمین پھرے۔ آسمان پھرے

پر نکلے سر نہ تم سے دلیر زکی مان پھرے

تو فوج و ملک و مال و خزانہ بس اور کیا — بیٹے کو دھوم سے ہو روانہ بس اور کیا

دین بند خسروان زمانہ بس اور کیا — فرمائیے ہاں زبان سے یا نہ بس اور کیا

بیعت التوق کے در پہ جہان التجا کرے

اور پانچ وقت نوبت شاہی بجا کرے

ہر قوم ہر دیار کے یاں ہی ہیں کج کلاہ — ان کی انبساط تیغ کا دم۔ رد نو سپاہ

در نجف نہیں نگراں ہیں خدا گواہ　　فرمایئے جو آپ قدم رنجہ واہ واہ

جب ہاشمی کہیں کہ جگر ہم ہی کے ہیں

چلاؤں میں ادھر ہی نواسے علی کے ہیں

سر تاج تشنگاں کا جو سر کاٹ لائینگے　　دو مسندوں پہ تمکو بٹھائیں گے

سجاد کے پاؤں سوئے شام جائینگے -　　زنداں میں بوریا ہی نہ سونیکو پائینگے

ہو یا نہ ہو رہائی کبھی اوس اسیر کی

تم سے بڑھیگی نسل جناب امیر کی

سر تاج تشنگاں - یعنے تمام پیاسوں کے سر تاج امام حسینؑ کی طرف یہ اشارہ ہے - الکنایۃ ابلغ من التصریح - اگر بجائے اُس کے امام حسینؑ کا اسم گرامی بھی نظم ہوتا تو یہ لطف نہ تھا - ایسے ایسے الفاظ - گریہ خیز - ہیں جو انہیں ز مرثیت کا ہے اسی کا نام استادی ہے - خیر - اب شمر کی گفتگو سننے کے بعد غصہ سے یکایک جو کیفیت حضرات عونؑ و محمدؑ کی مزاج کی ہوگئی اسکی تصویر دیکھئے - کیسے جوشیلے الفاظ میں جناب مرزا صاحب مغفور کہتے ہیں

(قافیے دیکھئے)

یہ سنکے آپمیں نہ محمدؑ رہے نہ عونؑ　　دو عرش کانپے پایۂ دبالا ہوئے دو کون

غصے سے سرخ ہو گیا یاقوت سرخ کا لون　　شیر خدا کے شیر جو بپھریں سنبھالے کون

تن تن کے صاف سینوں کی ڈھالیں سنبھال لیں

آدھی سروہیاں کمروں سے نکال لیں -

دیکھئے مرثیت کے پہلو یہ بزرگوار کس عمدگی سے نئے سرے نکالتے ہیں

اللہ رے پاس شرع شہنشاہ انبیا -　　چھوٹے سے بن طیش میں آئے مگر کہا

یہ ایلچی نے فوج کا اسکو زوال کیا -　　وہ بولا یاد کیجئے مسلم کا ماجرا -

کیا ایلچی حسینؑ کا یہ سو طن نہ تھا -

تشہیر لاش ہوئی تھی غسل و کفن نہ تھا

تیسرے مصرع میں ایک مشہور مقولہ کی طرف اشارہ ہے - کہ ایلچی را چہ زوال اور پھر اس سے مسلم ابن عقیل وکیل امام حسینؑ کی مصیبت کا اشارہ فرمایا - یہ نشتر و خنجر ہیں - ۱۲ -

چلایا ستم تو اہی مسلم کا خون بہا — حاضر ہے سر بھی لاش بھی چاہو دفنا و لیجا
کہتا ہوں پھر حضور معاف اگر ہے قصور تھا — اب بھی سمجھئے دیکھئے اپنا برا بھلا

ماتھے پہ باندھ لیجئے دو سہرا تو باپ کو
دولہا تو کیجئے لاش پہ باندھئے آپکو

یوں تو تمام بند سہل ممتنع ہے مگر یہ ہیں تو وہ تاثیر نامرادی اور بیچارگی کی کوشش کر رہی ہے کہ جسکی کماحقہٗ تعریف ہو سکتی ہے نہ دوسرا مرثیہ گو شاعر ایسی بندش بیت کہہ سکتا ہے۔ اب دلیروں کے تیور دیکھئے استقلال کا رنگ نظر ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

آخر کہا علی کے نواسوں نے بک بک — بس بس زیادہ منہ سے نہ ادا ہو بات تک
چپ تھا کہ انکا چپ سر کٹے اور پھر — یہ شور و شر نہ ہو کہ خدا کانپ اٹھے فلک

ہمکو نہیں خدا کو جو پہچانتے نہ ہوں
یہ ان سے کہہ جو تجھے جانتے نہ ہوں

او صبح کاذب افق شام تیرہ فام — آل عبا ہیں مخبر صادق سے یہ کلام
دھوکوں سے آدمی ستم و کفر اہل شام — دلکو چراغ گل کے جلانا ستم ہے کام

شیطان ازل کے روز سے آدم سے ہے خفا
تو آدمی کی شکل ہیں عالم فریب ہے

لایا ہے وہ علم بھی تو مکار ہے برا — سیدھی تو ہے یہ بات عقیدہ میں ہے بڑا
پیغمبری علامت نہ دین شریف لڑا — سر تن ہے اسکے مجرے کو آئی ابن ہے

نیزہ تیر نشانوں کا ایسا ہوا ہی ہے
جعفر نے اور حمزہ نے ان کو چھوا بھی ہے

اب اس کا جواب سنئے جو شمر نے کہا تھا کہ امام حسین نے ع منصب تمہارا — بھائی کو اپنے عطا کیا۔ اور اس ذریعہ سے اوسنے گویا امام حسین کی عدل و انصاف پر حملہ کیا تھا۔

او جاہل شریعت پیغمبر انام ۔ انصاف ہیں حسینؑ کے تجھکو ہی کیا کلام
جنکا خدا خلاف ہے جن کے ہیں امام ۔ شان امام یہ ہے کہ عادل ہو والسلام
منصف ہیں یہ کریم ہیں یہ مقتدا یہ ہیں
برحق وزیر اعظم ذات خدا یہ ہیں

کل روز حشر انکی عدالت کو دیکھنا ۔ دشمن پہ قہر دوست پہ رحمت کو دیکھنا
تقسیم کرتے دوزخ و جنت کو دیکھنا ۔ کسطرح بخشواتے ہیں امت کو دیکھنا
اب صبر ہے کرم ہے کیا فی جہاں رہے
انصاف اگر کریں تو نہ تیرا نشاں رہے

از روے ارث و انصاف حضرت عباس ابن علیؑ کا مستحق علمداری ہونا ۔ بیان فرماتے ہیں ۔

ہمدوش حمزہؑ ۔ حیدر کرار تہے نہ تھے ۔ روز احد نبیؐ کے علمدار تہے نہ تھے
عباسؑ اس علم کے سزاوار تہے نہ تھے ۔ شاہ نجف کے یہ ورثہ دار تہے نہ تہے
تو یہ جدا ہم اس پہ امام ہدےٰ سے ہوں
بیٹے کے ہوتے ۔ نانا کے وارث نواسے ہوں

اوپر کے بند میں تو حضرت عباسؑ کا مستحق علمداری بروے ورثہ ہونا ثابت فرمایا ۔ اب انکی جوہر ذاتی اور قابلیت نفسی کا بیان ہے کہ اونکی ذات میں کیا کیا صفات حسنہ ہیں جن سے اون کا حق مرجح تھا ۔

اس بار کے اوٹھانیکو طاقت بہی چاہیے ۔ طاقت فقط بخیر لیاقت بھی چاہیے
صاحب علم کو حسن رفاقت بہی چاہیے ۔ دل و وفا زباں کو صداقت بھی چاہیے
ایسا ہے منتظم کوئی تیرے قیاس میں
لاکھوں سے جو لڑا ہے بہتر کو پیاس میں

ہم ۔ وہ ہیں ایک تجھکو ارے ہے خیال کیا ۔ اون کو ملا ہمیں کو ملا قیل و قال کیا
یہ تو ہماری عین خوشی تہی ملال کیا ۔ حکم امام میں ہو تفاوت ۔ مجال کیا

اس رہ نما پہ خضر بھی الیاس بھی نثار
ہم بھی علم بھی فوج بھی عباس بھی نثار

اے شمر کس شمار میں تو اور ترا یزید
اور کس قطار میں ہے صفِ لشکر پلید *
شاہو نہیں ہے دولت شداد کا شدید
آج اوسکی خاک تک بھی زمیں سے ہے ناپدید
نمرود کو خدائی کے دعوے سے کیا ملا
ہندو نہیں جسنے ترک خودی کی خدا ملا

* شداد و شدید میں رعایت لفظی ہے۔ یہ دونوں بھائی بادشاہ تھے۔ جب شدید مرگیا تو شداد تمام ملک کا بادشاہ ہوگیا۔ جالوت ابھی شدید کی لشکر میں

روزمرہ محاورے میں بولتے ہیں۔ کہ وہ کس شمار اور قطار میں ہے۔ مصنف نے لفظ شمر کے پاس شمار لاکر ایک صفت لفظی پیدا کردی ہے اور دوسرے مصرعہ میں قطار کا لفظ صف لشکر کے واسطے کس خوبی سے استعمال فرمایا ہے۔ غرور کی مذمت اور بے ثباتی عالم۔ کو کس شد و مد سے شداد و نمرود کی مثال دیکر بیان کیا ہے۔ یہ چھٹا مصرعہ تو ایسا موثر ہے۔ کہ جسکی تعریف نہیں ہوسکتی مضمون کس پایہ کا ہے کہ جس نے خودی کو چھوڑدیا۔ اوسکو خدا مل گیا۔ واقعی غرور و تکبر ایسی ہی بری چیز ہے۔

بے ثباتی دنیا

دروازے اس چمن کے ہیں دو آکے آک جدا
دربان ہے ایک پہ حیات ایک پر قضا
مشتاق سیر باغ کو عبرت کی ہے ندا
اک در سے آ تماشے کو اور ایک در سے جا
شاہ و گدا کا مسند و بستر سے کوچ ہے
اک در سے داخلہ ہے اور اک در سے کوچ ہے

اس بند کو بار بار پڑھئے - دنیا کی مثال اس سے بہتر - اور عبرت انگیز شاید اور کسی
کلام میں کم ملیگی زندگی اور موت کی بعینہ یہی حالت ہے

دنیا کا نقشہ

ہر فرد شوق نامۂ ہستی ہے یکقلم — یاں روز اک طلسم بنا اور بگڑ گیا
پیک اجل پکارتا ہے نامہ بر ہیں ہم — یاں شب کی شب بسا جو مسافر اجڑ گیا
نامۂ جبیں پہ نشان ٹھیکریں رقم — یاں کل نہال تازہ جما آج اکھڑ گیا
پہونچے مقام گور سے یہ خط سوئے عدم — نام خزاں کا سکۂ زر گل پہ پڑ گیا
کل ایک ہفتہ باغ میں گل میہمان ہے — یاں دن نہ سن حساب کا کچھ پوچھیے
سبزہ گل ہوا کی رخصت کا پاس ہے — تنکے کسے کھڑے ہیں سواری کی دیر ہے

میرے بزرگ کرم فرما حاجی نواب سید محمد جعفر صاحب قبلہ عرف نواب پیارے
صاحب رئیس شمس آباد ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے
کہ جس عظیم الشان مجلس لکھنؤ تولہ گنج حسینیہ داروغہ میر واجد علی تسنیم مرحوم
میں مرزا صاحب مرحوم نے قریباً ۱۸۷۲ء میں یہ مرثیہ پڑھا تھا میں اس میں موجود
تھا۔ صفحہ ۹۰ حیات دبیر پر جو کثرت اہل مجلس کی میر دستور علی صاحب بلگرامی کے
حوالے سے لکھی ہے - وہ بالکل صحیح ہے - اس مجلس میں جناب میر اسمٰعیل حسین
صاحب منیر مرحوم بھی تھے - مرزا صاحب زیادہ تر ان کا نام لیکر مخاطب ہو
ہو کر جا بجا سے مرثیہ کے نئے مضامین پڑھتے تھے - مجلس میں وجد کا عالم تھا
ایک اور صاحب فرماتے تھے - کل ایک ہفتہ باغ میں گل میہماں ہے - سبزہ بہار

باغ کی رخصت کا پان ہے۔ یوں مرزا صاحب کی یہ بیت بڑی تھی۔ اکثر حاضرین اہل علم نے یہ آوازیں بلند کی تھیں۔ کہ یہ مضمون بالکل نیا ہے کسی نے آجتک نہیں کہا۔ بیت کے اوپر کے چاروں مصرعے ذرا دقیق ہیں۔ اس لئے شرح عرض کرتا ہوں۔ ہر فرد یعنے انسان ہستی کا گویا نامہ شوق ہے۔ یہی چاہتا ہے کہ ہمیشہ زندہ رہے مگر موت کا قاصد یہ پکارتا ہے کہ ہم اس نامہ کے نامہ بر ہیں اسکو لے جائینگے۔ انسان کی پیشانی پر اس طرح پتہ لکھا ہوا ہے۔ جیسے لفافہ پر ہوتا ہے اور وہ پتہ یہ ہے کہ مقام قبر سے یہ خط عدم میں پہونچے۔ پھر بیت میں فرماتے ہیں کہ انسان پر منحصر نہیں بجز خدا کے ہر چیز فانی ہے۔ پھول بھی بس ایک ہفتہ باغ میں مہمان ہے۔ ادہر سبزہ ظاہر ہوا۔ اودھر کوچ ہے۔ پژمردہ ہوکر نیست و نابود ہوگیا۔ گویا سبزہ رخصت کا پان ہے۔ جو ہندوستان میں چلتے وقت مہمان کو دیا جاتا ہے۔ ابوالجنان جلد اول مطبوعہ کے صفحہ ۲۳ پر یہ شعر ہے ؎ دور نشاط زود بانجام مے رسد۔ یک ہفتہ شادمانی گلزار بیش نیست۔ مگر مرزا صاحب مرحوم کی بیت میں جو مضمون ہے وہ اس بیت فارسی میں نہیں ہے۔ مرزا دنیا کی بے ثباتی بیان کرکے اپنا استغنا ظاہر کرتے ہیں

انبار سیم و زر کے جو اہل درم لگائیں — بھولے سے ہم نہ ہات خدا کی قسم لگائیں
آنکھوں میں سنت کا سرمۂ خاکِ قدم لگائیں — پارس کے بھی پہاڑ کو ٹھوکر نہ ہم لگائیں
سب نے زباں سے آب و غذا کا مزا لیا
ہم نے فقط زباں سے نام خدا لیا۔

ارشاد ذو المنن ہے اگر بہر امتحاں — پیدا ہوں سو ہزار زمیں لاکھ آسماں
اور ایسے لاکھ شہر بسیں انکے درمیاں — ہستی بھی جاوداں ہو حکومت بھی جاوداں
لینے کا سلطنت کے نہ زنہار نام لیں
ہم دونوں ایک دامن شبیر تھام لیں

فرماتے ہیں کہ سلطنت لینے کا نام ہی نہ لیں۔ بلکہ با وصف ایسے عظیم الشان

سلطنت جہان ہونے گئے - ہم دونوں بھائی ایک ہی دامن امام حسینؑ کو تھا ہیں - ایک دامن نے عجب لطف دیا ہے یہ انتہائی قناعت اور کمال اتحاد ہے - کہ دونوں بھائی دامن بھی تھا ہیں تو ایک ہی - سبحان اللہ - مصنف مرحوم جس رنگ کو چاہتے ہیں - عجیب شان سے دکھاتے ہیں - غزل کے بند میں استغراق کی بہار دیکھیے - اور جو لوگ استعارات کو پسند فرماتے ہیں - اون کے دل سے انکی قدر پوچھیے -

دیکھے زرہ کی چشم نے ہم سے نہ صف شکن - گو شش سپر نے بھی نہ سنے ہم سے تیغ زن
پلٹے کہیں نہ خود نے بھی ہم سے سر فگن - سینو کو سی کٹری میں جو کچھ ہو لتا ہے رن

اقبال سے حسین علیہ السلام کے
ایسا لڑیں کہ قلعے ہلیں روم شام کے

عباس ابن شیر خدا - مدظلہ - ماموں ہمارے صل علا - مدظلہ
رایت کشائے فوج ہدا - مدظلہ - سایہ ہے جنکا ظلِ ہما - مدظلہ

ستر و دتن تمام زمانے سے نیک ہیں
عباسؑ اون چہیتے ہوئے نیکو نمیں ایک ہیں } حاشیہ ١

انکو ملا علم تو ہمیں کو ملا علم - خاطر ہماری ایسی ہے انسے کہیں جو ہم
اونے انکو بخشیں علم خسرو امم - ہر ہم تو خوش ہیں آپ کے شہ فضل ہو ہم

سردار ایک ماموں علمدار دوسرا
ہم سا بھی ہے جہاں ہیں کو دار دوسرا } حاشیہ ٢

[illegible]

اب علمدار کی تعریف کے بعد سردار کی مدح فرماتے ہیں۔

عرش علا ہے فرش ضیا گستر جبین
ہے عرشیوں کو شوق کہ ہوں لشکر حسین

افلاک ہیں مجا فظ نہ دفتر حسین*
ہم کیا بڑے بڑے ہیں نمک پرور حسین

حق نے ہماری نالی کو جب کر جدا کیا
اب و نمک جہیز ہیں بالکل عطا کیا

امام معصوم کی شان اختیار است اور اس کے ساتھ حالت مجبوری دیکھائی ہے عجیب لطیف مضمون ہے۔ ذیل کے دو نوں بند امام حسین کی شان ہیں ہیں جن میں سے پہلا صاف صاف۔ مگر دوسرا ذرا دقیق ہے۔

فردوس پیش چشم ہے اسرار دیکھ لیں
اپنے محل سے خلد کا گلزار دیکھ لیں

چاہیں تو بھی کی ابتدا پیغمبر اظہار دیکھ لیں
آنکھوں میں نبض مردم بیمار دیکھ لیں

قدرت ہے سب طرح کے سفید و سیاہ کی
لیکن نہ ہے نہ ہوسکی قدرت گناہ کی

مطلب یہ ہے کہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر عصمت کے سبب سے گناہ کسی طرح نہیں کر سکتے۔ یہ عجیب لطیف عصمت کی مدح ہے۔ چوتھے مصرعہ میں مردم بیمار کی نبض دیکھنا عجیب مضمون ہے۔ مردم بیمار عام شعرا پتلی کو کہتے ہیں۔ اور بیمار کی نبض دیکھنے کا رواج ہے۔ مصنف کہتے ہیں۔ کہ حکیم ربانی امام زمانہ آنکھوں میں نبض دیکھ سکتے ہیں جلد اول حیات دبیر کا صفحہ ۲۹ لہ۔ اس موقعہ پر قابل ملاحظہ ہے

قاتل کو بھی امام دیتے ہیں تحفہ عرض
رہتے ہیں بے خدا کی عبادت میں بے غرض

جوہر ہے لال حضرت زہرا کا سب عرض
یہ خاص سب عوام یہ دعا ہیں ہیں کل مرض

سب سایہ ہیں ہے جان ہی بے گمان ہے
سایہ نہ جان میں ہے نہ سایہ میں جان ہے

*حاشیہ تیسرے مصرعہ میں نہ دفتر حسین سے غالباً مراد مصنف کی نو اماموں سے ہے جو نسل امام حسین سے ہوئے ہیں۔ اور آسمان بھی نو ہیں یہ مزید لطف و رعایت ہے۔

میں اوپر عرض کر آیا ہوں۔ کہ یہ بند دقیق ہے پہلے اور دوسرے مصرعہ میں تو شان امام دکھلائی ہے۔ کہ قاتل کو جام شبیر۔ تقریر کے عوض دیتے ہیں یہ جناب امیرؑ کی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ آنہوں نے ابن ملجم مرادی (اپنی قاتل) کو جام شیر دیا تہا۔ دوسرے مصرعہ میں (جو سلیس ہے) فرماتے ہیں کہ خدا کی عبادت میں بغیر کسی غرض کے مشغول رہتے ہیں۔ یہ مشہور قول جناب امیرؑ کیطرف اشارہ ہے۔ جس کو ہم نے حیات دبیر جلد اول میں صفحہ ۲۹۶ پر مفصل بیان کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کو عبادت و شکر کے قابل پایا ہے۔ اس لیے احرار ازاد یعنے خاصان خدا اوسکی عبادت کرتے ہیں اور کوئی غرض نہیں ہے۔ تیسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں۔ کہ امام حسینؑ (جگر بند جناب صدیقہ کبرے فاطمہ زہرا)۔ بمنزلہ جوہر کے ہیں۔ اور تمام بندگان خدا مثل عرض کے ہیں جوہر اُسکو کہتے ہیں۔ کہ جو قایم بذاتہ ہو۔ جیسے تلوار۔ عرض اُس کو کہتے ہیں جو قایم بغیرہ ہو۔ جیسے تلوار کی دہار۔ کہ اگر تلوار نہ ہو تو دہار بہی نہ ہو۔

چوتھا مصرعہ صاف ہے کہ امام حسینؑ خاص اور سب عام ہیں۔ اور عام بمنزلہ مرض کے اور امامؑ بمنزلہ درمان کے ہیں۔ سب لوگ سایہ کیطرح اور امامؑ مثل جان کے ہیں۔ مگر نہ تو سایہ میں جان ہے۔ اور نہ جان میں سایہ ہے مطلب یہ ہے کہ نہ خاصان خدا (ائمہ ہدی) عام میں داخل ہیں اور نہ عام لوگ اون میں شامل ہو سکتے ہیں۔ شیخ ناسخ مرحوم کا مشہور مطلع ہے۔ **۵**

جو خاص ہیں وہ شریک گروہ عام نہیں — شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

مرزا صاحب مرحوم نے اون سے بالکل علیحدہ تشبیہ اور علیحدہ مضمون فرمایا۔ کہ نہ عام خاص میں داخل ہیں اور نہ خاص عام میں شامل ہیں۔ آخیر پر اتنا اور عرض کرنا ضرور ہے کہ چاروں مصرعوں کے قافیہ بہی میرے علم میں اُس مرثیہ سے پہلے خود مرزا صاحب یا اور کسی مرثیہ گو نے کسی مرثیہ میں نہیں باندہے تھے۔ اس گفتگو کے متعلق دو بند اور رہ گئے۔

آنکھوں میں بے حیائی ہے یا کچھ حیا بھی ہے ‌ ‌ ‌ حاکم کا ڈر ہے دل میں کہ خوفِ خدا بھی ہے
کیوں شمر ہم جدا ہوں تو آب و غذا بھی ہے ‌ ‌ ‌ ورنہ گلے پہ تیغ ہے سر پر بلا بھی ہے

ساغر سنا کہ دردِ عطش لاعلاج ہے
پیاسے بہن ہمارے ولی نعمت آج ہیں

یہ اُس کلام شمر کا جواب تھا۔ جو اس نے کہا تھا۔ ع سولہ پہر کی پیاس ہے پانی تو پی جیئے۔ بیپ لاجواب ہے۔ خصوصاً ایک لفظ ولی نعمت ایسا پیارا رکھا ہے کہ تمام بیت میں جان پڑ گئی۔ آب آ گئی۔ اب اُس کا جواب سنئے۔ جو شمر نے کہا تھا۔ ؎ دنیا پھرے۔ زمین پھرے۔ آسمان پھرے۔ پھر نکلے سر نہ تم سے وہ بیرونکی مان پھرے۔

حافظ خدا ہے اماں کے پردے کی فکر کیا ‌ ‌ ‌ شب کو اسی ہراس میں تھی آلِ مصطفےٰ
اماں نے ہاتھ جوڑ کے ماموں سے یہ کہا ‌ ‌ ‌ امت پہ جان صدقے ہے کیا چیز ہے ردا

نبیوں کا رُخ پہ حشر میں جنت کا در کھلے
پردہ نہ انکا فاش ہو ہم سب کا سر کھلے

اب مصنف وہ سین دکھاتے ہیں کہ شمر سے باتیں کرتے ہیں جو سید انیوں کی خیموں میں حالت ہو گئی تھی۔ کیونکہ شمر ایک مشہور مکار دشمن تھا۔ اس سے بات کرنا بھی انکو عار و ناگوار تھا۔

ناگاہ بارگاہِ حسینی ہلی تمام ‌ ‌ ‌ دیکھا کہ خاص خیمہ میں برپا ہے حشر عام
فضہ پکاری عون و محمد کا لیکے نام ‌ ‌ ‌ دوڑو جو زادو ہمیری شہزادی ہوئی تمام

غیرت کی کو وقت دل سے نہ اٹھی گذر گئیں
بے پسینے شرم سے آئے کہ مرگئیں

غوارسے نہ مار تو یوں مار بے خطا ‌ ‌ ‌ اب ہات جوڑ جوڑ کے یہ کہہ رہا ہے کیا
تم نے طلب کیا کہ خود آیا یہ بے حیا ‌ ‌ ‌ مطلب غرض فرا دو سبب و وجہ مدعا

کاٹو زبان کہ پھر نہ کبھی ہم کلام ہو

اک پنجہ لگاؤ کہ قصہ تمام ہو۔

تم نیک ہو تمہاری بلا جانے مکر و فند — یہ شمر اپنے نام کا ہے ایک خود پسند
حضرت کے چاؤ پیار سے تم ہو جو بہرہ مند — منظور ہے کہ پست ہو۔ وہ رتبہ بلند

سو یہ بخیر۔ ربط یہاں جانبین ہیں
ایسے نہ تم ہو۔ اور ایسے حسینؑ ہیں

لالچ کا بھی زبان پہ سخن لایا ہوئیگا — باغی نے باغ سبز بھی دکھلایا ہوگا
بچہ سمجھ کے دونوں کو بہکایا ہوئیگا — لیکن جواب سنکے مزہ پایا ہوئیگا

اتنا نہ سمجھا رشتہ ہے شاہ حسینؑ سے
زینب کا دودھ پیکے پھریں گے حسینؑ سے

نزدیک تھا کہ دونوں کا دل آب آب ہو — بولے بس اب کوئی نہ سوال و جواب ہو
او شمر الحیا لشانہ تیر شباب ہو — دنیا خراب ہو۔ تری عقبیٰ خراب ہو

کیا جانے کیا حضور نے جانا غضب ہوا
اماں نے سن لیا تیرا آنا غضب ہوا

بچوں کے دل میں جو خوف پیدا ہو گیا تھا۔ بالکل اسکی تصویر کھینچ دی۔ اور آئندہ بند میں ۲ واقعات کی تصویریں کھینچی ہیں۔ (۱) شمر کے واپس جانے کی (۲) بچوں کے حرم میں پریشان آنے کی

شیروں سے ڈر کے بھاگ گیا شمر بد سگال — جسطرح چوٹ کھا کے پھرے جوگڑی غزال
راہی حرم سرا کو ہوئے یہ ملک خصال — کچھ غصہ کچھ حجاب۔ کچھ تشویش کچھ ملال

چلنے میں شرم سو قدم آگے بڑھی ہوئی
منہ اترا اترا غصہ سے تیوری چڑھی ہوئی ۱؎ حاشیہ

[illegible]

کلثوم ہاں کھڑی تہیں پس پردہ بیقرار ۔ ادن سے کہا دلیر وہی تیے یہ ہو کے شرمسار
یوں تو ہر ایک وقت سے بندہ قصور وار ۔ پر اس گھڑی قصور نہیں اپنا زینہار
اماں کے دل میں شک جو پڑا ہے نکال دو
دونوں کو دونوں پاؤں پہ لیجا کے ڈال دو

دوڑیں وفور طیش سے خود زینب حزیں ۔ فرمایا میں تو آنیکو نہی ننگے سر نہیں
کہا مشورہ تہا شمر سے وہ بولے کچھ نہیں ۔ فرمایا خوب لوگوں میں چرچے پھیلے پہرے ہیں
شمر لعین نے صلح جو ٹھہرائی ہوئیگی
مرضی تمہاری تہوڑی بہت پائی ہوئیگی

یہ خاص محلات شاہی کی زبان ہے ۔ جو شاہزادیاں بولتی ہیں ۔ اس کا لطف وارثان اردوے معلیٰ کے دل سے پوچھئے ۔ صاف و شستہ زبان اور پھر ایسا حسن بیان سبحان اللہ

مالک سے ہنے پوچھ لیا تہا ۔ جواب دو ۔ زینب نے تمکو اذن دیا تہا جواب دو
اکبر سے اس کا ذکر کیا تھا جواب دو ۔ اس دن کو میرا دودھ پیا تہا جواب دو
اب سوچ ہے نجات جو دنیا سے پاؤ گی
جنت میں اپنی ماں کو ہیں کیا منہ دکہاؤ گی

ہے ہے مجہی تو اور یہ سواس اب ہوا ۔ شاید علم نہ ملنے کا تمکو تعب ہوا
عباس کو ملا جو علم کیا غضب ہوا ۔ گذرا جو ناگوار خلاف ادب ہوا
آئے کوئی بلا نہ پہپکی کہائی
قربان تم ہوئے ۔ میرے عباس بہائی پر

قدرت خدا کی اپنے بزرگوں سے آن بان ۔ تم کو بھی اب ہوئی یہ لیاقت خدا کی شان
منہ پر حضور کہتے ہو اور چہوٹے ماموں جان ۔ او بیٹھ بیٹھے ہائے غضب ہمیں لگا دیں بیان
دونوں جہان میں مورد الزام کر دیا
تم نے ہمارے دودھ کو بدنام کر دیا ۔

اوپر کے چاروں قافیوں میں نون کا اعلان مزہ دے رہا ہے - اب حضرت جناب زینب سب باتیں فرما چکیں تو یہ شاہزادے جواب دیتے ہیں ؎

قبلہ کو ہات اوٹھا کے پکارے وہ مہ لقا — اماں الٰہ رب کعبہ کہ خادم ہیں بے خطا
سن لیجیے ہماری تو پھر ہو جیے خفا — جنکو حضور پالیں گی وہ ہونگے باوفا
چاروں ملک جو مالک تقدیر سے پھریں
ہم دونوں بہائی حضرت شبیر سے پھریں

فرشتوں میں چار فرشتے اعلےٰ درجہ کے مشہور ہیں - جبرئیل - میکائیل - اسرافیل - عزرائیل چاروں ملک سے مراد انہیں سے ہے کہ ان چاروں فرشتوں کا ایمان اور ملائکہ سے بڑھا ہوا ہے -

قرآں یہ بات رکھنے کو موجود ہیں غلام — قرآں ہمارا کیا ہے سر اقدس امام
اکبر سے پوچھ لیجیے نا اے فلک مقام — کہہ جائے جھوٹ سچ کی حقیقت الٰہی کلام
خدمت علم کی سیف خدا نے جو پائی تھی
پہلے تو اونکو نذر ہمیں نے دکھائی تھی
منہ سو کہنا ہے کہتے ہوئے چھوٹی ماموں جان — غربت میں اونکی جان کو اللہ کی امان
ہم خاک پا ہیں اُن سے بھلا ہمسری کا دھیان — اون سا نہ ضد نہ ہٹ نہ حمیت نہ آن بان
وہ باپ کی جگہ ہیں - بجائے امام ہیں
وہ نائب حسینؑ - ہم اُن کے غلام ہیں

ع - منہ سو کہتا ہے کہتے ہوئے چھوٹے ماموں جان - یہ خاص روزمرہ اہل زبان کا ہے - منہ نثر معلوم ہوتا ہے - خدا کی قدرت نظر آتی ہے - ع یہ سہل ممتنع ہے کلام اوف نہیں -

شمر زبان دراز پہ تنا اختیار کیا — کچھ یاد بھی نہیں کہ لکھا نا لکھا کیا
کاذب کے قول و فعل کا ہے اعتبار کیا — ہم تو وہی ہیں آپ کو پھر اضطرار کیا
ایسے دئیے جواب کہ نقشا بگڑ گیا -

جیتا زینب میں صورت فاروق گزر گیا ۔ رہا شبیہ

زینب پکاریں میں تو ہوئی سب میں سرنگوں ۔ ہے ہے اک بخ سے یہ رنج ہے فزوں
اک تیغ سے بہائیگا یہ پنجتن کا خوں
پیر شوق شیرِ حق کو پکاریں دُہائی دُوں

الفت جو تھی حسین علیہ الصلوٰۃ کی
کیوں تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی

وہ بولے ہاں سکوت کی لائے نہ تاب ہم
کس منہ سے جاتے پیش رسالت مآب ہم
سنتے حقارتِ شہِ عالی جناب ہم
حضرت کا دودھ پیکے نہ دیتے جواب ہم

زینب پکاریں پھر کوئی شاہد کوئی گواہ
مڑ کر نجف کو بولے کہ نانا علیؑ گواہ

یہ پورا مکالمہ۔ اس موقع پر میں نے لکھدیا ہے۔ ایک بند بھی درمیان سے حذف نہیں کیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ فرمائیں۔ کہ جا بجا جو میں انتخاب کرتا ہوں وہ صرف بخیالِ طول ہے۔ ورنہ سست کلام بہت کم ہوتا ہے۔ خصوصاً ان مرثیوں میں جو خاص اپنے رنگ میں فرمائے ہیں۔

چودھواں باب
۱۴

حضرت عون و محمدؑ کی رخصت و جہاد و شہادت

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ مرزا صاحب مرحوم کے ایجادوں میں سے ایک یہ بھی ایجاد ہے۔ کہ جا بجا مطلع لگا دیتے ہیں تاکہ ذاکر بشرطِ ضرورت اوسی مطلع

[illegible]

سے شروع کر سکے۔ بعض نافہیم اس کو بھی سمجھتے ہیں کہ سلسلہ قائم نہیں رہتا۔
حالانکہ مطلع اور اوسکی مابعد کی دو وایک بند ذاکر کو چاہیے کہ صرف اوس مجلس میں
پڑھے جسمیں مطلع درمیانی سے مرثیہ پڑھنا شروع کرے ورنہ انکو نہ پڑھے۔
تو سلسلہ قائم رہتا ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر میں دو مطلع لکھتا ہوں اگر ذاکر
شروع سے مرثیہ پڑھ رہا ہو تو ان مطلعوں کو نہ پڑھے

(مطلع درمیانی)

جوشن ہیں دو۔ پر ایک صغیر اک کبیر ہے — زینب کے مہ رخوں کی یہ کامل نظیر ہے
اک لال بدر۔ ایک ہلال منیر ہے — ایک ایک جوشن شہ برنا و پیر ہے
جوشن ہیں وہ کہ بازوئے روشن کی زیب ہیں
روشن ہے بازوؤں سے کہ جوشن کی زیب ہیں

دیکھیے کسقدر نئی اور کامل تشبیہ ہے۔ کہ جوشن صغیر و جوشن کبیر دو مشہور دعاؤں
سے ان دونوں شاہزادوں کو تشبیہ دی ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آئندہ
بندمیں اور بھی چند مناسبتیں بیان کی ہیں۔ اسی کو بات میں سے بات نکالنا
کہتے ہیں۔

مجموعہ تھا دعاؤں کا ہے جوشن کبیر
صد پارہ عضو عضو ہوئے وقت دار و گیر
بازو جو اس دلیر کا ہے جوشن صغیر
اس کے لئے ہیں نیزہ و زہ زخم تیغ و تیر
حفظِ امام کیلئے تیروں سے چھن گئے
جوشن تھے پر زرہ شہ والا کی بنگئے

جوشن کے معنے زرہ کے بھی ہیں جوشن کبیر و جوشن صغیر دو حفظ کی مشہور

دعائیں ہیں - جوشن کبیر - دعاؤں کی مشہور و مقبول کتاب سفینۃ النجات میں ہے - جو واقعی سو دعاؤنکی ایک دعا ہے - پس صد پارہ ہونیکی تشبیہ کسقدر مناسب و معقول ہے - جوشن صغیر اور دعاؤں کی کتاب میں ہے اوسمیں غیر مشہور و دقیق الفاظ اس کثرت سے ہیں - کہ معمولی عربی خوان بغیر کتاب لغت کی مدد کے معنی نہیں سمجھہ سکتے - شاید اسی سبب سے یہ دستور ہوگیا ہے کہ اعراب اوسکے الفاظ پر ضرور لگاتے ہیں - اس موقعہ پر زیر و زبر کی تشبیہ تلوار اور تیر کے زخموں سے نہایت موزون ہے -

مطلع ۲ درمیانی

اب جعفری گلوں سے وداع بہار ہے
طیار اجل بھی اپنے ہراک گلعذار ہے
زینب کو قطع نسل کا غم رولکار ہے
فوج حسینؑ حر کے لئے سوگوار ہے
سوکھے گلوں کو تیغ کی لذت کا ذوق ہے
بچپن کی موت رن کی شہادت کا شوق ہے

ان شاہزادونکو گل جعفری اسلئے کہا - کہ جعفر طیار کے یہ پوتے ہیں ۲ یہ شاہزادے ہیں - اس رعایت سے ٹیپ میں قافیہ بھی دوہرے لائے (۱) لذت و شہادت (۲) ذوق و شوق - اور ذوق و شوق بھی دو باتوں کا فرمایا (۱) بچپن کی موت (۲) رن کی شہادت کا - یہ بلاغت کی شان ہے - کہ ہر بات مناسب موقع و مقام ہے -

(رخصت شروع)

ناگہہ محل میں غرق بخوں لائے شاہ دیں
ٹکڑے بہن تو بولے - یہ میرا لہو نہیں
حر نے بسائی مقتل سادات کی زمیں
لاش اوسکی لا کے گود میں الغوث خود ہمیں
زینب نے حر کے سوگ میں فریاد و آہ کی
شرما کے پوچھتوں آپ اپنے نگاہ کی

حضرت سے ملتجی ہوئیں خود زینبِ حزیں عباس کو نشان جو تمنے کیا عطا۔ شہ نے کہا سعیدِ ازل ہے یہ نیک خو وہ گر پڑے حسین کے قدموں پہ دوڑ کر

کچھ جبر کا حق ہے ہمیں بھی فرمایا کیوں نہیں چپ چپ کچھ اس گھڑی سے ہیں دونو یہ مہ لقا ہے دور ان گالونکے بیان سے گلے کی لو پوچھا ہے شاہ نے کیوں ہیں یہ چشمِ تر

محسن ہے میر خورد و کلاں کا وہ خوش یقین آبا ہر سمجھانے شہ نے کیا جو ہیچ کہا۔ فضہ پکاری آئے شہِ دین کے روبرو مطلب ہے کیا جو میری خوشامد ہے اسقدر

اُس نے کہا کہ میرے بھی نزدیک ہے یونہیں انکو تو کچھ حیا ہے خوزادی کو کچھ گلا قربان جاؤں مصلحتاً ہے یہ گفتگو بولیں کسی کے دل کی مجھے بھائی کیا خبر

پر اوسکی بیکسی پہ جگر پاش پاش ہے عباس کی طرح سے کرم ان پہ کیجیے۔ دم بھرتے ہیں یہ ماں کا وہ دم انکا بھرتی ہیں یا پوچھو نہیں سے پاؤں پہ آنکھیں جو ملتے ہیں

تنہا تمہارے فدیۂ اول کی لاش ہے اونکو علم دیا ہے رضا انکو دیجیے شکوہ نہیں حضور سفارش یہ کرتی ہیں میرے صلاح مشورے پر کیا یہ چلتے ہیں

۳۱۰

خواب | شوق شہادت | بیکسی

بولیں مقیم کعبۂ اعظم نئے جب امام - زانو سے فکر پر شہ دیں نے دہری جبیں حضرت کے فدویوں کو شہادت کا شوق ہے - زینب کا حر کی لاش پہ ساماں کوئی نہیں

کیا دیکھتی ہو خواب میں اے قبلۂ انام - لیکر بلائیں کہنے لگیں زینب حزیں جنگل میں سیر گلشن جنت کا شوق ہے قرآں خواں کوئی نہیں گریاں کوئی نہیں

اک دشت ہولناک میں لوٹا لگا نظام کل سے میں جو کہا تھا وہ ہے یاد یا نہیں - جاگے ہیں شب کو خواب فراغت کا شوق ہے ماتم میں اس کے جاگے یاں کوئی نہیں

ہیں ماں میں دو خوشۂ انگور سبز خام - وعدہ تمہارے خواب کی تعبیر کا ہمیں - زینب کو حر کی لاش پہ زینت کا شوق ہے جز گیسوئے بتول پریشاں کوئی نہیں

ناگاہ زرد رنگ ہوا ہوش کھو گئے - اے یوسف علی میری خاطر نشاں کرو ہر طرح سے خون میں رنگیں لباس ہو - شامل رضا جو آپ کی تائید حق سے ہو

دو دانے یا تو سبز تھے یا لال ہو گئے - فرمایا تم نے خواب پھر اپنا بیاں کرو مہماں کی لاش بیچ میں آس پاس ہوں - زینب ادا تمہارے ہر اول کے حق سے ہو

ز قافیہ و ردیف کو دست گریبان دیکھیے

انگو میوہ میوے سے اولاد ہے مراد۔ بے ساختہ تڑپ گئے۔ دلکو پکڑ کے شاہ
لگے جو انکا رنگ ہوا اور۔ کیا کہوں

وہ دشت ہے یہ ماریہ معمورۂ فساد۔ چلائے آہ نیم جوانوں کی موت آہ
ہو ہو کے خون بہ گئے جس طور کیا کہوں

ہم یاں شہید ہونگے حدیث نبی ہے یاد۔ زینب پکارتی ہیں تو ہو سو راضی خدا گواہ۔ دیکھے جو خواب میں ستم و جور کیا کہوں

وہ دونوں دانے عون و محمد ہیں خوش نہاد۔ بولے حسین صبر کی توفیق دے الٰہ
ہیں لٹ گئی اجڑ گئی فی الفور کیا کہوں

ان کو ازل سے شوق شہادت کمال ہے اس خواب سے ہی غم کے سوا اور وہ بیان کیا۔ جو رنج ہمکو روز ازل سے نصیب ہیں

جینے کا رنگ سبز ہے مرنے کا لال ہے تعبیر تو عیاں ہے۔ عیاں کا بیان کیا ۔ بہیا تمہاری جان سے دور اب قریب ہیں

دوسرے مصرعہ کو غور سے پڑھیے۔ معمورہ ۔ بستی کو کہتے ہیں چنانچہ غالب کا مشہور شعر ہے ؎ ہے اب اس معمورے میں قحط غم الفت اسد ۔ ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا۔ مصنف مرحوم نے ماریہ کو معمورہ ہی نہیں کہا۔ بلکہ معمورہ فساد کہکر لطف پیدا کر دیا۔

(اختصار بیان کی شان دیکھیے)
کی عرض آشکار یہ تعبیر ہو گی کب
ہو کر حسینؑ بولے اسی روز۔ بلکہ اب
تسلیمیں تیغ ہا بجوں گے کہیں بصد ادب
ماں نے کہا مراد دلی پائی شکر رب
تعبیر خواب شہ نے تمہیں دی رضا تمہیں
آواز دو پکار رہی ہے قضا تمہیں

تین تسلیمیں کرنا شاہی ادب و قاعدہ ہے چوتھا مصرعہ ایک نشتر ہے ۔ آواز دو پکار رہی ہے قضا تمہیں

بولے حرم یہ صبر کے معنی ہیں آفریں
پر نذرِ ذوالجلال کا دستور یہ نہیں
بھیجو گی بارگاہِ خدا میں انھیں یوں ہیں
آلودۂ غبار ہیں گیسوئے عنبریں ۔
قربانی خلیل سے واقف زمانہ ہے
یاں رخت فاخرہ ہے نہ سرمہ نہ شانہ ہے

اس مشہور واقعہ کیطرف اشارہ ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند اسمٰعیل کو خدا پر قربان کرنیکو لے چلے ہیں۔ تو ان کو۔ ان کی ماں نے۔ نہلا۔ دھلا کے نیا لباس پہنایا تھا۔ حضرت اسمٰعیل اور شہدائے کربلا میں جو مناسبت و مشابہت ہے۔ ان سب کو دیکھیے۔

ابن خلیل راہِ خدا میں ہوئے فدا
بخشے خدا نے دو شرف انکو جدا جدا
یہ فدیۂ حسینؑ ہیں اور ہدیۂ خدا
کیا کیا نہ دھوم ہوتی جو ہوتے یہ کدخدا
تبدیل تم ادھر انکا رخت کہن کرو ۔
خلعت نئے دھرے ہوں تو زیبِ بدن کرو

نئے لباس پہننے سے پہلے نہانے کا دستور ہے۔ اب بات کو دیکھیے مصنفِ علام کیا مرثیت کا خلعت پہناتے ہیں۔

[illegible]

گویا یہ نئی شان سے سراپا کہا ہے

اک گوشے میں گئی وہ جگر گوشوں کو لئے
اور قیمتی جو اہر خلعت طلب کئے

لا لا کے کشتیوں میں کنیزوں نے رکھ دیئے
وہ دو جگر کا پردہ تھا تحلہ کے لئے

آئی ندائے بیکسی پیرہن ہوں میں
بچپن کی موت بولی تمہاری دلہن ہوں میں

سرمہ لگایا مدنگہہ کی سلائی سے
ظلمت کو روشناس کیا روشنائی سے

بھاگی ہزار میل کدورت صفائی سے
کم تھی نہ میل کلک قدر کی رسائی سے

سرمہ کے خط سے ترجمہ پورا النظر پڑا
مردم کو عین صاد کا سور النظر پڑا

سرمہ تھا یا وہ نور کی اقلیم کا سواد
ہالہ تھا ماہ چشم یا عین پر تھا صاد

تیغ نگہ کا رعب ہوا سرمہ سے زیادہ
[illegible] وہ پیکر کی خانہ زاد

مردونگی تھیں نہیں رتھی [illegible] ہو بھئی
تھیں دو سر دہیاں وہ برابر [illegible]

[illegible]

(پوشاک)

پہنایا جامہ زیبوں کو اپنے لباس جنگ — پوشاک یوں بدن میں کھلی جیسے گل پہ رنگ
الفت سے ہوں لپٹ گئیں مثل قبائے تنگ — ٹانکے لگیں جواہر خوش رنگ بید رنگ
شرکت جو حسن باطن و ظاہر کی ہو گئی
دونوں سے لاکھ زیب جواہر کی ہو گئی

پہلے مصرعہ میں جامہ زیبوں کا لفظ ایسا پیارا ہے - کہ مصرعہ میں جان پڑ گئی ہے دوسرے مصرعہ میں تشبیہ نئی اور لطیف ہے - ماں کا قاعدہ ہے - کہ اپنے بچوں کو لباس پہنا کر چھاتی سے لگاتی ہیں - تیسرے مصرعہ میں اس مضمون کو خوبصورتی سے مانند قبا سے تشبیہ دیکر بیان فرمایا ہے جبکہ لباس پہنا چکیں تو اب جواہرات سجنے کا بیان فرماتے ہیں - کہ حسن کا کمال یہ ہے - کہ ان حسین بچوں سے جواہر کی زینت ہو گئی - ذیل کے دو بندوں میں جواہرات کی تفصیل بیان فرماتے ہیں

موتی کی نہر میں وہ بلوریں کلائیاں — گرد ہلال عقد ثریا تھا ضو فشاں
اونگلی میں خاتمہ یہ ہے خاتم فیروزہ کا بیاں — فیروزۂ فلک ہے تہ زیر نگیں نہاں
اونگلی کی ضو نہ ماہ میں نے مشتری میں ہے
جو شے ہلال عقد ثریا میں بھی نہیں ہے
جوشن میں با رونق زبرجد آشکار — تھے مثل جو کہ عین اثر جنکے بے شمار
زیب جسے لال تھا نجف کے تھے رشتہ دار — در نجف کے ہار سے دونی ہوئی بہار
ٹانکے کا زر پٹکے کے سید نے سے گھٹ گیا
خورشید کی کمر سے لو لپٹ گیا - چ حاشیہ

چ حاشیہ - پانچواں مصرع عجیب شان کا ہے - اور اس میں ایک کنایہ ہے کا گویا نشتر ہے -

جھاڑی مژہ کے پنجہ سے پھر زلف مشک فام — روشن ہوئی ہزار شب قدر سے یہ شام
بولی ہماری شام غریبی ہوئی تمام — اب ہم ہیں اور گردش لیل و نہار شام

راضی ہوں سر کھلے کہ پریشان حال ہو
پر میرے پیارے بھائی کا بیکا نہ بال ہو

پھر زیور سلاح سنوار اپنے جدا جدا — قہر خدا کی تیغ [illegible] ڈھال
سلطان ملک حسن تھے اعضائے بے مثال — چار آئینے تھے چار و پیر کے خوش جمال

سر کو نجوم سبعہ نے مجرے ہیں ختم کیا
ہفت آسمان نے سبع مثانی کو دم کیا ۵

یہ دونوں دم آگئے جو خدمت میں شاہ کی — آنکھوں سے لگائے نور نگاہ کی [illegible]
تکلیں بہن کے صبر و تحمل پہ واہ کی — [illegible]

کیونکر جہاں سے جعفر و حیدر کو لائیں
پھولوں کی اور لباس کی زینت دکھائیں

کس قدر حسرت اور افسوس کے خیالات ہیں۔ اور کیسی دل پر چوٹ لگتی ہے

(مناجات حضرت زینبؑ)

زینب کو تھا ہجوم سے عجب طرح کا ہراس — الہی بہن نہ ہوگی بھائی کی حق شناس
زیر فلک کھڑی ہوئی اور سر دم وہ بیچو یاس — خورد و کلاں کو جمع کیا اپنے آس پاس

چلائی ہات جوڑ کے سب گھر کے سامنے
پھیلاؤ ہات خالق اکبر کے سامنے

سب قبلہ رو کھڑے ہوئے مثل صف نماز — شش ماہے کے بھی ہات کئے قبلہ کو دراز

۵ ہفت آسمان — سات آسمان [illegible] سبع مثانی — [illegible]

زینب نے سوئے قبلہ کیا گیسووں کو واز　　چلائی اے کریم توکل کا ہے کارساز
چاہے تو برج مہر میں ذرے کو راہ دے
جسکو کوئی پناہ نہ دے تو پناہ دے

دیتا ہے اے کریم تو سائل کو بے سوال　　بخشا خضر کو چشمہ سلیماں کو ملک و مال
ہم فاقہ کش ہیں تیرے نبی و علی کی آل　　نادار و بے دیار و پریشان و خستہ حال
اک چشم مرحمت ہے تری دو جہان پر
سب نعمتوں کا ذائقہ ہے اک زبان پر

عجیب بات فرمائی ہے کہ سب نعمتوں کا ذائقہ ہے اک زبان پر۔ فی الحقیقت تمام نعمتوں۔ تمام مزوں کو آدمی ایک زبان ہی کے ذریعہ سے محسوس کرتا ہے۔

سب بندگی کو ہیں تو خدائی کیواسطے　　سرکار حق ہے کار روائی کیواسطے
اس دم میں خواستگار ہوں بھائی کیواسطے　　آگے ترے کھڑی ہوں گدائی کیواسطے
نے ملک چاہتی ہوں نہ دنیا کے چین کو
بس بھیا مانگتی ہوں تجھی سے حسین کو

دو جانیں ایک جان کے بدلے قبول ہوں　　لونڈی کے بیٹے فدیۂ سبط رسول ہوں
یہ ہو تو بس تمام مرادیں حصول ہوں　　یارب نہ بے حسین کے اماں ملول ہوں
قرباں ہو گئے ہیں تری کبریائی کے
بیٹوں کو روئے روؤں نہ لاشے پہ بھائی کے

تقدیر انکی موت مجھے ایسی راہ میں لائے　　آئی ہو میرے بھائی پہ جو ان کے ساتھ جائے
بھابی کی مانگ کو یہ کوئی نہ آنچ آئے　　اجڑے ہوئے مدینے کو شبیر پھر بسائے
سب کی سلامتی میں بلا سے پناہ ہو
اصغر کا مکتب اور علی اکبر کا بیاہ ہو

(عون و محمد رن کو جاتے ہیں)

ناگاہ بے فروغ ہوا مشرق خیام　　زینب کے آفتاب چلے سوئے فوج شام

در پر ہوئی سواری آخر کی دھوم دھام
بھیجا قضا نے مالک اصطبل کو پیام

جائیں جو اوڑ کے خلد کو وہ دو سمند لا
تابوت غازیانِ شہادت پسند لا

ان بچوں کی گھوڑوں کو (جو مرنیکو جا رہے ہیں) تابوت سے تشبیہ دیکر غازیانِ شہادت پسند کے تابوت فرمائے۔ یہ بلاغت ہے اس سے بہتر ان کے گھوڑوں کی تعریف ہونا مشکل ہے۔

اصطبل سے مرقع صرصر رواں ہوئے
پہونچے دو اڑکے کہ نگاہ در رواں ہوئے

دونوں جہاں کے ہوش برابر رواں ہوئے
رفرف بنے ہوا سے عرش بریں پر رواں ہوئے

رضواں کا ایک قول تھا دونوں کی چال پر
آب و ہوا بہشت کی ہے اعتدال پر

دونوں گھوڑوں کی یکساں اور اعلیٰ درجہ کی تعریف فرمائی ہے۔ پہلے مصرعہ میں مرقع صرصر فرمایا جو تھے ہیں رفرف کا فرجانا کہا۔ یہ صنعت مقلوب ہے۔ کہ رفرف کو الٹو تو فرفر ہوتا ہے۔ خیر اسکو تو میں معمولی بات کہتا ہوں۔ مگر بیت غضب کی کہی ہے اور وہ یہی رضوان داروغہ جنت کی زبانی۔ کہ بہشت کی آب و ہوا اعتدال پر ہے۔ اور بہشت کی آب و ہوا کا معتدل ہونا اہل ایمان کے عقیدہ میں ایک مسلم بات ہے۔ الشیائی شاعری اور اسکے قدردان جب تک رہینگے۔ یہ مضامین یادگار رہینگے۔

اپنا عجز اور نامیدی لطافت شاعرانہ بیان فرماتے ہیں

مضامین فکر و نظر کے بیاں ہا و پر کرے
گو عرش پار طبع کے بازو شہپر کرے

صفحۂ قلم کے کالبد سے شق ہیر کرے
مضمون لطف پیچ کے ہو وقت نظر کرے

حیرت وہ ہے کہ پاؤں شریعت ہماں نہیں
تصویر کی طرح ہیں دہن میں زباں نہیں

[illegible]

حیرت کی حد کردی کہ ع تصویر کیطرح سے دہن میں زبان نہیں - اول تو تصویر ہونا خود حیرت کے مقام پر کہا جاتا ہے - جیسے بولتے ہیں کہ وہ شخص حیرت کے سبب تصویر بنگیا پھر لائق بیان نہ رہنے کی وجہ کیا خوب فرمائی کہ منہ میں زبان ہی نہیں واقعی تصویر کے منہ میں زبان نہیں ہوتی -

ہم اور ثنا علی کے نواسے کی کیا مجال
جنکے جلال و جاہ کا مداح ذو الجلال
ہیں شک نہ شرف میں زوال اور وہ کمال
لازم ہے باب علم سے اس بات میں سوال
مولا مدد کریں تو سخن اب تمام ہو
تائید جبرئیل علیہ السلام ہو

باب علم سے مراد جناب امیرؑ ہیں - حدیث مشہور و متواتر انا مدینۃ العلم و علی بابہا - کی طرف اشارہ ہے - اور بیت میں اور حدیث کیطرف اشارہ ہے کہ مداحان محمدؐ و آل محمدؐ کی مدد حضرت جبرئیل فرماتے ہیں - اس باب میں ایک حدیث میں جلد اول میں صفحہ ۳۳۵ و ۳۳۶ پر شیخ صدوق رح کی کتاب عیون اخبار الرضا سے لکھ چکا ہوں - اور بھی حدیثیں ہیں - جن سے ثابت ہے کہ مداحان محمدؐ و آل محمدؐ کی جبرئیل مدد کرتے ہیں -

تو شیعو آمد آمد روح الامین ہوئی
تو بخشش خدا سے سخن آفریں ہوئی
اونچی ہوئی فلک سے سخن کی زمیں ہوئی
تو روح پاک عون و محمد معیں ہوئی
عرش خدا سے رخصت پرواز آگئی
پرواز جبرئیل کی آواز آگئی -

جانا نہ کچھ بھی اپنے سخن کو کم بہا
اہل سخن میں پھیلا ہے یہ مدح خواں
شفقت عنایت انکی جو کہتے ہیں نکتہ پر
پھر کس طرح ہو دل سے تسبیحان رب یہاں
اب فخر کے بیان سے چپ ہو گئے ہیں ہم
مسعود عطا کیجئے بس لو نئے ہیں ہم

چمکا وہ پرچم علم امر مضامین کی شان
فضل و ذوالمنن
وہ تو نبی ہے بلبل مضامین چمن
پائیں طرف جبیں میں دی ہی طرف حسن
تو صبح ہیں جو یہ حسن لشکر سخن
عل ہے خزانہ نظم کا ہے فکر گنج سے
ملا ہے اجوائے مضمون کا گنج سے

طالب ہیں جس کے استغنا کی شان
صدقے کا امیر و فقیر ہے
دل ہے غنی ولائے جناب امیر سے
ترجیح ہے عطارد گردوں سریر سے
تحریر یاں ہو لیاقت رب قدیر کا
سایہ میں ہو تراب کے خاکسار ہے
کیسا ہمائے فلک بھی ہے جھکا ہے

یا رب کمال سے بھی جو کچھ کسر زبان ہو
شکر عطائے حق نہ سر مو بیاں ہو
صدقے علی کے نام مبارک پہ جاں ہو
ذرے پہ کون ایک ہوا مہرباں ہو
شیرازہ ہفت دفتر گردوں کا کھل گیا
بندش میں قلعہ ختم مضموں کا کھل گیا

[illegible]

[illegible]

غازیوں کے نعرے سے دلیروں کے پامال ہونے کو ظاہر فرما کر تشبیہ بالکل
نئی دی ہے۔ کہ جیسے حضرت یوسفؑ کی وفات سے قحط سالی پامال ہوگئی تھی
ویسے ہی دلیر پامال ہوگئے۔ چوتھے مصرع پر غور فرمائیے۔ دوسرا شاعر
کہتا تو یوں کہتا۔ کہ فتح کی آمد سے اُن کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ مصنف علام
فرماتے ہیں۔ کہ انکی آمد سے خود فتح کا چہرہ خوشی سے اس طرح لال ہو رہا ہے
جیسے ناد علی (ناد علیاً مظہر العجائب الخ) کے نازل ہونے سے شکستہ بازی مغموم و
درماندہ مسلمان مسرور و شاد ہوئے تھے۔ بہرام گور عراق کا ایک مشہور بادشاہ ہے۔ جو گورخر کا
اکثر شکار کیا کرتا تھا۔ ایک دن شکار کے تعاقب میں غائب ہوگیا نہ معلوم
کہاں مرکر پیوند زمین ہوا۔ شب میں شاعران ایشیائی کی طرح تخئیل ہے۔
کہ زمین ایسے لعینوں نے چیخ چیخ کر سر پر اٹھالی۔ کہ زمین نے بہرام کو اچھال
دیا۔

[illegible]

تیز گھوڑے کو بادپا کہتے ہیں جسکے لفظی معنے ہیں۔ ہوا کا پاؤں اسی سے دوسرا مصرعہ مصنف علام نے نکال لیا۔ ازبسکہ بادپا زمین پر ساکن ہوئے تو یوں کہنا چاہئے کہ جھونکے ٹھہر گئے۔ بادو آندھیاں تھم گئیں شمر سے پہلے گفتگو ہو چکی تھی۔ اور وہ امام حسینؑ کا سخت دشمن ثابت ہو چکا تھا۔ اس لیئے اول اسی کو دیکھا جب فوج والوں سے سنا کہ وہ غش میں کہیں پڑا ہوگا۔ تو فرمایا۔ اور عتاب چہرہ پر پھیر کر بہادرانہ شان سے فرمایا۔ کہ خیر فوج کو گھیر کر مارینگے۔ اسی بند سے آئندہ کا بند دست و گریبان ہے

[illegible]

فرماتے ہیں شمر کس شمار میں ہے اوس کمینے نے قتل بھی کیا تو کیا فخر کی بات ہے (شمر و شمار کی لفظی رعایت قابل غور ہے) اور سردار لشکر عمر ابن سعد کا بھی تاج زریں اوتار لیا تو کیا۔ پھر اور ترقی کی کہ دریا پر بھی اپنا قبضہ ہو گیا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ پھر لہی

آبائی شجاعت و ہمت کی شان وہ دکھاتے ہیں۔ کہ تمام انس و جن بہی ہم سے مقابلہ آرا ہو جائیں۔ جب بہی کچھ پروا نہیں۔ درحقیقت جب شجاع و دلیر جان سے ہات دہو کر جنگ پر تیار ہو جائیں تو سب ہیچ ہیں۔ ٹیپ میں فرماتے ہیں کہ یزید کا تخت تو کیا چیز ہے۔ اگر دل پر رکہیں یعنے ارادہ کریں۔ تو تمام اُس کا ملک اولٹ دیں میر انیس صاحب مغفور نے حضرت حر کی زبانی ایک مرثیہ میں فرمایا ہے۔ ؎ پایہ پکڑکے تخت الٹ دوں یزید کا۔ حضرت حر سے بڑہکر باہمت یہ بنی ہاشم ہیں اس لیئے یہ ملک اولٹ دینے کو فرماتے ہیں۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نانا (علی ابن ابی طالب) کا نام کلمہ میں بعد رسول مقبول لینا جایز ہے۔ کہ مشہور حدیث ہے۔ کہ در جنت پر جناب رسول خدا صلعم نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وایدتہ بعلی تحریر دیکہا تہا۔ چنانچہ حافظ شیرازی اپنے قصیدہ میں اسی مضمون کو کس خوبی سے فرماتے ہیں۔ ؎ نوشتہ بر در فردوس کاتبان قضا۔ نبی رسول و ولی عہد حیدر کرار۔ پہر جناب

سیدہ فاطمہ زہرا کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔ کہ فریضہ نماز کے بعد تسبیح فاطمہ پڑھنا۔ مستحب ہے۔ اور چونتیس ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔ پھر تینتیس ۳۳ مرتبہ الحمد للہ۔ پھر تینتیس ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھا جاتا ہے۔ یہ تسبیح تمام تعقیبات سے بہتر ہے۔ انہیں معظمہ کے ساتھ فاطمہ بنت اسد کی فضیلت بیان کی جو جناب امیر اور جعفر طیار کی حقیقی والدہ اور جناب رسول خدا کی ایسی چچی ہیں۔ جنکو حضرت اماں کہا کرتے تھے۔ کہ انہیں نے بعد وفات آمنہ حضور کو پالا تھا۔ پھر جعفر طیار کی فضیلت بیان کرتے ہیں کہ جب وہ شہید ہوگئے تو جناب رسول خدا نے مسلمانوں کو خوشخبری دی کہ خدا نے زبرجد کے دو پر جعفر کو بخشے۔ کہ وہ ملائک کے ساتھ پرواز فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسلمان اونکو جعفر طیار کہتے ہیں۔ طیار کے لفظی معنے بہت اوڑنے والے کے ہیں۔ (نانا) علی شاہ مرداں کا تو نام لیکر مسلمان لڑائی شروع کرتے ہیں۔ آج بھی جہاں کہیں مسلمان لشکری حملہ کرتے ہیں۔ تو علی علی پکارتے ہیں۔ یہ تو نانا کی فضیلت ہوئی۔ دادا کی یہ فضیلت ہے۔ کہ نماز جعفر طیار مسلمان پڑھتے ہیں۔ نماز جعفر طیار واسطے عقدہ کشائی کے پڑھنے کا دستور ہے۔ اوس کے ذریعہ سے خدا دعا قبول کرتا ہے۔ حاجت بر آتی ہے اور وہ سفینۃ النجات میں بھی مرقوم ہے۔ تمام بند کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ ہمارے بزرگ تمام اہل اسلام کے پیشوا۔ اور حاجت روا۔ ہیں +

[illegible]

پانی تم اُس سخی کو نہیں دیتے بوند بھر
مشیت کا پہلو
فاقے کو بھی شروع ہے چوبیسواں پہر
اب بھی مسافروں پہ نہیں رحم کی نظر
اُجڑا لٹا تباہ ہوا پنجتن کا گھر
کل ایک دو عزیز ہیں اب قتل ہونے کو
بائیس بی بیاں ہیں بہتر کے رونے کو
کیا خوب تم نے پاس نبی فاطمہ کیا
خیر البشر کی آل کا یوں خاتمہ کیا

یہ حال مصیبت محض اتمام حجت کی وجہ سے بیان فرمایا ہے اب قدرت و قوت کا بیان ہے۔ اور یہ اشارہ ہے۔ کہ امام حسین عاجز نہیں۔ اور اُسکے ساتھ عصمت کی شان دکھاتے ہیں۔

اس وقت بھی عزیز ہے اُمت حضور کو
ورنہ ہر اک طرح کی ہے قدرت حضور کو
حق نے کیا ہے آیۂ رحمت حضور کو
بخشی ہے ہست و نیست کی قوت حضور کو
دونوں جہاں میں کونسی قدرت نہیں انہیں
پر اک گناہ کرنے کی طاقت نہیں انہیں

لشکر چڑھا ۔ لڑنے گئے مردان گیر و دار
تولا عمر نے لشکر دیں میں ہر ایک کا وقار
دو غول انتخاب کیے بہر کارزار
دو دو ہزار اور بھی تھے یکتائے روزگار
نکلے وہ غول فوج سے یا مُردے گور سے
قرنا پھنکی وہاں بھی بجے زور شور سے

نقارے سے [illegible] فوج [illegible]
دوں دوں [illegible] سینہ [illegible]
[illegible] تیغ [illegible]
[illegible] ہوئے گرد [illegible] شام و روم
تھے دلدل و براق [illegible] دو [illegible] تھے
[illegible] ذوالفقار تھی

نقارے پر چوب پڑنے سے "دوں دوں" کی آواز نکلا کرتی ہے۔ اس پر [illegible] شعرا موقع و محل کے موافق مضمون آفرینی کرتے آئے ہیں۔ میر حسن مرحوم اپنی مثنوی لاجواب میں فرماتے ہیں ع کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں۔ وہ خوشی کا موقعہ تھا۔ یہاں لڑائی درپیش ہے۔ عمر سعد سردار لشکر اور یزید پلید کی نسبت مصنف علام نے مضمون پیدا فرمایا کہ آواز نقارے سے نکلی۔ کہ دوں دوں دو کمینے ہیں (کیونکہ دوں کے معنے کمینے کے ہیں) ایک سردار لشکر عمر ابن سعد۔ دوسرا یزید۔ اُدہر تو فوجوں کا ہجوم ہوا۔ اِدھر لڑائی کے شوق نے دل پر ہجوم کیا۔ اور یہ غازی بڑھے تو لشکر شام و روم سب گرد ہوگئے۔ دونوں گھوڑے گویا دلدل و براق تھے۔ اور دونوں پیچھے جب مل کر چلے تو ظاہر ہوتا تھا۔ کہ ذوالفقار چلی ذوالفقار کے دو پھل مشہور ہیں۔ اس لئے یہ تشبیہ تام ہے۔

[illegible]

بڑھکر لگائی عون نے بھی تیغ بے پناہ
دو ٹکڑے ہو گئی سپر ترک رو سیاہ
چھوٹا پکارا قبلۂ حاجات واہ واہ
یہ ضرب معجزہ ہے کرامت خدا گواہ
کٹ کٹ کے یوں لعین کی قرص سپر بہا
کیا زیر آب تیغ گل نیلوفر بہا

ناگاہ ان شریروں نے کی ابتدا جب
سرگرم جنگ یاں ہوئے شیر شیر غضب
دونو کے معرکے سے کیا پنجو نکو جب
اک ضربہ سر نے عون کے سر پہ لگائی ضرب
یہ عون حق تو خود سر عون ہو گئی *
یوں رد کیا یہ وار کہ عقل اوسکی کھو گئی

* عون بڑے صاحبزادے کا نام ہے مگر اس مقام پر عون مددگار کے معنی پر ہے

منہ دیکھکر محمد عالی مقام کا
بولے یہ عون معرکہ ہے دھوم دھام کا
کی عرض اوس نے شکر خدائے انام کا
وہ ایک اشتکار ہے اور یہ غلام کا
جب ہاشمی و بیخستی ان پہ چڑھتے ہیں
یہ بچے دلیروں کی گردن پہ چڑھتے ہیں

آئے تھے دو گروہ ادھر سے بہر جنگ (دو پہلوانوں کی لڑائی)
نکلے قضا کی لہر میں ادھر سے دو نہنگ
شانوں پہ گرز گاو سر اور زیر ران پلنگ
سبطین شیر حق کے حضور آئے بیدرنگ
یاں اونکے واسطے تھا عجز احتیاط کیا
عرش علا کے آگے زمین کی بساط کیا

احتیاط - بستی پلنگ - درندہ جانور ہے جو علاوہ چیتے کے ہوتا ہے بشکل گربہ

[illegible]

عزیٰ - ہبل - لات بتوں کے نام ہیں - جن کو عرب جاہلیت میں پوجتے تھے۔
اشارہ ہے کہ یہ لوگ بھی پوشیدہ اونہیں بتوں کے ماننے والے تھے ۔

[illegible]

گردنی دینا - محاورہ ہے گردن پکڑ کر دیکھہ دینے کو گردنی دینا کہتے ہیں

پھیرو تو اوچھل اوچھل کے نکل جاتی ہیں
چاہے جو چھو لے ہو سے تو چھوڑتی ہیں زمین
نام خدا سمی ہیں ہما کے صبا قرین
کرتی ہیں ایک آن میں سب سیر مہ جبین
بیٹھے جو اس پہ بخت کا اعزاز دیکھ لے
پیچا پیچ ان کا سوال جو پرواز دیکھ لے

(نام خدا۔ ماشاء اللہ کی جگہ کلمۂ تحسین ہے۔ سمی کے معنے ہمنام کے ہیں۔)

لوٹی وہ نعمتیں کہ کہیں ایسی کسی سے لی
نعمت بہشت ملا روٹیوں سے لی
جاگیر خلد بار دو عالم کی سخی سے لی
دنیا بھی تیغ تیز سے لی
دولت اس نے لی واسطے دوجہان کی
نیکی ان کی نعمت یہ دو جہان کی

دنیا۔ سناں سے لی یعنی جہاد فرما کر حاصل کی۔ نعمت عقبے تین روٹیوں سے لی۔ تین دن تک مسکین و یتیم و اسیر کو اپنا کھانا دیا۔ اوس کی مدح میں سورہ ہل اتیٰ آیا۔ خدا نے سخاوت کی مدح فرمائی۔

شاہ غریب بہشت جو وہ بے نیاز تھے
اوجھل تھے بے کسی کی ترقی بہت تھے
ادراک سے بھی بیشتر وہ دل سے بیت تھے
بیٹھے جو بیٹھ بیٹھ کے ایسا بیت تھے
نیکی وفاق بیتر کے بیشتر بیت تھی
سب سے بیشتر کے سب بیتی کی اس بیتی

المنتہے۔ یعنے انتہاے کلام یہ ہے المختصر المدعا۔ الغرض یہ الفاظ حسن معنی محل پر مشتمل ہوتے
ہیں اور ویسے موقعہ پر المنتہے بھی بولا جاتا ہے۔ مگر صرف علما کی زبانوں پر ہے مرزا صاحب نے اسکو
نظم فرما کر زبان اردو میں وسعت پیدا کی۔ مژدہ استسقا کا آتش استعارہ ہے آتش نثر کے
رہنے کا مقام ہے حضرت عون غازی کے تیر مژدہ استسقا تو گویا آتش پیا رہے تھے۔ اور محمد کے تیر کا
تیر دشمنوں کے دلوں میں گھر کر رہے تھے۔ تیغوں کا پانی زمین و آسمان کی نیووں میں اتر کر رہا
تھا۔ اس سے چھٹا مصرع نکال لیا۔ کہ زمین کا کیا ذکر آسمان کی بھی نیو برباد تھی جب
کسی نیو میں پانی اتر کر جاتا ہے۔ تو وہ عمارت ڈھے جاتی ہے۔ اوسکی نیو خراب ہو جاتی
ہے۔ اور نیو خراب ہونا محاورہ ہے محاورہ سے مضمون نکالا ہے۔

[illegible]

بلارک بفتح اول و چہارم تلوار۔ اور چونکہ [illegible] فارسی میں مستعمل ہے اردو میں یہ لفظ بہر علم
نہیں فقط مرزا صاحب مرحوم نے استعمال فرمایا ہے [illegible] بلانا
اوسکا مصدر ہے تیسرے مصرعہ میں [illegible] ماضی کا صیغہ ہے [illegible] اسکا مصدر ہے جسکے معنے [illegible]

[illegible]

یہ ایک مشہور مثل ہے کہ نیند سولی پر آتی ہے۔ مصنف مرحوم فرماتے ہیں کہ تلوار کمر بند دشمن میں داخل ہوئی اور تلوار پر دشمن کو بلند کیا گویا پلکہ میاں ہوگیا تھا جوہر کا نور دیکھئے جو مثل تنکے کے تھا۔ تنکے نے پہاڑ سر پر اٹھایا۔ دشمن کی پلک جھپکی تو اُس کی آنکھ نے کہا۔ کہ نیند ایسی بری بلا ہے جو سولی پر آتی ہے

[illegible] تیغ
[illegible] تیغ
[illegible] تیغ
[illegible] تیغ
[illegible] تیغ
[illegible] تیغ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

۹
جوق - گروہ - بوق - جنگی باجہ جس سے ڈرانی آواز نکلتی ہے - تو آسمان کو۔ تو کالے دانے کہا۔ آگ اور شعلہ پر کالا دانہ ڈالو تو شعلہ اور بھڑکتا ہے۔ اور دھواں گھٹتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ آسمان جو بمنزلہ کالے دانے کے ہوگئے تو دشمنوں کے اور بھی دم بند ہوگئے کالا دانہ نظر بد سے بچنے کے واسطے بھی جلانیکا رواج ہے۔ ایسی تیغ آزمائی پر نظر لگنے کا خوف تھا۔ اوس کے دفعیہ کا قدرتی سامان ہوگیا

[illegible]

غول پر غول کا گرنا۔ اور پھر غل پر غل اوٹھنا لازمی ہے۔ کتنا عمدہ مضمون فرمایا ہے ٹڈیپ میں
رن کا سر پاؤں جدا ملنے سے یہ غرض ہے کہ رستے الگ رن الگ لکھا جاتا ہے۔
رستے سر ہوئی نون پاؤں ہوا۔

[illegible]

* جیش فیتون جنود جند کی جمع ہے سب الفاظ۔ گروہ یا فوج کے معنے پر ہیں

[illegible]

ٹیپ میں اشارہ ہے کہ فرزند رسول کو وہ قتل بھی کر رہے تھے اور پھر اپنے آپ کو پابند شرع بھی سمجھتے تھے۔ طوفان۔ حباب۔ موج پریشان کی رعایت لفظی ظاہر ہے اور حباب کا سربگریباں ہونا اعلےٰ درجہ کا مضمون ہے۔

[illegible]

٭ الحرب خدعۃ مشہور حدیث ہے جس کے لفظی معنے ہیں لڑائی۔ مکاری ہے

بجمع روایت کیطرف

تو خنجر فریب ہوا رن میں کارگر
قاصد کی شکل بنکے بڑھا ایک حیلہ ور
بولا کہ اے دلیرو! مبارک تمہیں ظفر
عبداللہ ابن ہو تجھے مژدہ ہے وقت پر
خادم - لواحق آپکا اور کچھ ساتھ تھا
کہتا تھا زمین دوش کا اور مہر اٹھا تھا

لواحق - اقارب - آپکے ہمراہ

اول نبی کے کنبے بہشتی کا ہمن تھی
پھر وہ پامال ہوا اور دولہن ہوئی
کبرے کے بعد بانوئی شاہ زمن ہوئی
کیا دولت جناب حسین و حسن ہوئی
پھر بیٹا! اسے گذشت یہ بنت نبی کی
دو ماتم - اور ایک بوا سی رسول کی

(اہل مجلس سے خطاب مصنف)

اب سوز حسن حیدری و جعفری کریں
سر پیٹیں قاسیوں سے ہمسری کریں
زینب کے نام روز پہ نوحہ گری کریں
آل نبی کے سامنے گریباں دری کریں
مرقوم ہے کہ آل رسالت پناہ میں
پہلے انہیں کا خون گرا قتل گاہ میں

گریباں دری - گریبان پھاڑنا - اظہار غم

قاصد کی شکل بنکے کوئی انکے پاس جائے
دکھلا کے خط کسی کا یکایک یہ غل مچائے
پڑھیے یہ رقعہ وارث جعفر وطن سے آئے
ہمدرد و قرابتی حسن حسین کے ساتھ لائے
خط کا مطالعہ جو کریں جھک کے زمین پر
تن پر سے سر گرا کے گرا دو زمین پر

کچھ پروا ہو دل کی تو وقت کا گلا لیں
ہوا وہ جب بیاں نہ کہ سکے نہیں یقیں
کہتے ہیں ہمارے لیے پتھر جو سمر ہیں
کہ کہتے ہیں جگنو میں کس کام کی ہے شمع
گر جو سے لگا کسی آگ آنکھوں کی
ہائے شمع تنہا کیوں جلے ہیں یہ رات کے

تھا ماہ یہ عقرب٭ میں سعد برج وہ کیا ہے
کہتا ہے کس کو یہ بیٹھا وقت لیا ہے
ہر بیٹھ کے تیر سب ہائے ظلم کیا ہے
سر کٹ گئے یہ ہیں کہ جو پتلا تیرا ہے
سب خنجر تیروں تیغوں تیر گئے ہیں
سیدانی کے تن کے دھوپ تپ رہے ہیں

٭۱- عقرب - بچھو - اور آٹھویں برج آسمان کا نام بھی عقرب ہے۔ جب اوس برج میں چاند رہتا ہے۔ تو وہ دن منحوس ہوتے ہیں۔ یہاں چاند سے مراد یہ صاحبزادے ہیں۔ اور عقرب سے مراد اُن کے قاتل ہیں۔ مجازاً عقرب منحوس کو بھی کہتے ہیں۔

جو شان تیری جس کی کہ وہ ہیں
تیری ذات سے بے کسی ہے کہ وہ ہیں
نیزوں کی انی ہمارا اس کا دل ہیں
یہاں بیٹھی وہ کہ جس کی نگاہ ہیں
یہ غم تو ہے کہ جس کا بیاں ہیں
کیا ہائے پسر سے یہ جوان ہیں

شانہ ہلا کے فضہ نے زینب کو دی ندا
تو سر اوٹھاؤ شکر کا سجدہ کرو ادا
پوچھا کہ کیا نواسے ہوئے شاہ پر فدا
اوس نے کہا ثواب غم اونکو دے خدا
تیر و سناں سے صدر و جگر ہیں چھنے ہوے
مسند و پہ بیٹھے ہیں دولہا بنے ہوے

آئے ہیں پردہ در ماتم سرا اوٹھا
آتے ہی لاشے مختصرا ولولہ اوٹھا
گیسو بکھیرے مجمع اہل عزا اوٹھا
سجدے سے سر نہ زینب ناشاد کا اوٹھا
غش اونکو جانماز بتول حزیں پہ تھا
تسبیح ہاتھ میں سر سجدہ زمیں پہ تھا

ناگاہ آئے قاسم و عباس نوحہ گر
دولہوں کے بر میں لیکے زینب لہو میں تر
شہ بولے اس ثواب کی ہمکو نہی خبر
کی عرض کہہ گئے تھے ماؤں کو جوڑ کر
فاقہ امام کا نہ فراموش کیجیو
تکلیف لاش اوٹھانیکی اونکو نہ دیجیو

بن بیٹو نکی ہو بی کو دلاسا دو میری جان
دو فرش سوگ جھٹ سے بچھوا دو میری جان
پرسان حال اوسکے ہو پیارا دو میری جان
لوٹے ہیں دو سہاگ سہارا دو میری جان
مہلت ہے جتنی سب کو چین آج ہوئیگا
سامان ہمارے سوگ کا کچھ بھی نہ ہوئیگا

[illegible]

سورۂ یٰسین میں سات جگہ لفظ مبین آیا ہے۔ اس لئے ۷ مبین مسلمانوں میں مشہور ہیں دوسرے مصرعہ میں اسی کا اشارہ ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گھبرا کے بین غش سے یہ بولے وہ با ادب
قربان خاکساری بنت ابو تراب
کہیے یہ خانہ زادوں سے فرماتی ہیں جناب
نزدیک ہے کہ شرم سے فدوی ہوں آب آب
القاب ہے کون ہم تمہارے غلام ہیں
ہاں یہ فخر فدیہ شاہ انام ہیں

واجب ہیں اک کنیز پہ ہیں مالکوں کے کام
مالک پہ سر کے مارتے ہیں کام ہے تمام
خدمت کرونگی کی ہیں ناکام صبح و شام
پیارو تمہاری نانی کی ہے یہ لقب نام
اب کس کیا نصیب ہیں جن کے ہم نہیں
حضرت تمہارے کام کے قابل ہیں ہم نہیں

پوچھیں جو وہ کہ تم نے سلوک ایسا کیا کیا
جس کے صلے میں خط کنیزی عطا کیا
کہیو سر اونکے بھائی پہ ہم نے فدا کیا
اک شمہ حقوق امامت ادا کیا
اسکو بہت حسین کی خاطر عزیز ہے
سبط نبی کے فدیوں کی زینب کنیز ہے

پیارو نہو تو مجھ پہ تم اتنا کرم کرو
اوبھو خط کنیزی زینب رقم کرو
زیب رقم گواہی اہل حرم کرو
اور خاتمہ پہ مہر امام امم کرو
کہنا وہ خط دکھا کے علی کو بہشت میں
یہ ہی لکھا تھا خادموں کی سرنوشت میں

ناظرین کتاب بغور مصنف مرحوم کی قوت دماغی ملاحظہ فرمائیں
کس قدر صفائی سے باوجود وسعت قافیہ کے کیسے مرثیت اور بین کے
پہلو نکالے ہیں۔ اس زمانے کے وہ مرثیہ گو حضرات جو ایسے
بیسیوں مضامین خیالی مرثیہ میں پیدا کرتے ہیں۔ وہ ان مرثیوں
سے سبق لیں۔ اور دیکھیں کہ پیروی قرآن خوانی کے متعلق کیا بات پیدا کی ہے

جب حضرت وہ چلیں تو کہے یہ غضب کے بین
فریاد و بجد و فغاں کرے ہے نوبت حسین
اماں تمام گھر کا ہے ماموں سے دم حسین
اب آپ کے حوالے ہے زہرا کا نور عین
یاں موت حسین ہی کا تشنہ مشرقین کو
لے جائیے مدینہ میں آقا حسین کو

کس نے حسین کی زینب کو دی قسم
بیٹوں نے کیا کہا کہ ہوا یہ قلق یہ غم
بولیں کہ گھڑی میں نہ گھر ہے نہ تم نہ ہم
کہتے ہیں جب چلے یہ لگے نیزہ ستم
نانا نے آ کے لاشوں پہ حالت بتا دی
نیم جاں بال بچے کفن پہنا دہ کی

یہ سنکے بیبیوں کے حواس اُڑ گئے
اک یاس کی چھری سے جگر سب کے کٹ گئے
کہتے ہیں حسین کہ لیکے یہ ناز سے لپٹ گئے
اور عرض کی کہ سب کے مقدر الٹ گئے
پھر چپکے چپکے کان میں بچی کچھ کہا
زینب نے پیٹ پیٹ کے محشر عیاں کیا

(مرثیت کا پہلو)
بانو کا کلیجہ تھام کے تڑپے وہ باوفا
کلثوم بولیں درد ہے زخموں میں کیا ہوا
بولے حضور دل میں ہے اک درد لا دوا
چھ گردے بہو کو ہٹا دیجئے ذرا
کم کم ابھی ہے موت کی لکنت زبان میں
کچھ ہم کہینگے والدہ صاحب کے کان میں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بیکس رہی ... وہ ... تھی

... ہے ... تھی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ناظرین الحیات دبیر جلد اول کے صفحہ ۲۲۷ پر اس بند کی خوبیاں ملاحظہ کیجیے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ بہادر کی موت میں بھی شجاعت کی شان نظر آتی ہے -

---

۹ - احتضار - یعنی موت کے آنیکا وقت ؛

پہنچیں جو زینب نے لاشوں پہ کی فغاں
بیکس ہوئی ہیں بیبیاں جو نوحہ خواں
بیٹوں کی طرح روتی ہیں النسا میری بیٹیاں
قاسم کی ماں کو دیکھیے پہ کیا بیاں
گذری ہے ایک رات فقط بیاہ ہونیکو
بیاہی دلہن کو چھوڑ گئے لاشوں پہ رونیکو

حاضرین مجلس سے خطاب

لو حاضرین بزم محب بادشاہ دیں
کہتی ہیں تم سے فاطمہ بیکس حزیں
تم میرے باپ کے کلمہ گو ہو یا نہیں
پیٹو کہ مر گئے مری زینب کے مہ جبیں
پرسا دو خاتمہ ہوا میرے نواسونکا
مظلوم تھا غریبوں کا بھوکونکا پیاسونکا

پیٹا تھا پیٹ کے لاشوں پہ شاہ دیں
بیٹوں کے پیٹنے سے لرزنے لگی زمیں
اکبر نے در پہ خیمے کے ٹکرائی تھی جبیں
وہ سر دونکو پٹکتے اصحاب خوش یقیں
اکبر پکارے عون و محمد گذر گئے
ہمشیر زادے قبلہ و کعبہ کے مر گئے

انتہائی محبت

پھر لے کے خوں میں کلمے کی انگلی کو کر کے تر
پنجہ پہ لکھکے دست حبیبی ہتھیلی پہ کی نظر
کیا دیکھتی ہیں حضرت زینب جھکا کے سر
لکھا ہے اسم اقدس شبیر نامور
دیکھا کہ حسین کا نام اور مر گئے
آئی ندا کہ خاتمہ الفت کا کر گئے

کبرے کو اور سکینہ کو سکتہ ہوا عجب
ہیبت کسی شہید کی دیکھی تھی ہم نے کب
بچپن کو دیکھئے تو دولہا ہے یہ غضب
کلثوم بولیں ہم تو ہیں واری یہ تشنہ لب
ششدر نہ ہو کہ سوتے ہیں انکو جگاتی ہوں
حضرت کے پاس جاؤ میں انکو بھی لاتی ہوں

جو رو کے آن کے محسن بنت علی کے
سر بازو سر فروش و دلیر و جری کے
غازی کے فدائے سر جانبی کے
صابر کے شہید کے متقی کے
بندوں میں خاص خالق اکبر کے ہو گئے
بچپن میں فدائے اکبر و اصغر کے ہو گئے

آئی دلہن جو لاشوں پہ چلاتی ہے اشکبار
زینب بھی ہیں بہت اکبر سے بے قرار
بانو سے ماں جو بیٹے کی ہیں وہ دل فگار
سمجھاؤ تم سکینہ و کبرے کو ہیں نثار
ہر لحظہ ہیں خبر بیاہ کی بہن نے منائی ہے
بھائی نہ کہیے رو ہیں کہ اکبر بیاہی ہے

سمدھن ہاں نہ خوف بدشگنی ہو تمہیں اگر
مردوں پہ سو رہے جو کسو کے پیارے وہ خوش سیر
بالیں پہ پیٹے دست حنائی سے اپنا سر
اوس نے کہا مجھے تو ولیکن ہے نہ ڈر
یاں جو سہاگن آئی ہے وہ بیوہ ہوئیگی
پہلے دلہن ہی دونوں کی لاشوں پہ روئیگی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مقطع سے معلوم ہوا کہ انتقال میر انیس پر مرزا صاحب مرحوم نے یہ مرثیہ کہا ہے۔ در حقیقت
تا ابد فقط وہی دو ذیشان ہیں ہے۔ حصۂ اول جلد دوم حیات دبیر تمام ہوا

مختصر فہرست کتب امامیہ جنرل بک ایجنسی لاہور

نوٹ:۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا۔

کتب مصنفہ سرکار علامہ مولوی حکیم سید غلام حسنین صاحب قبلہ کنتوری دام ظلہ

سوانحعمری مولوی حکیم سید غلام حسنین صاحب قبلہ کنتوری دام ظلہ } عجیب مفید و دلچسپ کتاب ہے۔ علامہ موصوف کے تحصیل علم۔ حالات سفر اور ۷۵ علوم کس کس طرح حاصل کئے۔ اور کمال کو پہنچائے۔ خصوصاً علم طب وکیمیا۔ طبی وکیمیاوی تجربہ۔ مجرب نسخہ جات۔ خالص چاندی بنانے کا پورا پورا نسخہ۔ جو مجمع عام میں بناکر دکھلایا۔ اول تو کوئی شخص ایسا نسخہ جانتا نہیں۔ اگر کسی کو اتفاقیہ کہیں سے حاصل ہو جائے۔ تو کسی کو بتاتا نہیں۔ سرکار علامہ دام ظلہ نے اپنی دریادلی سے مفصل لکھدیا ہے۔ علاوہ اس کے سرکار علامہ دام ظلہ کے حالات ایسے مفید و عجیب ہیں۔ کہ اگر انسان شوق سے پڑھے۔ تو بہت زائد پاوے۔ یہ کتاب اعلےٰ درجہ کے ولایتی رنگین کاغذ پر اعلےٰ درجہ کی خوشخط چھپی ہے۔ اصل لاگت مع عمدہ جلد قیمت اس کی ۱۲؍ و ۱۰؍ تھی۔ مگر اب صرف ۸؍ ہے۔

انتصار الاسلام جلد اول } تمام عالم میں اپنے رنگ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ جس میں اسلام کی تمام خوبیاں علوم قدیمہ و جدیدہ سے ثابت کی ہیں۔ اور جس قدر شبہات و اعتراضات اسلام پر غیر مذاہب والوں نے کئے ہیں۔ ان سب کے دنداں شکن جواب مختلف علوم سے دئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دیکھنے سے ثابت ہوگا کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب تمام اصول فلسفہ قدیمہ و جدیدہ کے مطابق ہے۔ تو اسلام ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ قرآن شریف کیونکر معجزہ ہے۔ فلسفہ میں جدید قدیم کا کیا فرق ہے۔ شعبدہ، سحر و معجزہ کا فرق کیا ہے۔ سوا نیزہ پر آفتاب کا مغرب سے نکلنے کا ثبوت۔ قیامت کے روز گرمی آفتاب کی متحمل کیونکر ہوگی۔ معجزہ شق القمر کا عقلی و نقلی دلائل سے ثبوت۔ چاند کا سات بار کعبہ کے گرد پھرنا۔ نبی کی نبوت پر چاند نے گواہی دی۔ وغیرہ وغیرہ۔ قیمت صرف ۱۲؍ +

نوٹ:۔ باقی فہرست ٹائٹل کے اخیری دونوں صفحوں پر دیکھو +

انتصار الاسلام جلد دوم } اس کی خوبی و تعریف جلد اول کے حالات سے معلوم ہو جاتی ہے۔ بے نظیر و بے مثل کتاب ہے۔ قیمت صرف ۱۲ عہ

مائتین فی مقتل الحسین علیہ السلام جلد اول } تقیطع کلاں پر ہر دو حصہ جس کی ۸۰۰ صفحہ ہیں۔ اس کتاب میں علامہ موصوف دام ظلہ نے علوم قدیمہ و جدیدہ و دلائل عقلی و نقلی سے ان تمام شبہات و اعتراضات کے دنداں شکن جواب دئے ہیں۔ جو مخالفین اسلام نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارہ میں کئے ہیں۔ اور کتب معتبرہ سے واقعات شہادت ایسے ایسے تحریر فرمائے ہیں۔ جو اور کسی کتاب مقتل میں نہ ہونگے۔ اصلی قیمت ۸ رعایتی ۶ عہ

مائتین فی مقتل الحسین علیہ السلام جلد دوم } تعریف مضامین کتاب مثل جلد اول۔ قیمت عہ

مائتین فی مقتل الحسین علیہ السلام جلد سوم } مضامین کتاب مثل جلد اول و دوم۔ قیمت ۸

اجابت السائل } اس میں حال ملاقات جناب امام حسین علیہ السلام اور جناب خضر علیہ السلام بصورت اعرابی۔ سوال و جواب ہر دو حضرات۔ نصف کالم میں اصل عبارت عربی نصف میں اردو۔ قیمت ۲

رسالہ جعفریہ } اس میں جناب علامہ موصوف نے ۷۶ تشکلیں وضو کی ثابت کی ہیں۔ اس وقت تک اردو بین البینی بے نظیر کتاب نہیں لکھی گئی۔ قیمت ۴

کتب مصنفہ سرکار مولانا مولوی سید مظہر حسن صاحب قبلہ دام ظلہ سہارنپوری

کشف الحقائق } خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ جس لاجواب کتاب کی ملک ہند میں دھوم تھی۔ اور جس کی طرف مومنین کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ اور دل سینہ میں بیقرار تھے۔ وہ مجموعہ محمودہ دین و ایمان کا خزانہ علم و معرفت

کی کان یعنی علم تاریخ وسیر کی جان سوانح عمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام مسمی بہ کشف الحقائق حسب دلخواہ چھپ کر تیار ہو گئی۔ قیمت عہ +

لمعۃ الضیا فی العدۃ من اخبار الرضا جلد دوم اس میں روضۂ اقدس جناب امام رضا ع کے معتبر حالات درج ہیں۔ اور اسماء گرامی اُن شاہان و اصحاب کے جو روضۂ مقدس سے فیض حاصل کرتے اور کرتے ہیں۔ اور معجزات ابتداء سے آج تک روضۂ متبرکہ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اکثر اس میں لکھے گئے ہیں۔ مصنفہ عالی جناب مولانا مولوی سید مظہر حسن صاحب قبلہ سہارنپوری۔ قیمت عہ +

سر خاموشی مصنفہ مولوی سید سجاد حسین صاحب قبلہ دام ظلہ۔ اس رسالہ میں ایک فرضی دعوے بپیش خدا من جانب سیدہ ع شکایت خلفاء پیش ہوا تھا۔ صحابہ کرام بحیثیت مدعاعلیہ طلب ہوئے۔ اُن کا جواب لیا گیا۔ اور بالآخر مقدمہ فیصل کیا گیا۔ اور ایک استغاثہ بصیغہ فوجداری از الہ حیثیت کا بمقابلہ شیعہ خلفاء نے پیش کیا شیعہ ملزمانہ طور پر گرفتار ہوئے۔ اور جواب دعوے داخل کیا۔ اس کا فیصلہ اور مباحثہ قابل دید ہے۔ قیمت ۸ر +

تحقیق المتین فی حق الیقین کی یہ کتاب سرکار شریعتمدار علامہ ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ کی اعلیٰ تصانیف سے ہے۔ اس میں مجلسی علیہ الرحمہ نے اصول دین اور ضروری مسائل شرعیہ کو قرآن و حدیث سے ایسے سہل طور پر ثابت کیا ہے کہ کم فہم آدمی بھی اسے پڑھ کر حق الیقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کتاب کا ہر شخص کے پاس ہونا ضروری ہے۔ اس کے حجم کے مقابلہ میں قیمت بھی نہیں۔ یعنی صرف عہ ضخامت ۸۶۴ صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ +

چشمۂ نجات یہ کتاب عین الحیات کے نام سے تمام شیعی دنیا واقف ہے۔ درحقیقت یہ کتاب طالبان معرفت و واعظین کی جان ہے۔ اس کتاب میں ہر ایک حال کے ساتھ تمثیلات و حکایات دلچسپ لکھی ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ چھاپا گیا۔ قیمت عہ +

یہ کتابیں حکیمی غلام عباس مینجر امامیہ جنرل بک ایجنسی کوچہ ناتک کٹلہ محلہ لوہاری منڈی لاہور سے طلب کرو